لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۳۳

سیر الصحابہؓ کے حصۂ مہاجرین کی دوسری جلد

مہاجرین رض

حصۂ اوّل

جس مین

بقیہ حضرات عشرہ مبشرہؓ واکابر بنی ہاشم وقریش، اور ان حضرات صحابہؓ کے حالات، سوانح، اخلاق وفضائل، اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی مجاہدات اور کارنامے ہین، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے شروع مین ایک مقدمہ ہے جسمین قریش کی تاریخ اور قبائل مہاجرینؓ کی تفصیل ہے

از

مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم سابق رفیق دار المصنفین

باہتمام مولانا مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ مین چھپی

طبع ثانی

۱۹۵۱ء

فہرست مضامین

مہاجرین حصۂ اوّل

اسمائے مہاجرین

(بہ ترتیب کتاب)

اسمائے مہاجرین

(بہ ترتیب حروف تہجی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ جلد ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات مین ہی، جو فتحِ مکہ کے پہلے اسلام لائے، چونکہ اسلام مین ان بزرگون کی حیثیت بہت بڑی ہے، اس لیے ان کو سب سے اوّل جگہ دیگئی، اور ان مین بھی چارون خلفاے راشدین رض کے، جنکے حالات مین ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ رضہم مین سے باقی چھ بزرگوار اس جلد مین مذکور ہین، اور ان کو تمام مہاجرین رض مین سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے،

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقدمہ اور حضرت ابن عباس رض اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رض کے فضل و کمال و اخلاق کا حصہ ان کے ہمنام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیقِ دار المصنفین نے لکھا ہے، آیندہ حصہ تمام و کمال ان ہی کا ہوگا،

کتاب مین دو فہرستین لگائی گئی ہین، ایک مین کتاب کی ترتیب کے مطابق نامون کی فہرست ہے، اور دوسری مین حروفِ تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہین، تاکہ تلاش و مراجعت مین لوگون کو آسانی ہو،

سید سلیمان ندوی، ناظم دار المصنفین

۲۳ر اکتوبر ۱۹۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

اسلام سے پہلے مہاجرین کے خاندانے

مورخینِ اسلام اور علماے انساب نے عرب کی تین قسمین قرار دی ہین، بائدہ، عاربہ اور مستعربہ، بعض صرف دو پر اکتفا کرتے ہین، عاربہ اور مستعربہ،

عرب بائدہ عرب کے وہ قبائل ہین جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخون مین ان کے تفصیلی حالات نہین ملتے، البتہ عرب کے اشعار مین جا بجا ان کا ذکر آجاتا ہے یا الہامی کتابون مین کہین کہین حالات مل جاتے ہین، یہ قبائل عاد، ثمود، طسم جدیس وغیرہ ہین، عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہین، جو یمن اور اس کے قرب وجوار مین آباد ہوئے، ان مین سے حمیر، کہلان، بنی عمرو وغیرہ مشہور ہین، ان کے حالات کثرت سے ملتے ہین، اور ان کی عظیم الشان یادگارین ابھی تک سرزمینِ عرب مین موجود ہین،

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے، اور یہی ہمارا موضوعِ بحث ہے کہ اسی سے سلسلہ اسمٰعیلی کی ابتدا ہوئی، جس مین مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہین، حضرت ابراہیم ؑ نے جب اپنے بیٹے اسمٰعیل اور اپنی بیوی ہاجرہ کو وادیِ غیر ذی زرع مین بسایا، تو وہان اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے، ان مین حضرت اسمٰعیل ؑ نے شادی

کی اوران سے جو نسل چلی، وہ عُرب مستعربہ، کے نام سے موسوم ہوئی حضرت اسمٰعیلؑ کے گیارہ اولادین ہوئین، جن مین ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل مین سب سے مشہور عدنان گذرا ہے، قریش کے تمام قبائل، اور مہاجرین کے اکثر قبیلون کا سلسلۂ نسب عدنان ہی تک آکر منتہی ہوجاتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دورون پر منقسم ہوجاتا ہے، ایک حضرت اسمٰعیلؑ سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے فہر تک، اور تیسرا فہر سے آخر تک مہاجرین کے حالات مین اگرچہ پہلے اور دوسرے دورون کا تذکرہ کرنا ضروری نہین ہے، اور صرف قریش کے حالات کا لکھ دینا کافی ہے، مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ کی تمام کڑیان سامنے آجائین، پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہین،

دور اوّل

حضرت اسمٰعیلؑ کی گیارہ اولادون مین نابت اور قیدار نے نہایت جاہ وجلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا مورخین اس بارہ مین مختلف الرائے ہین کہ عدنان آل نابت سے تھا، یا آل قیدار سے بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتاتے ہین، اور بعض قیدار کی، مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلۂ نسب قیدار سے ملتا ہے، چنانچہ مورخ ابوالفداء نے اس اختلاف کو لکھ کر اسی قول کو ترجیح دی ہے[1]، قیدار اپنے تمام بھائیون مین زیادہ ممتاز اور نام آور تھا، اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے حتی کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی نسل مین پیدا ہوئے الہامی صحائف مین قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری وبہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہین کہ قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی، اور تیر اندازون کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائین گے کہ خداوند

[1] ابوالفداء جلد ا ص ۱۰۶

اسرائیل کے خدا نے یون فرمایا،، دیسعیاہ باب ۲۱ آیۃ ۱۶، ۱۷)
اس عظمت وشجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیان آباد تھین،
چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہین "قیدار کی آباد بستیان اپنی آواز بلند کرین گی،، دیسعیاہ باب ۴۲ آیۃ ۱۱) اس سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویون کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے، بلکہ ان کی بستیان منظم اور ان کی معاشرت
اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے لئے ایک نظام اور ناظم کی سخت ضرورت ہے، جو لوگون کو منتظم اور منضبط رکھ سکے،
ورنہ اجتماعی زندگی نہین پیدا ہو سکتی، چنانچہ آل اسمعیل مین بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی تاہم وہ ایک سردار کے
ماتحت زندگی بسر کرتے تھے، اور بنو اسمعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری
سمجھتے تھے چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسمعیل کے اطاعت گذار رہے[1] آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی اور
ان کا تمدن سادہ تھا، تاہم بالکل بدوی نہ تھے، بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان مین پائے جاتے تھے، اور تنہا بھیڑ
بکریون کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا دارومدار نہ تھا، اس سے ترقی کرکے وہ تجارت بھی کرتے تھے چنانچہ
حزقیال نبی فرماتے ہین "عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ مین تیرے علاقہ مند تھے، وہ برے اور
مینڈھے اور بکری لے کے تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے (حزقیال باب ۲۷، آیۃ ۲۱) اسمعیلی قبائل نے تجارت
کو اسقدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لے کر ملکون ملکون پھرتے تھے چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسف
کو کنوئین سے نکالا تھا، اسمعیلی تھا، اور بغرض تجارت مصر جارہا تھا، چنانچہ توراۃ مین ہے کہ "جب حضرت یوسف
نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسمعیلیون کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مرا ونٹون پر لادے
ہوے ہے کہ انھین مصر کو لیجائے (پیدائش باب ۳۷، آیۃ ۲۵) اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن
تھا، چنانچہ ان کی عورتین سونے کے زیورات استعمال کرتی تھین، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے
ساتھ ان مین تمدن بھی آچلا تھا، توراۃ مین ایک موقع پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے "جدعون نے انھین

[1] یعقوبی جلد ۱ ص ۲۵۴

کہا کہ مین تم سے ایک سوال کرتا ہون، اور وہ یہ ہے کہ تم مین سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے، کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے اس لئے کہ وہ اسمٰعیلی تھے" (قضاہ باب ۸ آیۃ ۲۴)

ان مذکورۂ بالا شہادتون سے معلوم ہوا کہ اسمٰعیلی قبائل بداوت کے ابتدائی دور مین نہ تھے بلکہ اس سے نکل کر تمدنی شاہراہ اختیار کر لی تھی یعنی ان مین دنیاوی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی، معاشرت بھی اجتماعی اور منتظم تھی، ان کی عورتین سونے کے زیورات استعمال کرتی تھین،

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفون کی شہادتین ہین، ہماری تاریخون مین بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہین، اور ان سے بھی ان کی عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے، بنو اسمٰعیل کی ابتدائی تاریخ خانۂ کعبہ سے وابستہ ہے اس لئے ہم بھی خانۂ کعبہ ہی کی روشنی مین ان کے حالات تلاش کرتے ہین، خانۂ کعبہ کی تولیت آل اسمٰعیل مین بڑی عزت کی چیز تھی، کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے، دوسرے لفظون مین کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی، حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا، مگر حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتون کے بعد منقطع ہو گیا، کیونکہ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد مین نفوس کی کثرت ہوئی، اور ارض حرم مین اتنی گنجایش باقی نہ رہی، کہ وہ ان سب کو اپنے دامن مین سمیٹ سکے، تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف و جوانب مین پھیل گئے، اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی کے لئے رہ گئے، مگر یہ سب صغیر السن تھے، اور اس صغر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض نہین ادا کر سکتے تھے، حضرت اسمٰعیلؑ کے سسرالی قبیلہ جرہم مین یہ عہدہ منتقل ہو گیا، اور مضاض جرہمی اس پر فائز ہوا، چنانچہ حارث جرہمی کہتا ہے[1]،

وکنا ولاۃ البیت من بعد نابت ‏ ‏ ‏ نطوف بذاک البیت والامر ظاہر

بنو جرہم مین اس اعزاز کو دیکھ کر سمیدع بن ہوبر عمالقی کو رشک ہوا، اور مضاض جرہمی سے آمادۂ جنگ

[1] ابو الفدا، جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

ہوگیا، مگر شکست کھائی، اور جرہم میں کئی پشتون تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھون نے اپنی حکومت کے زعم مین ظلم وستم اور فسق وفجور کا ایک ہنگامہ برپا کردیا، اور سب سے زیادہ نفرت انگیز اور قابلِ مذمت حرکت یہ کی کہ حرمت کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا، اور حجاج پر زیادتیان کرنے لگے، حرم کا چڑھاوا کھا جاتے، لوگون کو طرح طرح سے ستاتے، غرضکہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کردیا، آلِ اسمٰعیل ان کی ناروا حرکتون کو دیکھتے تھے، مگر اوّل تو عزیزداری کے پاس سے کچھ نہین بولتے تھے، دوسرے حرم مین کشت وخون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج مین خونریزی کا ہونا یقینی تھا، آخر کار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھکر بنو بکر اور عیشان نے سختی سے اس کا تدارک کیا، یہان تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستون سے پاک کردیا، یہ شکست خوردہ تو تھے ہی، انھون نے چلتے چلتے حجر اسود کو اُکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہِ زمزم مین پھینک کر کوئین کو پاٹ دیا، [1]

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آلِ اسمٰعیل مین لوٹ آئی اور چند پشتون کے بعد عدنان تک پہنچی، ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربون کی قوتین ٹوٹ گئین، سارا عرب ویران ہوگیا، اور تمام ملک مین خاک اُڑنے لگی، عدنان اسی حملہ مین مارا گیا، مگر اس کے لڑکے معد کو ارمیا نبی نے بچالیا، جس سے آئندہ نسل پھیلی، [2]

دورِ دوم

پہلے دور مین حضرت اسمٰعیل ؑ سے لیکر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہین، دوسرے دور مین عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہوگی، کیونکہ مہاجرین کا سلسلۂ نسب اسی تک منتہی ہوتا ہے، عدنان کا سلسلۂ نسب

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۶۴، ۶۵ [2] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۹، ۲۹۹،

باتفاقِ نسابین حضرت اسمٰعیلؑ تک پہونچتا ہے، لیکن درمیانی پشتون کی تعداد اور ان کے نامون مین اختلاف ہے، اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے، کہ وہ عبری سے عربی مین منتقل ہوئے ہین، اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان مین جاتے ہین تو لامحالہ کچھ لب ولہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہین رہتی، اس لئے یہ اختلاف قابل توجہ نہین ہے، البتہ درمیانی کڑیون کی تعداد کا اختلاف ضرور قابلِ لحاظ ہے، بعض عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک صرف آٹھ دس پشتین بتاتے ہین، اور بعضون کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہونچ جاتی ہے، اور یہی آخری قول صحیح ہے کیونکہ اگر صرف نو دس پشتین مانی جائین، تو عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے، جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے، چنانچہ علامہ سہیلی روضۃ الانف مین لکھتے ہین کہ "عادۃً محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان چار یا سات پشتین یا دس بیس پشتین ہون، کیونکہ ان دونون کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے[1]"

یہ تو قیاس عقلی ہے، اس کے علاوہ بہت سے علماءِ عرب مین ایسے تھے، جن کو چالیسون پشتین بزبان یاد تھین، چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہین کہ "مجھ سے بعض عرب نسابون نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علماءِ عرب کو جانتے ہین جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس پشتین نام بنام حفظ تھین، اور وہ اس پر اشعارِ عرب سے استدلال کرتے تھے، اور ان نسابون نے علماء کے محفوظ نامون کا اہل کتاب کے بتائے ہوئے نامون سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی، البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے نامون مین اختلاف ہو گیا تھا[2]"

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربون کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہونا یقینی تھا، اس لئے انھون نے صرف مشہور لوگون کے نام یاد رکھے، اور پورا سلسلہ محفوظ نہین رکھا،

[1] روض الانف صفحہ ۰ جلد ا مطبوعۂ مصر [2] طبری صفحہ ۱۱۱۰

لیکن بہرحال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان چالیس پشتین تھین،

قبائلِ عدنان[1] عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصا اس دیباچہ مین مشکل ہے اور ہمارے موضوعِ سخن کے لئے زیادہ کار آمد بھی نہین ہے، اس لئے ہم ان کے مشہور قبائل، اور ان مین سے بھی خاص کر اُن ہی کا تذکرہ کرین گے جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا، اس سے قبائلِ عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن مین آجائے گا، اور آیندہ جہان جہان قبائل یا اشخاص کے نام آئین گے، وہان اس کے سمجھنے مین دقت نہ ہوگی،

عدنان کے دو لڑکے تھے، عک اور معد، مگر آیندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی، اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے جن کو تاریخِ عرب مین بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ اور مضر ان مین سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرتِ تعداد، دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی،

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادین ہوئین، جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا، اور حکومتین قائم کین، اُن کے مشہور قبائل و بطون یہ ہین، بنو جدیلہ، ہنب بن افصی (خاندان حضرت صہیبؓ)، بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبدقیس، بنو تغلب وغیرہ، پھر ان سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہین،

قضاعہ کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہین، مگر از روے تحقیق وہ عدنانی ہین، بنو قضاعہ نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان و شوکت حاصل کی، حافی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران اور اسلم ان ہی تینون سے تمام بطون و شعوب پھیلے،

---

[1] قبائل کی تفصیل ابن خلدون جلد ۲ سے ماخوذ ہے،

بنو عمرو کے مشہور بطون عیدان، بنی (حضرت کعب بن عجرہ، خدیج بن سلامہ، سہل بن رافع، ابو بردہ رضوان اللہ علیہم کا خاندان) بہرا (حضرت مقداد بن اسودؓ کا خاندان)

بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہنیہ اور نہد ہیں،

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو سلیم، بنو ضجعم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں، پھر ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے،

مضر بن نزار بطون وقبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاعہ اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے،

مضر کے دو لڑکے تھے، الیاس اور قیس عیلان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا،

بطون خندف بن الیاس بن مضر

الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طابخہ، قمعہ، یہ تینوں قبیلہ قضاعہ کی ایک عورت خندف قضاعیہ کے بطن سے تھے، اس لئے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے، اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے،

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو افصے ہیں، بنو خزاعہ سے بنو مصطلق، بنو کعب (حضرت عمران بن حصینؓ کا خاندان) بنو عدی (ام المومنین حضرت جویریہؓ کا خاندان) بنو جہنیہ وغیرہ نکلے ہیں، اور بنو افصے سے بنو مالک اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا خاندان) پیدا ہوئے، یہ قبائل مرظہران اور اس کے قرب وجوار میں آباد ہوئے،

طابخہ کے مشہور بطون وقبائل ضبہ، رباب، تیم اور مزینہ (ذہیر و کعبؓ مداح رسول اکرمؐ و معقل ابن یسارؓ کا خاندان) ہیں، چھوٹے بطون میں صوفہ اور محارب وغیرہ کا شمار ہے، پھر تمیم کی شاخیں بنو حارث بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابیؓ اور حنظلہ بن ربیعؓ کاتب نبوی کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب عراق اور نجد میں آباد تھے،

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل، قارہ، اسد، اور کنانہ ہیں، پھر بنو اسد سے بنو کاہل، بنو غنم (ام المومنین حضرت

زینبؓ اور عکاشہ بن محصن کا خاندان) بنو ثعلبہ وغیرہ نکلے یہ بھی اضلاعِ نجد میں آباد تھے، کنانہ سے بنو عبد مناۃ، بنو مالک، اور بنو نضر تھے، بنو عبد مناۃ سے بنو بکر، بنو ضمرہ، بنو حارث اور بنو عامر تھے، بنو بکر سے بنو لیث (ابو واقد اور قیس بن شداخ کا خاندان) بنو سعد (عبدہ بن سعد کا خاندان) بنو جزع وغیرہ پیدا ہوئے،

بطون قیس عیلان | بنو خندف کی طرح بنو قیس سے بھی بطون و شعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا، قیس عیلان کے تین لڑکے تھے، عمرو، کعب اور خفصہ، ان تینوں سے الگ سلسلے چلے،

بنو عمرو کے بطون بنو فہم، بنو عدوان وغیرہ ہیں، ان دونوں کی اولاد میں طائف اور نجد میں بستی تھیں،

بنو سعد کے مشہور قبائل غنی، باہلہ، غطفان، مرہ، پھر غطفان کے بنو عبس، بنو ذبیان، بنو اشجع، (خاندان حضرت معقل بن سنانؓ) پھر بنو عبس سے بنو حارث (خاندانِ حضرت حذیفہ بن یمانؓ) اور ذبیان سے بنو ثعلبہ، بنو فزارہ، بنو مرہ (خاندانِ حضرت سمرہ بن جندبؓ)

بنو خفصہ بن قیس کے دو بڑے بطن بنو سلیم اور بنو ہوازن مستقل صدہا بطون کا منبع تھے، بنو مازن (خاندانِ عتبہ بن غزوان) بھی بنو خفصہ کا ایک بطن تھا، مگر اس کی مستقل ہستی نہ تھی بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت میں تھا،

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عبس (خاندان حضرت عباس بن مرداسؓ) بنو ثعلبہ، بنو بہز (خاندان حضرت حجاج بن علاطؓ) بنو رعبہ، بنو عوف، بنو سلیم ان میں سے کچھ نجد کے بالائی حصہ میں آباد تھے کچھ خیبر کے اطراف میں، اس کے علاوہ افریقہ میں ان کی بڑی تعداد تھی،

بنو ہوازن کے مشہور قبائل بنو معاویہ، بنو منبہ، بنو سعد (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا) پھر بنو منبہ سے بنو ثقیف، بنو جشم، بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب کے سب طائف میں آباد تھے، اور بنو معاویہ سے بنو نضر، بنو جشم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے، ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر صدہا بطون نکلے،

قبائل کی تقسیم مین بعض خانوادون کی کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے، اور بعض مین صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخون کو منسوب کر دیا گیا ہے، اور شاخ در شاخ کی تفصیل نہین کی گئی ہے، اور نہ درمیانی واسطون کا ذکر کیا گیا ہے،

عدنان کی حکومتین | بنی عدنان نجد، حجاز، اور تہامہ مین آباد تھے، اور ابتداً سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، جہان شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے وہین خیمہ زن ہو جاتے، اونٹ اور بکریون کے گلے اُن کا ذریعۂ معاش تھے، ایک عرصہ تک اسی حالت مین رہے، مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد مین اس قدر کثرت ہوئی، کہ قدیم اقامت گاہین ان کے لئے کافی نہ ہو سکین، چنانچہ عدنان کی پانچون شاخین اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف مین پھیل گئین، ان مین سے ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی بڑی حکومتین اور چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کین، جو صدیون تک بڑی شان و شوکت سے چلتی رہین چنانچہ بنو قضاعہ کی حکومتین حجاز سے لیکر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھین[1] اور ان کے حکمران قبائل مین تنوخ اور سلیم نے بڑا جاہ و جلال حاصل کیا،[2] دونون یکے بعد دیگرے شام کے تخت حکومت پر بیٹھے[3] شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اور دومۃ الجندل مین بھی ان کی ریاستین تھین[4]، بنو قضاعہ کی طرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی، تاہم ان کی سیادت اور ان کا اقتدار تمام قبائل مین مسلم تھا، چنانچہ یہ اظہار سیادت اور تفوق کے لئے اپنا ایک شعار مخصوص کر لیتے تھے، جو تمام قبائل کے لئے واجب التسلیم ہوتا تھا، اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرأت نہین کر سکتا تھا، حتی کہ اس کی ادنی مخالفت بھی اعلانِ جنگ تصور کی جاتی تھی[5]، آل مضر مین بکر و تغلب کی ریاستین حجاز مین تھین، اور بنو عامر کی حکومت عراق مین تھی[6]، ان کے علاوہ نجد مین کندہ نے بڑی شاندار حکومت قائم کی، اگرچہ علمائے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہین، مگر قیاسات و قرائن کی رو سے زیادہ عدنانی ہین، اس کی بڑی دلیل

[1] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۰ [5] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۰،

یہ ہے کہ مشہور شاعر امرا القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی بانین شاعری کرتا تھا، اور اس کے کلام مین حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی، اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا، چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ مین کہتا ہے[۱]،

حمیر معد حسبا ونائلا   وجرهم قد علموشمائلا

دوسرے موقعہ پر اپنی مدح مین کہتا ہے،

واناالذی عرفت معد فضلہ

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار مین ذکر کیا ہے، مگر کہین ہم نسبی کا دعویٰ نہین کیا،

عدنان کی تجارت اگرچہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، تاہم عام عربون کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا، مقامی خرید و فروخت کے علاوہ ملکون ملکون پھر کر بھی بیوپار کرتے تھے، چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس مین عدنان کام آیا، عدنانی کاروانِ تجارت اس کے حدودِ سلطنت مین موجود تھے، اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کرایا تھا[۲]،

آلِ عدنان کا مذہب دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا، جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا، اور خانۂ کعبہ کی بنیاد توحید خالص پر رکھی تھی، تاکہ آستانون پر جھکنے والی گردنین صرف ایک خدائے قدوس کی عتبۂ توحید پر ناصیہ سائی کرین،

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ، وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ

اور جب ہم نے خانۂ کعبہ کے مقام مین ابراہیم کو ٹھکانا دیا، تو کہا کہ میرا شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والون، نماز مین کھڑے ہونیوالون رکوع کرنے والون، اور سجدہ کرنے والون کے لئے پاک

[۱] ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۸، [۲] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۳۷،

مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ، (حج ۴۴)

وصاف کرنا، اور لوگون مین حج کا اعلان کردے، وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر سے دبلی ہوجانے والی سواریون پر دور دراز راستہ سے آئین گے،

مگر چند ہی پشتون کے بعد دین ابراہیم کے شفاف آئینہ مین شرک و بدعات کا زنگ لگ گیا۱ اور اس نسل مین عمرو بن لحی ایک شخص پیدا ہوا جس نے مکہ مین بت پرستی رائج کی، اور خانۂ کعبہ مین متعدد بت لاکر نصب کئے،۲ چونکہ خانۂ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا، اور تمام اکناف عرب کے لوگ یہان موسم حج مین جمع ہوتے تھے، اور عمرو بن لحی نے بت بھی اسی قلب توحید مین نصب کئے تھے، اس لئے بہت جلد آلِ عدنان نے بت پرستی قبول کرلی، اور چند ہی دنون مین یہ وبا تمام عرب مین پھیل گئی، اس کی تفصیل آیندہ قریش کے حالات مین آئے گی، بت پرستی کے علاوہ عدنانیون مین یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جابجا موجود تھا، چنانچہ قضاعہ اور ربیعہ مین نصرانیت کا اثر غالب تھا، بنی کنانہ مین یہودیت کے اثرات موجود تھے، تمیم مین مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی، تمیم اور کنانہ دونون مین کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے،۳ کچھ لوگ عقلی بلند پروازی کی آخری حدِ الحاد تک پرواز کرچکے تھے، اُن ہی کے متعلق قرآن مین آیا ہے،

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ ع ۳)

اور یہ لوگ کہتے ہین کہ جو کچھ ہے بس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے، اور ہم مرتے ہین اور جیتے ہین، اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے،

اگرچہ ان تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آلِ عدنان مین پایا جاتا تھا، مگر خال خال، اور زیادہ عام مذہب بت پرستی اور اس کے بعد یہودیت ہی تھا،

۱ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۷۸ ۲ طبقات الامم اندلسی ص ۴۳ ۳ یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸،

ایام عدنان

آل عدنان میں صدہا خونریز جنگیں ہوئیں، اور ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں پر صدیوں تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اگر اسلام نے آکر ان میں اخوۃ اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی ہوتی، تو عجب نہیں کہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتی، یہ لڑائیاں ایام عرب[1] کے نام سے مشہور ہیں، اور دو قسم کی ہیں، ایک وہ لڑائیاں ہیں، جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئیں، اور دوسری خود عدنانیوں کی خانہ جنگیاں ہیں،

آلِ عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ

عدنانیوں میں خانہ جنگیوں کے علاوہ دوسری متعدد جنگیں بھی ہوئیں، جن میں یوم بیضاء، یوم خزار، یوم صفقہ، یا یوم مشقر، یوم کلاب ثانی، یوم ذی قار، زیادہ مشہور ہیں، یوم بیضاء بنو مذحج یمنی اور بنو سعد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس میں یمن والوں نے سخت ہزیمت اٹھائی تھی، جنگ خزار بھی بنو معد عدنانی اور یمنیوں کے درمیان ہوئی، اس میں بھی عدنانی غالب رہے، جنگ صفقہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی میں ہوئی، اس میں اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کروا دئے، جنگ کلاب ثانی بنو مذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی، اس میں تمیم غالب رہے، یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی، اس میں عجمیوں نے بہت بری طرح شکست کھائی، اسی جنگ کے متعلق عربوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ ھذا اول یوم انتصرت العرب علی العجم، یعنی پہلا دن تھا جس میں عرب عجم پر غالب ہوئے،

عدنانیوں کی خانہ جنگیاں

عدنانی قبائل میں بے شمار خانہ جنگیاں ہوئیں جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے، اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیوں کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں،

ایام بکر و تغلب

ایام عرب میں بکر و تغلب کی لڑائیاں بہت شہرت رکھتی ہیں، اس کی ابتدا ایک معمولی واقعہ سے ہوئی، اور چالیس سال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، یہ لڑائیاں حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہیں، اس میں پانچ لڑائیاں بہت زیادہ شہرت رکھتی ہیں، یوم عنیزہ، یوم واردات، یوم

---

[1] ابن اثیر ایام عرب،

حنو، یوم قصیبات، یوم قضنہ پہلی مین طرفین برابر رہے، دوسری مین تغلب پر بنو بکر غالب رہے، تیسری مین بکر تغلب پر فتحیاب ہوئے، چوتھی مین بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی، اس کے علاوہ جنگ نقیع، جنگ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیان ہوئین[1]،

یوم عبس وذبیان | عبس وذبیان کی لڑائیان داحس وغبراء کے نام سے مشہور ہین، داحس اور غبراء دو گھوڑے تھے، ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا، اور اس سلسلہ مین متعدد لڑائیان ہوئین، جن مین یوم عراعر، یوم ہباءہ، یوم تیار، یوم جراجر، یوم غرق، وغیرہ زیادہ مشہور ہین[2]،

ایام ربیعہ ومضر | بنو تمیم مضری اور بنو بکر ربیعی مین بہت لڑائیان ہوئین، مشہور لڑائیون کے نام یہ ہین، یوم نباج، یوم ذی طلوح، یوم جدود، یوم آباد، یوم غبیط، یوم شقیقہ، ان لڑائیون مین بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے، یوم فلج، یوم وقیط، یوم زدیرین، یوم نعف قشاوہ، یوم مبائض، یوم شیطین، ان مین بنو بکر نے شکست کھائی، اور بنو تمیم فتحیاب ہوئے، ان لڑائیون کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیان، یوم ذی قار، یوم ساہوق، یوم اہباد، یوم نقیعہ وغیرہ ہوئین[3]،

ایام بنو عامر | بنو عامر قیس عیلان کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا، اور قبائل عرب مین ممتاز درجہ رکھتا تھا، مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیان ہوئین، جن مین مشہور لڑائیون کے نام یہ ہین، یوم شعب جبلہ، یوم ذی نجب، یوم نسار، یوم جفار، یوم مردت، یوم رقم، یوم شعب جبلہ اور ذی نجب بنو عامر اور بنو تمیم مین ہوئی، پہلی مین عامر غالب رہے، دوسری مین تمیم[4]، یوم نسار اور جفار کا معرکہ بھی ان ہی دونون مین ہوا، اس مین بنو عامر اگرچہ ثابت قدم رہے، تاہم ان کا بہت نقصان ہوا[5]، یوم مردت معمولی جھڑپ تھی، جنگ رقم بنو عامر اور غطفان مین ہوئی، اور غطفان غالب رہے[6]،

---

[1] ابن اثیر ص ۴۰۳ تا ۴۰۷، [2] ۳۲۵ تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر ص ۴۰۲ تا ۴۳۲، [3] ایام عرب ابن اثیر ج ۱، [4] ابن اثیر ج ۱ ص ۴۳۵

[5] ایضاً ص ۴۶۳، [6] ایضاً ص ۴۸۲،

دیگر ایام مشہورہ | یوم آبارع منذر بن ماءالسماء تغلبی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی،[۱] یوم کلاب اول ایام عرب میں بہت مشہور ہے، یہ باہم حارث کندی کی اولاد میں ہوئی، جس میں معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے،[۲] یوم رحرحان، اس جنگ میں بنو تمیم، بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے،[۳] یوم اوار الاول بنو منذر بن امرء القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی،[۴]

دور سوم

قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فہر و قریش سے شروع ہوتی ہے کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی، اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے "قریش" فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا، مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا، اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہوگیا، اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے، بنو نضر تجارت پیشہ تھے، اور "تقرش" تجارت کے معنوں میں آتا ہے، اس لئے بنو نضر کا نام قریش پڑ گیا، اس کے علاوہ قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے، لہذا قوت و غلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے،[۵]

قبائل قریش اور ان کے مشاہیر[۶] | قریش کے تمام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینی چاہئے، قریش ایک خاندان کا نام نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے جو سب کے سب فہر کی

---

[۱] ابن اثیر جلد ۱ ص ۹۸ ۳۱ [۲] ایضاً ص ۲۰۶ [۳] ایضاً ص ۴۰۹ [۴] ایضاً ص ۴۰۸ [۵] ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۲۴ و روض الانف جلد ۱ ص ۷۰ [۶] قبائل قریش کی تقسیم ابن خلدون جلد ۲ از ص ۳۲۴ تا ۳۳۰ سے ماخوذ ہے،

نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے، محارب، حارث، غالب، محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی، تاہم بعض اکابر صحابہؓ اور ناموران اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ ضحاک بن قیس، ضرار بن خطاب کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب تھے،

عشرہ مبشرہ مین ابو عبیدہ بن جراحؓ، ان کے علاوہ عقبہ بن نافع، فاتحِ افریقہ بانیِ شہر قیروان اور عبد الملک بن قطن والیِ اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے،

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی، قریش کے دسون خانوادے اس کی نسل سے تھے، بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبد دار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو جمح، بنو سہم،

مشاہیر قریش | بنو امیہ خاندانِ سلاطین بنو امیہ دمشق و اندلس، ابو سفیانؓ، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ ام المومنین ام حبیبہؓ،

بنو عدی: خاندان حضرت عمر بن خطابؓ، سعید بن زیدؓ، جو عشرہ مبشرہ مین سے ایک تھے،

بنو تیم خاندان حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت طلحہؓ، عمر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن جدعان وغیرہم،

بنی عبد دار حضرت عثمان بن طلحہؓ، مصعب بن عمیرؓ،

بنی اسد زبیر بن عوامؓ، ورقہ بن نوفل، ام المومنین حضرت خدیجہؓ وغیرہ،

بنو مخزوم خالد بن ولیدؓ، عیاش بن ربیعہ، ابو جہل، ابو سلمہؓ، ام المومنین ام سلمہؓ،

بنو جمح صفوان بن امیہ، ابو محذورہ، موذن نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عثمان بن مظعونؓ،

بنو سہم عمرو بن العاصؓ فاتح مصر،

بنو ہاشم خاندان رسالت، عباسؓ، حمزہؓ، مطلب، حضرت علیؓ وغیرہ،

قریش کے ان چند مشہور خانوادون کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے، جن کو ان ہی کی شاخ

سمجھنا چاہیئے

بنو زہرہ خاندان حضرت آمنہ، و عبد الرحمن بن عوف رضؓ، و سعد بن وقاص رضؓ،

بنو عبد العزی خاندان ابو العاص داماد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم،

بنو حبیب خاندان عبد اللہ بن عامر والی عراق،

بنو امیہ اصغر،

قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے، قریش الظواہر اور قریش البطائح، قریش ظواہر، قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے، جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے،

قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے، اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تفصیل یہ ہے،

بطائح	ظواہر
بنو محارب	بنو قصی بن کلاب
بنو تیم الادرم	بنو کعب بن لوی
بنو خزیمہ بن لوی	
بنو سعد	
بنو حارث	

ایامِ قریش

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے، بات بات پر تلواریں نکل آتی تھیں، ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ بپا ہوجاتا تھا، ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں،

یوم فجار اوّل یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نصر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا، مگر تنگدستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا، نضری قرضخواہ ایک بندر کو بازار عکاظ مین لیکر آیا، اور کنانی کو ذلیل کرنیکے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم کے مساوی قیمت پر کون خرید تا ہے، اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گذر رہا تھا، اُس نے سن لیا، اور غصہ مین بندر پر ایسی تلوار لگائی کہ وہین ٹھنڈا ہو کر رہ گیا، نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی، اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی، طرفین کے آدمی جمع ہوئے، مگر جنگ کی نوبت نہین آئی، اور آپس مین صلح ہو گئی، یہ واقعہ متعدد صورتون سے بیان کیا جاتا ہے، مگر نتیجہ سب کا صلح ہے[1]،

یوم فجار ثانی حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے، جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے، کہ براض قبیلۂ کنانہ کا ایک شخص تھا، اس کے قبیلہ والون نے اس کو نکال دیا، یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہان آیا، نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا، اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ مین بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا، عکاظ کے میلہ کا زمانہ آیا، تو براض نعمان کے یہان موجود تھا، اتفاق سے عروہ رحال بھی وہین موجود تھا، یہ شخص سلاطین اور امراء کے دربارون مین بہت آیا جایا کرتا تھا، نعمان نے کہا، مین کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہون، تم مین سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے، عروہ اور براض دونون نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا، اور اس مسابقت مین سخت کلامی کی نوبت آگئی، مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا، اس لئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی، جب عروہ مال لیکر نکلا، تو براض بھی بدلہ لینے کیلئے اس کے پیچھے ہو لیا، اور موقعہ پا کر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا، جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی، تو قبیلۂ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے، مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا، اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ مین نے عروہ کو قتل کیا ہے، بنو قیس

[1] ابن اثیر ج ۱ ص ۴۲۹،

اس کا بدلہ ضرور لین گے، اس لئے پہلے سے تیار رہنا چاہیئے، امیہ کو یہ پیام عکاظ مین ملا، اس نے تمام روسائے قریش کو خبر کردی، اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردار بنو قیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا، ابھی طرفین مین صلح کی گفت وشنید ہو ہی رہی تھی کہ قریش کے کچھ لوگون کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنو قیس مین جنگ ہوا چاہتی ہے، قریش یہ سنکر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا، اس لئے ایک جمعیت لیکر قریش کا تعاقب کیا، مکہ کے قریب مقابلہ ہوا، قریش کے پانون اکھڑنے ہی کو تھے کہ بڑھ کر حرم مین داخل ہوگئے، اور بنو قیس واپس ہوگئے، مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آیندہ سال عکاظ مین ہمارا تمھارا مقابلہ ہوگا، چنانچہ سال بھر مین دونون نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ مین سخت مقابلہ ہوا، ابتداً قریش پس پا ہو رہے تھے، لیکن ان کے عزم وثبات نے جنگ کا رخ بدل دیا، اور بنو قیس نے سخت ہزیمت اٹھائی، آخر مین اس شرط پر صلح ہوگئی کہ طرفین کے مقتولین شمار کئے جائین جس کے زیادہ ہون، بقدر زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے، اس جنگ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، اور آپ کا سن مبارک بیس[2] سال کا تھا،[1]

واقعۂ فیل

اصحاب فیل کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا، اس موقعہ پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن مین ایک عظیم الشان کنیسہ تیار کرایا، اور نجاشی اور قیصر روم کو لکھا کہ مین نے ایک بےمثل کنیسہ تعمیر کرایا ہے، اور مین چاہتا ہون کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیر دون، عربون نے سنا تو بہت برافروختہ ہوئے، اور اسی حالتِ غضب مین ایک کنانی نے کنیسہ مین نجاست ڈال دی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی، تو اس کے بدلہ مین خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چلا، مکہ کے پاس پہونچکر لوٹ مار شروع کردی، قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل

[1] ابن اثیر جلد ۱، ص ۴۴۰، ۴۴۴ [2] سیرۃ ابن ہشام، ص ۳۰، ۳۵،

فوج کا مقابلہ نہین کر سکتے، اس لئے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے، اس لئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہین، اگر تم اس مین کسی قسم کا تعرض نہ کرو، تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہین ہے، عبدالمطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم مین اتنی طاقت نہین ہے کہ تمھارا مقابلہ کر سکین، خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے، اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا، تو خود ہی بچالے گا، چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب واپس آئے، اور قریش کو محفوظ مقامات مین بھیجدیا، اور خود مع چند قریش کے خانۂ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائین مانگین، اور چلے گئے، جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچالیا، اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیون مین چیچک کی بیماری پھیلی، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندون کا جھنڈ بھیجا،

ایک جنگ قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاعہ مین تولیتِ حرم کے بارہ مین دو لڑائیان ہوئین، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ مین آیا، تو حرم کے متولی بنو صوفہ تھے، قصی چند کنانی اور قضاعی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا، اور بنو صوفہ سے کہا کہ تولیتِ حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہین، مگر انھون نے انکار کر دیا، جس پر طرفین مین جنگ ہوئی، اور بنو صوفہ نے شکست کھائی، بنو خزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کر کے ان کو حرم سے الگ کر دے گا، اس لئے بنو بکر کو لے کر قصی سے علیحدہ ہو گئے، اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دین، قریش کے معاون قضاعہ اور کنانہ تھے، غرضکہ دونون مین سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزارون آدمی کام آئے، جب دونون خوب لڑ کر تھک گئے، تو یعمر بن عوف کنانی کو حکم بنایا، اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے، اور وہ اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے[1] اور بنو بکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اس پر طرفین راضی ہو گئے،[2]

یوم ذات نکیف چونکہ قصی بنو بکر کو خانۂ کعبہ کی تولیت سے بیدخل کر کے خود متولی ہو گیا تھا، اس لئے قبیلۂ

---

۱ سیرۃ ابن ہشام ص ۳۰ تا ۳۵ ۲ طبری ص ۱۰۹۶ تا ۱۰۹۷،

بنوبکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقعہ نہ ملا آخر کار عبد المطلب کے زمانہ میں دفعۃً یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انہوں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو حرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، ادھر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، عبد المطلب نے بنو ہون بنو حارث، اور بنو مصطلق کو جمع کر لیا، اور ذات نکیف میں دونوں کا مقابلہ ہوا، بنو بکر بری طرح مغلوب ہوئے اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔[1]

خانۂ کعبہ کی مرمت خانۂ کعبہ کی مرمت کے موقعہ پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی عمارت امتداد زمانہ سے بہت کمزور ہو گئی تھی، دیواریں پست تھیں، چھت گر گئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، اور اس قدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک حبہ بھی نہیں لگایا جب دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو، یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبد دار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا، چار دن اسی کشمکش میں گذر گئے آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، وہ حکم مانا جائے، حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے، سب نے باتفاق آپ کو حکم مان لیا، ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے خبر تھے آپکو اطلاع دی گئی، تو آپ نے رفع شر کی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا، اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، غرضکہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنۂ عظیم رک گیا۔[2]

قریش کی سیاسی خود مختاری

مکہ چونکہ حجاز میں تھا، اس لئے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا

[1] ابن اثیر جلد ا ص ۲۴۸ [2] سیرۃ ابن ہشام

تھا اور اسی اہمیت کی وجہ سے قدرتاً آس پاس کے حکمرانون کی نظرین اس طرف اٹھتی تھین، چنانچہ عجمی سلطنتون مین روم اور ایران نے، اور عربون مین حمیری اور حبشی حکومتون نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہین، یہان تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ تبکک سے مشتق ہے، جس کے معنی ہین نخوت اور غرور توڑنا، اور سرکشون کی گردن جھکانا، چونکہ مکہ کی تسخیر مین بڑے بڑے جبابرہ کی گردنین جھک جاتی تھین اس لئے اس کو بکہ کہنے لگے[1]، بہرحال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچتا رہا، حتی کہ وہان خود عربون کی حکومت بھی نہ قائم ہو سکی، اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا، کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل مین کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تھا، بلکہ عام غیر متمدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی مین زندگی بسر کرتے تھے، خاص مکہ مین جہان بہت کچھ تمدن موجود تھا، کوئی نظام اجتماعی نہ تھا، البتہ ان کا ایک مشترک مرکز خانہ کعبہ تھا، جس کے گرد قبائل جمع ہو سکتے تھے، چنانچہ آئندہ چلکر ان منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی، اس کا دار و مدار اسی خانہ کعبہ تھا، قبائل کے آزاد پسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے، تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہون مین بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا،

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع وحشت اور تمدن کی بھی طبعی عمر ہوتی ہے، جس کو ختم کر کے تمدن تباہ ہوتا ہے، اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے، چنانچہ قریش کی بداوت کا دور ختم ہوا، اور تمدن کی بنیاد پڑی، اگرچہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ نہ کچھ متمدن تھے، لیکن عام طور پر ان مین بدویت ہی کا دور تھا، لیکن فہر کی پانچوین پشت مین کلاب بن مرہ کی پشت مین قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا، جس نے قریش کی کایا پلٹ دی، قصی ابھی بچہ ہی تھا، کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ماں نے قبیلہ بنی غدرہ مین دوسری شادی کر لی، قصی کی بھی نشو و نما وہین ہوئی، جوان ہوا، تو غیور طبیعت نے اجنبیون مین رہنا گوارا نہ کیا، ماں کی زبانی اپنے خاندانی وجاہت و عظمت کا حال معلوم کر کے فوراً مکہ کا رخ کیا، دادھیال والون نے ہاتھون ہاتھ لیا، اس وقت حرم کی ولایت حلیل بن

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۳۴

جلیثیہ خزاعی کے ہاتھ مین تھی قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کرلی جب حلیل مرگیا، توقصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے بنو خزاعہ کو ولایتِ حرم کا کیا حق ہے چنانچہ اس نے قریش و کنانہ کو آمادہ کرکے بنوخزاعہ کو لڑکر حرم سے نکال دیا، چونکہ قصی سے زیادہ خدمتِ حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ معزز عہدہ اسی کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہین، کوئی پہاڑون پر بسا ہے، کوئی خانہ بدوش ہو، نہ ان مین کوئی نظام ہے، اور نہ اصول جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے سب کو پہاڑون اور صحراؤن سے اکٹھا کرکے، ایک جگہ آباد کیا، اسی لئے اس کو مجمع بھی کہتے ہین، اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی، جو اس کو منتظم صورت مین قائم رکھ سکے، اس لئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی، جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی، اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا، اور یہ پہلا دن تھا، جب کہ قریش کو حجاز مین سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے، جس کی اطاعت تمام قبائلِ قریش نے قبول کی، اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا،[1]

قریش کا تمدن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علیحدہ علیحدہ منظم صورت مین قائم کیا جائے، چنانچہ فوجی، عدالتی، اور مذہبی نظام علیحدہ علیحدہ قائم کئے گئے، اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبۂ حکومت مین ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ تمام شعبون مین ہر قبیلہ کے اشخاص لئے گئے، ان مین بعض بعض عہدے بہت قدیم تھے، لیکن قصی نے تمام صیغون کو ترقی دے کر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے، ان صیغون اور عہدون کی تقسیم حسب ذیل تھی،[2]

---

[1] طبری ص ۱۰۹۰، سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۶۹، [2] عقد الفرید جلد ثانی ص ۱۳۱ مین یہ مناصب بلا ترتیب بیان کئے گئے ہین،

نظام عسکری	قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے عقاب، قبۃ، عنۃ، سفارہ،

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
عقاب	نشانِ قومی کی علمداری	بنو امیہ
قبۃ	فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال	بنو مخزوم
اعنۃ	فوج کی سپہ سالاری	،،
سفارت	قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت کرنا	بنو عدی

عدالتی نظام	اس کے دو شعبے تھے، حکومت و اشناق،

نام عہدہ	توضیح	قبیلہ
حکومت	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	بنو سہم
اشناق	جرمانہ، خونبہا اور مالی تاوان کی نگرانی	بنو تیم

نظام مذہبی قریش چونکہ خانۂ کعبہ کے متولی تھے جہاں حج کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا، اس پر بڑی بڑی جائداد اور وقف تھیں، لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں جمع ہوتا تھا، اس بنا پر اس کے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی، چنانچہ قریش نے اس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا، اور اس سے زیادہ مکمل ان کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے چھ عہدے تھے، سقایہ، عمارہ، رفادہ، سدانہ، ایسار، اموال محجرہ، سقایہ اور رفادہ حجاج کے متعلق تھے اور باقی خاص خانۂ کعبہ کے متعلق،

سقایہ یعنی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا، یہ اہم ذمہ داری بنو ہاشم کے سپرد تھی،

رفادہ یعنی حجاج کے خورد و نوش کا انتظام، نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے پینے کی خبرگیری، اس کار خیر کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی، ایک دن اس نے تمام قریش کو جمع کرکے تقریر کی کہ برادران قریش حجاج بیت اللہ معلوم نہیں کتنی مصیبتیں اٹھا کر بڑی بڑی مسافتیں طے کرکے محض زیارت بیت اللہ

کے خاطر آتے ہین، اور خدا کے مہمان ہوتے ہین، اور تم اپنے آپ کو "جیر اللہ" خدا کے پڑوسی کہتے ہو، کیا تمھارا اس قدر بھی فرض نہین کہ تم ان کی خاطر و مدارات کرو، مفلسون کو کھانا کھلاؤ، ناداروں کی مالی امداد کرو، اور ہر طرح ان کی آسایش کا سامان بہم پہنچاؤ،[1] اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا، اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی جو حجاج پر صرف ہوتی تھی،[2] اس کا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا،

عمارہ۔ چونکہ قریش کی ساری عظمت خانۂ کعبہ سے تھی، اس لئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال بین خاص اہتمام تھا، اور اس کے لئے علیحدہ عہدہ عمارہ قائم کیا تھا، جس کے منتظم بنو ہاشم تھے،

سدانہ۔ خانۂ کعبہ کی کلید برداری یا دربانی، چونکہ خانۂ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا، اور اس بین بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا، اس لئے عموماً بند رہا کرتا تھا، صرف ضرورت کے اوقات مین کھولا جاتا تھا، اس دربانی کا شرف بنو عبدالدار کو حاصل تھا،

ایسار۔ خانۂ کعبہ مین کچھ تیر رکھے ہوئے تھے جن سے ضرورت کے وقت استخارہ کیا جاتا تھا، اس استخارہ کی خدمت بنو جمح کے سپرد تھی،

اموال محجرہ۔ حجاج و زائرین کعبہ بتون پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے، اور جائدادین وقف کرتے تھے، اس لئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا جس کو اموال محجرہ کہتے تھے، اس کی نگرانی بنو سہم کے متعلق تھی،

ندوہ | دار الندوہ ایک عمارت تھی جسکو قصی نے خانۂ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا، اس مین اہم کامون کے وقت قریش جمع ہو کر مشورہ وغیرہ کرتے تھے، بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہین انجام پذیر ہوتی تھین،

مشورہ | اگرچہ قریش کے تمام کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتا تھا، تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کیلئے مخصوص تھا بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہین انجام پاتا تھا،

[1] طبری ص ۱۰۹۶، [2] ایضاً،

حلف فضول عام نظام عدالت کے علاوہ قریش نے انسداد مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی، جس کا محرک ایک واقعہ تھا، وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ مین کچھ مال بغرض فروخت لایا، جس کو عاص ابن وائل نے خرید لیا، مگر اس کی قیمت نہین ادا کی، وہ بیچارہ قبائل قریش مین فریاد لے کر گیا، مگر عاص ابن وائل کی وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، ایک صبح کو جب قریش خانۂ کعبہ کے گرد جمع تھے، تو اس تاجر نے چند دردناک اشعار پڑھ کر اپنی بیکسی ظاہر کی زبیر بن عبدالمطلب پر اس کا بہت اثر ہوا، اور اس نے بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو تیم بن مرہ کو عبداللہ بن جدعان کے گھر مین جمع کیا، اور انھون نے حلف لے کر عہد کیا، کہ جب تک بحر صوفہ مین پانی روان رہے گا، اور جب تک حراء اور ثبیر[1] اپنی جگہ پر قائم رہین گے، اس وقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھین گے، جب تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لین،

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کیلئے رکھی گئی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

شھدت فی دار عبداللہ بن جدعان حلفا لو دعیت بہ فی الاسلام لاجبت ، یعنی عبداللہ بن جدعان کے گھر مین ایسے حلف مین شریک ہوا کہ اگر اس کی شرکت کی دعوت مجھکو زمانہ اسلام مین بھی دی جائے تو قبول کر لون،

قریش کا مذہب قریش کا مذہب اگرچہ مذہب ابراہیمی تھا لیکن اصنام پرستی ان مین اس قدر چھا گئی تھی کہ دین حنیف کے تمام خط و خال بالکل دھندلے ہو کر رہ گئے تھے اور ان کا پہچاننا مشکل تھا، مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین مین بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو بن لحی ہے یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا، وہان ایک شہر مین لوگونکو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا کہ ان کو کیون پوجتے ہو؟ انھون نے کہا یہ ہمارے معبود ہین، ہم ان کی پرستش کرتے ہین، اس کے صلہ مین یہ پانی برساتے ہین، اور ہر قسم کی امداد کرتے ہین، عمرو بن لحی نے کہا، لاؤ ہم کو بھی دو، ہم اپنے

---

[1] حراء و ثبیر پہاڑ کے نام ہین [2] روض الانف جلد ا ص ۹۱،

یہاں لیجاکران کی پرستش کرنے لگے، لوگوں نے ہبل نامی بت اس کو دید یا، جس کو لاکر اس نے مکہ میں نصب کیا[1] اور لوگوں کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کردی[2]، اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانۂ کعبہ کے گرد نصب کردیئے، اور مناۃ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر لب ساحل نصب کیا تھا[3]، غرضکہ یہ وبا عمرو بن لحی نے عام عرب میں پھیلائی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے، "یجر قصبہ فی النار"[4] یعنی اس کی آنتیں آگ میں گھسیٹی جاتی ہیں، قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا، وہ متعدد بتوں کی پوجا کرتے تھے، جن میں بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے، اور بعض قریش اور دیگر قبائل میں مشترک تھے، چنانچہ اساف ونائلہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے، اور قریش کے مخصوص بت تھے، اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، ان دونوں بتوں کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا، کہ یہ قبیلۂ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے، لیکن بعض گناہوں کے باعث پتھر کے ہوگئے،

لات:- بنو ثقیف کا بت تھا، مگر قریش اور کنانہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے[5]، اس کی تاریخ یہ ہے کہ لات مکہ میں ایک پتھر تھا جس پر حجاج کے لئے ستو گوندھا جاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی ثقیف میں تھا، وہ مرگیا، تو لوگوں نے کہا کہ وہ مرا نہیں، بلکہ اپنے ہمنام پتھر میں گھس گیا ہے، اس وہم سے اس کی پرستش بھی شروع ہوگئی،

عزّیٰ:- بنو غطفان کا بت تھا، مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے، اور تبرکاً اسی کے نام پر نام رکھتے تھے، چنانچہ عبد العزّیٰ قریش کا مشہور نام ہے، یہ بت بنی غطفان کے ایک باغ میں نصب تھا، قریش برابر وہاں تحائف لیجاتے تھے، اور قربانیاں کرتے تھے[6]،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۸ مطبوعۂ مصر [2] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۶۷، [3] روض الانف جلد ۱ ص ۶۱ مطبوعۂ مصر [4] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۹ مطبوعۂ مصر [5] معجم البلدان جلد ۸ ص ۲۴۴، [6] معجم البلدان جلد ۱ ص ۳۱۰،

مناۃ :- بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا، مگر قریش لات اور عزیٰ کی طرح اس کی بھی پرستش کرتے تھے، چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے، واللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ فانھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترجی ۔ ان تینون بتون کو قریش خدا کی بیٹیان کہتے تھے، اور ان کا اعتقاد تھا کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کرین گے،[1] اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک مین ان الفاظ مین آئی ہے،

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۔ (سورۂ نجم رکوع ۱)	کیا تم نے لات اور عزی اور تیسرے بت مناۃ پر نظر کی، کیا تمھارے لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیان ہین، اگر ایسا ہے تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے، یہ تو نام ہی نام ہین جن کو تم نے اور تمھارے باپ داداؤن نے رکھ لیا ہے، خدا نے ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہین اتاری،

ہبل :- قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط مین نصب تھا، اور قریش کے تمام بتون مین سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا، یہ سب سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا، اس پر انسانی قربانیان بھی چڑھائی جاتی تھین، چنانچہ عبد المطلب نے منت مانی تھی کہ وہ جسوقت اپنے دس بیٹون کو جوان دیکھین گے، تو ایک کو ہبل پر نذر چڑھائینگے،[2] لڑائیون مین ہبل کی جے پکارتے تھے، جنگ احد کے موقعہ پر جب مسلمانون کو پسپائی ہوئی، اور دشمنون نے مشہور کردیا کہ خدا نخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، تو ابو سفیان نے خوشی و مسرت مین اس کی جے کا نعرہ لگایا،[3] خانہ کعبہ کے بتون کی تعداد تین سو ساٹھ تھی، جن مین حضرت اسمٰعیل اور حضرت ابراہیم کی مورتین بھی شامل تھین،[4] ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور غمی وغیرہ کے موقعہ پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے، اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے،[5]

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۷۰ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ [3] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ احد [4] بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸ [5] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۳

بدعاتِ حج

اگرچہ قریش مذہب ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر امتدادِ زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر و تبدل ہو گیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی، چونکہ حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کے بانی تھے، اس لئے حج ان کی تعلیمات میں راس العبادات تھا، قریش بلکہ پورا عرب اس فریضہ کو ادا کرتا تھا، مگر اس کے ارکان اور طریقۂ ادا میں طرح طرح کی بدعات رائج کر دی تھیں، شہر حرام یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے یعنی محرم کا نام بدل کر صفر رکھ دیتے، اور اس میں تمام وہ باتیں جائز سمجھتے، جو غیر شہر حرام میں جائز ہیں، حج کے مہینے میں عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے،[1] خاموش حج کرتے، یعنی دوران حج میں منہ سے نہ بولتے، ایک شخص دوسرے شخص کو لگام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا،[2] قریش اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کیلیے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں ٹھہرتے،[3] اسی پر یہ آیۃ نازل ہوئی، "ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ" (سورۂ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے،[4] حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہیں کر سکتے تھے، رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہیں سکتے تھے،[5] طواف کے وقت وَاللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی فَاِنَّھُنَّ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی پڑھتے تھے،[6] تلبیہ میں خدا کے نام کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے،[7] قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے، "مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُشْرِکُوْنَ" یعنی ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہیں تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں،

قریش میں تنہا اصنام پرستی یا بدعاتِ حج ہی نہیں رائج تھیں، بلکہ تمام وہ اخلاق ذمیمہ جن میں سارا عرب مبتلا تھا، مثلاً شراب خواری، قمار بازی، دختر کشی، عیاشی، اوہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے قریش

[1] بخاری جلد ۱ باب بنیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص ۵۴۱ [2] بخاری جلد ۱ کتاب المناسک ص ۲۲۳ [3] بخاری جلد ۱ ص ۲۲۶ [4] ایضاً ص ۲۲۸ [5] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۷ [6] معجم البلدان جلد ۶ ص ۱۶۶ [7] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۷،

بھی مستثنیٰ نہ تھے، بلکہ علی الاعلان نہایت فخر و مباہات سے یہ کام کرتے تھے، سوتیلی ماں لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی، غرض کہ اس قبیلہ کی صدہا خرابیاں ان مین رائج تھین، تاہم ان برائیون کے ساتھ ساتھ ان مین بہت سی خوبیان بھی تھین، مظلومون کی دادرسی ان کا خاص شعار تھا، حلف الفضول کا ذکر اوپر آچکا ہے، جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا، مہمان نوازی تو ان کی ضرب المثل تھی، موسم حج مین ہزارون حجاج کی ضیافت کرتے تھے، نادارون کے ساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے، اور اس سعادت مین قریش کا ہر فرد برابر کا حصہ لیتا تھا،[1] حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا، تو کپڑا دیتے،[2] یہ خاطر تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عام مہمانون کے لئے بھی قریش کا دسترخوان اسی طرح وسیع تھا، ایفاے عہد مین خواہ کتنا ہی شدید جانی و مالی نقصان کیون نہ ہو، مگر عہد سے نہ پھرتے تھے،

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ "وہ اون کی مہمان نوازی کرتے تھے، شہر حرام کی عظمت کرتے تھے، خواہش، مظالم اور قطع رحم کو برا سمجھتے تھے، جرائم کا تدارک کرتے تھے،"[3] حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا، اور قریش پر اس کا اثر بھی کافی تھا، جب اس نے صفائی کے خیال سے حرم کے درختون کو کاٹنا چاہا، تو تمام قریش نے انکار کر دیا،

کفر و شرک کی اس عام تیرگی مین کہین کہین خدا پرستی کا نور بھی پرتوفگن تھا، چنانچہ قریش مین خدا پرستون کی خاصی تعداد موجود تھی، مثلاً زید بن عمرو بن نفیل زمانۂ جاہلیت مین موحد تھے، دین حنیف کی پیاس مین موسوی اور عیسوی چشمون کی طرف لپکے، مگر کہین پیاس نہ بجھی، آخر مین خانۂ کعبہ مین کھڑے ہو کر خدا کو شاہد بنایا کہ خدایا مین تجھے گواہ بناتا ہون کہ مین دین ابراہیم پر ہون، وہ اس نعمت توحید کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے، بلکہ قریش مین اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے، بت کی قربانیون پر قریش کو ملامت کرتے تھے، دختر کشی کی ممانعت کرتے تھے، حتی کہ لڑکیون کو لیکر خود پرورش کرتے تھے،[4] اس کے علاوہ قریش کے

---

[1] روض الانف [2] بخاری جلد اص ۲۰۵ [3] یعقوبی جلد اص ۲۹۴ [4] بخاری جلد اص ۵۴۰

اور متعدد اشخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے، چنانچہ ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ میں گئے، تو ان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں، جو نہ سن سکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے، اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے[1]، خود صحابۂ کرام رضی میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں، جو زمانۂ جاہلیت میں فطرتِ سلیمہ رکھتے تھے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی،

لوازمِ تمدن

تجارت | قریش کا پیشہ تجارت تھا، زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے، حتی کہ ابوجہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا[2]، قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان کے تجارتی قافلے ملکوں ملکوں پھر کر بیوپار کرتے تھے، عموماً ان کے کاروانِ تجارت سال میں دو مرتبہ جاتے تھے، سورۂ قریش میں اسی کی طرف اشارہ ہے،

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ، (قریش)

تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر (تجارت) سے کسقدر الفت ہے، ان کو چاہیئے کہ اس گھر کے رب کو پوجیں، جس نے ان کو بھوک سے بچانے کیلئے کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا،

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منتظم کر دیا تھا، نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہ روم سے اجازت نامے حاصل کئے، تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کے حدودِ حکومت میں اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکیں، اس زمانہ میں اگرچہ راستے پر امن نہ تھے، رہزنی اور لوٹ مار عام تھی، تاہم قریش کے کاروانِ تجارت سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا، اور وہ بے خوف و خطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے، اس کی وجہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۶، [2] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵،

یہ تھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے "جیرا للہ" خدا کے پڑوسی کہلاتے تھے، اور خانۂ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے، اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہین کرتے تھے، قریش مین اس درجہ تجارت کا چرچا تھا کہ اس مین مرد عورت، بوڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے، چنانچہ حضرت خدیجہؓ بیوگی کے زمانہ مین بڑے پیمانہ پر تجارت کرتی تھین، بروایت ابن سعد تنہا حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت کل قریش کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کا مال لیکر بصرے تشریف لے گئے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس بھی تجارت فرماتے تھے اور آپ کی تجارت کے واقعات کتبِ احادیث مین مذکور ہین، چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی اور آپ کی تجارت مشترک تھی، اور بعد اسلام انھون نے آپ کی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی، آپ یمن کے بازار جرش مین دو بار تشریف لے گئے، بحرین مین بھی آپ کا جانا ثابت ہے، ابو طالب بھی تاجر تھے، اکابر قریش مین ابو جہل اور ابو سفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے، حضرت ابو بکرؓ کا بھی شغل تجارت تھا، مدینہ مین مقام سنح پر آپ کا ایک پارچہ بافی کا کارخانہ تھا، کبھی کبھی خود مال لیکر باہر تشریف لیجاتے تھے، چنانچہ اسلام کے بعد بصریٰ مالِ تجارت لیکر جاتے تھے،

حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے، ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا، اور بذات خود تجارت کے سلسلہ مین بہت آیا جایا کرتے تھے، چنانچہ خود کہتے ہین کہ بہت سے ارشاداتِ نبوی مین تجارت کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ سن سکا، حضرت عثمانؓ عرب کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی بنا پر ان کو غنی کہا جاتا ہے، بنو قینقاع کے بازارون مین آپ کا کھجورون کا کاروبار تھا، زمانۂ جاہلیت مین ربیعہ بن حارث کی شرکت مین تجارت کرتے تھے، حضرت علیؓ نے بھی اذخر کی تجارت کی ہے، ابان بن سعید قرشی بھی تاجر تھے

سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۰۰، ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۷۱، ارض القرآن ص ۱۳۸ جلد ۱، ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰، ابن ماجہ باب المزارعۃ، مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۶۲، ایضاً جلد ۳ ص ۳۴۳، بخاری جلد ۱ ص ۲۷۰، مسند احمد بن حنبل، اصابہ جلد ۲ ص ۹۱، بخاری جلد ۱ ص ۲۸۰

اور شام وغیرہ جاکر تجارت کرتے تھے[1]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ان مین ایک خط قیصرِ روم کے نام بھی تھا جب قاصد خط لیکر پہنچا، تو اس وقت قریش کے تاجر وہان موجود تھے، چنانچہ قیصر نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوالات کئے[2] غرضکہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے، چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہین، کانت قریش قوما تجارا[3]، چنانچہ قریش نے جب مسلمانون کو حج سے روکا تو انھون نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمھاری شام کی تجارت روک دین گے، عرب عموماً ان چیزون کی تجارت کرتے تھے (۱) کھانے کا مسالہ اور خوشبودار جڑین (۲) سونا لوہا جواہرات (۳) خام کھالین، بنا ہوا چمڑا، زین پوش اور بھیڑ بکری وغیرہ،

توراۃ مین جابجا ان چیزون کا ذکر آیا ہے، قریش بھی غالباً ان ہی چیزون کی تجارت کرتے ہون گے، بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے، قریش نے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لیکر بھیجا، وہ تحفہ بھی یہی چمڑا تھا[4]، طبری نے لکھا ہے کہ "ومعہ فضۃ کثیرۃ وھی عظم تجارتھم"[5]

عرب کی دس تجارتی منڈیان تھین، ان مین قریش زیادہ تر بازار ذوالمجاز اور عکاظ مین شریک ہوتے تھے[6]، زمانۂ اسلام مین لوگون نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا جس پر یہ آیت نازل ہوئی[7]،

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ — تمھارے لئے اس مین کوئی حرج نہین (کہ زمانہ حج مین) اپنے رب کا فضل تلاش کرو،

(بقرہ ۲۵)

زمانۂ اسلام مین تجارت روز بروز زیادہ چمکی، چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازارون مین کاروبار تجارت

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶۲ [2] بخاری جلد ۱ ص ۴ [3] سیرۃ ابن ہشام، ص ۱۰۰ [4] مسند حنبل مسند اہل بیت [5] طبری ص ۱۳۴۷ [6] یعقوبی جلد ۱ ص ۳۱۴ [7] کتاب البیوع باب ما جاء فی قولہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض،

میں گذرتا تھا، اور زمانہ جاہلیت کی منڈیوں میں بھی وہی چہل پہل باقی رہی، اور زمانہ اسلام میں تقریباً سو برس تک یہ بازار گرم رہے، سب سے پہلے ۱۲۹ھ میں بازار عکاظ خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا،

علوم وفنون یوں تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب میں تھا تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے، جن کی زبان معتبر اور قابلِ اسناد سمجھی جاتی تھی، از انجملہ قبیلۂ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی، ان میں بھی قریش زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے، ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم جو فصاحت وبلاغت کا سرچشمہ ہے، قریش کی زبان میں اترا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے فصیح اللسان ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے کہ "میں تم سب میں فصیح تر ہوں، اس لئے کہ میں قریش کے خاندان سے ہوں، اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے" قریش میں بڑے بڑے باکمال شعراء پیدا ہوئے، بلکہ خاص بنو ہاشم میں متعدد شعراء تھے خلفائے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا، چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار بھی نقل کئے ہیں، قریش میں ذوق شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ رواج تھا، اگرچہ ان میں تعلیم عام نہ تھی تاہم ظہور اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی خاصی تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، ابو عبیدہؓ، طلحہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ابو حذیفہ بن عتبہ، حاطب بن عمرو، ابو سلمہ بن عبد الاسد، آبان ابن سعید، خالد بن سعید، عبد اللہ بن سعد، ابو سفیان بن حرب، امیر معاویہؓ وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ تعلیم صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مشہور عورتوں میں ام المومنین حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں، اور حضرت ام سلمہؓ صرف پڑھ سکتی تھیں، لکھ نہیں سکتی تھیں، ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتیں مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ، کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں، عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی،

رفاہ عام کے کام قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام حجازیوں سے ان کو ممتاز

---

۱ بخاری جلد ۱ ص ۳۴، ۲و۳ فتح الباری جلد ۳ ص ۶۰، ۴ بخاری جلد ۱ ص ۹۰، ۵ طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۷، ۶ کتاب العمدہ ص ۱۳، ۱۴، ۷ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۱، ۴۷۲،

کرتے تھے جس سے ان کے معاصر قبائل مین ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی چنانچہ اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار کے قبائل کی آسایش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنوئین مختلف مقامات پر کھدوائے[1] تھے، اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اس بے آب و گیاہ زمین مین ان کے لئے آبِ شیرین مہیا کیا جائے، ان کے کنوؤن اور ان کے مالکون کے نام کی تفصیل یہ ہے[2]،

شہرِ مکہ کے اندرونی کنوئین

نام شخص	نام کنوان	جگہ
عبد شمس	.	مکہ کے بالائی حصہ مین
ہاشم بن عبد مناف	بذر	ابو طالب کی گھاٹی پر
مطعم بن عدی	سجلہ	
بنو اسد ابن عبد العزی	سقیہ	
بنو عبد دار	ام احراد	
بنو جمح	سنبلہ	
بنو سہم	غمر	
مکہ کے بیرونی کنوئین		
مرہ بن کعب	احرم	
بنی کلاب بن مرہ	خم خم	

اسلام کا ظہور قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی کہ دفعۃً افقِ مکہ پر برقِ تجلی چمکی، اور نورِ حق کا اجالا تمام عرب مین پھیل گیا، ابھی آفتابِ رسالت کی کرنین چھوٹی ہی تھین کہ خیرہ چشمونکی آنکھین تابِ نظارہ نہ لاسکین اور ہر چہار جانب سے ظلم و تعدی کے بادل امنڈنے لگے کہ نورِ حق کی روشنی کو تاریکی

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۹

مین چھپا دین، یعنی آنحضرت صَلّی اللہُ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے، مگر سیلِ صداقت برابر پھیلتا گیا، یہان تک کہ ریگستانِ عرب کو رشکِ گلزار بنا دیا،

آنحضرت صَلّی اللہُ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام شروع کی، تو ابتداً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی، مگر رفتہ رفتہ جب اس کا حلقہ وسیع ہونے لگا، اور لوگ برابر دائرۂ اسلام مین داخل ہونا شروع ہوئے، تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی اور اس کے استیصال کی تمام امکانی کوششین شروع کر دین، وہ اشاعتِ اسلام سے زیادہ پیچ و تاب اپنے مذہب اور اپنے معبودون کی مذمت پر کھاتے تھے، پہلے تو آنحضرت صَلّی اللہُ علیہ وسلم کو خود سمجھاتے بجھاتے رہے، مگر جب آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی، تو مجبوراً ان لوگون کو ابو طالب کی طرف رجوع کرنا پڑا کہ وہ آپ کے کفیل تھے، چنانچہ عمائدِ قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا، اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودون کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے سمجھدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے، اور ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم اس کو روکو، ورنہ ہمارے حوالہ کر دو، اس وقت ابو طالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا، مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت صَلّی اللہُ علیہ وسلم پر نہ پڑا، اور آپ کے سابق طرزِ عمل مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے، اس مرتبہ ابو طالب نے آنحضرت صَلّی اللہُ علیہ وسلم کو بہت سمجھایا کہ بیٹا! مجھ پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ ڈالو، اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو، یہ سن کر آنحضرت صَلّی اللہُ علیہ وسلم کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہین کر سکتے، اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیگی، اس سے آپ بہت متاثر ہوئے، مگر اس بے بسی کے عالم مین بھی آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائین پر ماہتاب رکھدین کہ مین اس فریضہ کو چھوڑ دون، تو بھی نہین چھوڑ سکتا، تا آنکہ اس مین ہلاک ہو جاؤن، یا کامیاب ہون، اس جواب سے ابو طالب بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ بیٹا! جاؤ جو جی مین آئے کرو، مین تم کو کسی حالت مین نہین چھوڑونگا[1] جب قریش کو ابو طالب کے

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۳۹، ۱۴۰

اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی، تو تیسری مرتبہ پھر آئے، مگر اس مرتبہ انھون نے صاف جواب دیدیا جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آجائین، چنانچہ ابو الولید نے رؤسائے قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیان آپ کے سامنے پیش کین، کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمھارے لئے اس قدر مال جمع کردین، کہ تم ہم سب سے زیادہ دولت مند بن جاؤ، اور اگر سرداری کی خواہش ہے، تو تم کو اپنا سردار بنالین، اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے، تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہین،

جب تمام ترغیبات ابو الولید دے چکا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اب میری بھی کچھ سنو، یہ کہکر آپ نے سورہ حم سجدہ کی چند آیتین تلاوت فرمائین، عتبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا، جب سن چکا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے،

عتبہ جب یہان سے اپنے ساتھیون مین گیا تو وہ لوگ اس کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیان کرنے لگے کہ یہ تو وہ عتبہ نہین معلوم ہوتے، جو یہان سے بھیجے گئے تھے، سبھون نے ماجرا پوچھا، انھون نے کہا، مین نے عجیب و غریب کلام سنا ہے، خدا کی قسم اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانون نے نہین سنا، واللہ نہ وہ جادو ہے، نہ وہ شعر ہے، اور نہ وہ کہانت ہے، میری راے ہے، کہ تم اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، عجب نہین، کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو، بالفرض اگر وہ کامیاب بھی ہوگیا، تو اس کی بادشاہت تمھاری بادشاہت ہے، اور اس کی عزت تمھاری عزت ہے، اور اگر وہ ناکام رہا، تو عربون کی کامیابی بھی تمھاری کامیابی ہے، عتبہ کے یہ خیالات سنکر لوگون نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسحور ہوگئے ہو، عتبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو، مگر یہ میری راے ہے، آیندہ تم لوگ جو چاہو کرو،[1]

غرض جب ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح اپنے فریضہ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۵۴، ۱۵۵،

سے دست کش نہ ہوئے، بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی، اور قبائلِ قریش مین مسلمانون کا روز افزون اضافہ ہوتا گیا، اکابرِ قریش مین حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ مشرف باسلام ہو چکے تو مشرکین کا جنون اور تیز ہو گیا، اور شانِ نبوت مین طرح طرح کی گستاخیان شروع کر دین، کوئی آپ پر خاک ڈالتا، کوئی آپ کے دروازہ پر غلاظت ڈال جاتا، کوئی آپ کے برتنون مین گندی چیزین ڈال دیتا، امیہ بن خلف آپ کے چہرۂ مبارک پر غلاظت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ سجدہ مین تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا، اور اس زور سے دبایا کہ آنکھین نکل پڑین، بعض مرتبہ یہ سنگ دل اس طرح سے گلا گھونٹتے کہ دم گھٹنے رہ جاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے، اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے، سبھون نے دوڑ کر گھیر لیا، اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودون کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا، ہان مین ہی ہون، اس پر ایک شخص نے مجمع سے نکلکر آپ کی چادر سے آپ کا گلا بڑی زور سے گھونٹنا شروع کیا، حضرت ابوبکرؓ موجود تھے، یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکے، اور رو کر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے[1]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان قریش مین بہت معزز تھا، اس لئے ان مخالفتون کے باوجود آپ کے بہت سے حامی موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے اکابرِ قریش جو مشرف باسلام ہو چکے تھے، ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے، اس لئے سارا غصہ ان غریب مسلمانون پر ٹوٹتا تھا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، اور کفار کے بس مین جو کچھ بھی تھا بھوک پیاس، مار پیٹ ہر طرح سے ان غریب و خستہ حال مسلمانون پر مظالم ڈھاتے، ان کی زندگی کی داستان صرف مار پیٹ پر ختم نہین ہوتی، بلکہ مار پیٹ کے علاوہ نئے نئے اندازِ ستم ایجاد کرتے تھے،

امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ مین جب کہ مکہ کی زمین توے کی طرح جلتی ہوتی،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۵۳ و بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبی مین بھی واقعہ تھوڑے تغیر کیساتھ مذکور ہے،

گرم ریت پر لٹاتا، اور سینہ پر بھاری پتھر رکھدیتا، کہ جنبش نہ کرسکیں، اور کہتا، کہ محمد سے توبہ کرکے لات وعزی کی پرستش کا اقرار کرو، ورنہ یون ہی سسک سسک کرمر جاوٗگے مگر اس وقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی،[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ بھی بے یار و مددگار تھے، اس لئے قریش کا دست ستم ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دوپہر کے وقت انگارون پر لٹاتے، پانی مین غوطہ دیتے، مگر زبان کلمۂ حق سے نہ پھرتی، ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگارون پر لٹا رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے، اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا یَانَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی عَمَّارٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ، اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے،[2]

حضرت خباب بن ارتؓ بھی مشرکین کے ظلم وستم کے شکار تھے، وہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دھکاتے اور مجھکو پیٹھ کے بل لٹاتے، اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کر جنبش نہ کرنے دیتا، اور اس عذاب مین اس وقت تک مبتلا رہتا، جب تک کہ خود میرے زخمون کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی،[3]

حضرت صہیبؓ بھی ان ہی بیکس لوگون مین تھے، جن کو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انھون نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہان افلاس وفقر کی حالت مین آیا تھا، یہان رہکر دولتمند ہوا، اب چاہتا ہے کہ جان مال لیکر نکل جائے، ایسا ہر گز نہین ہوسکتا، انھون نے فرمایا، اگر مین سب مال متاع تم کو دیدون تو مجھے جانے دوگے انھون نے کہا ہان، انھون نے سارا مال حوالہ کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا "رَبِحَ صُهَیْبٌ رَبِحَ صُهَیْبٌ" "صہیب نفع مند رہا، صہیب نفع مند رہے"،[4]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اول و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶، [2] طبقات ابن سعد جزو ثالث قسم اول ص ۱۷۷، [3] ایضاً ص ۱۱۷، [4] ایضاً ص ۱۶۲

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں، ان اشقیا کے دستِ ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں،

حضرت سمیہ رضؓ حضرت عمار بن یاسر رضؓ کی والدہ سابقاتِ اسلام میں تھیں، ان کو ابو جہل بہت ستاتا تھا، حتی کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔[1]

حضرت زنیرہ رضؓ دائرۂ اسلام میں ابتدا ہی میں داخل ہوئیں، ابو جہل ان کو بہت اذیتیں دیتا تھا، حضرت عمر رضؓ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے[2]، ان ہی میں ایک خاتون لبینہ رضؓ تھیں، منجملہ دیگر ضعفاے اسلام کے حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا[3]،

یہ تمام مہاجرین ضعفاے اسلام میں تھے، جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، اس لئے ان پر جو ستم ڈھاتے، کم تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحب حیثیت لوگ نہ بچ سکے، حضرت ابوبکر رضؓ زمانہ جاہلیت میں خاصی عمر کے تھے، اور اپنے قبیلہ میں معزز تھے، تاہم کسی مشرک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی[4]،

حضرت عثمان رضؓ جب مشرف باسلام ہوئے، تو ان کے چچا حکم بن ابو العاص رسی سے باندھتے، اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو نہ چھوڑو گے؟[5]

حضرت عمر رضؓ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہ رضؓ اور بہنوئی سعید بن زید رضؓ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے[6]، یہ مذکورۂ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھ دیئے گئے، ورنہ انکی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ۸ ص ۱۱۴

[2] ایضاً جلد ۸ ص ۹۱ [3] ایضاً ص ۱۷۹،

[4] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۳!

[5] طبقات جزو اول قسم ثالث ص ۳۸،

پہلی ہجرت
یا
مہاجرین کی پہلی جماعت

حبشہ کی پہلی ہجرت

مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آگئے تھے، نہ وہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے، اور نہ عبادت کر سکتے تھے، اس لئے ان کو ایسی جاے پناہ کی تلاش تھی، جہاں وہ کچھ اطمینان وسکون حاصل کر سکیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، وہ تم کو آرام سے رکھے گا، اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے، حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لئے آمادہ ہوگئی، اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا میں غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی، حضرت عثمان بن مظعونؓ رئیس قافلہ تھے،

مرد	عورتیں
حضرت عثمانؓ	حضرت رقیہؓ
حضرت ابو حذیفہؓ	حضرت سہلہ بنت سہیلؓ
حضرت زبیر بن عوامؓ	
حضرت مصعب بن عمیرؓ	
حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ	
حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ	حضرت ام سلمہؓ
حضرت عثمان بن مظعونؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہؓ

عورتین	مرد
	حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رضہ حضرت سہیل بن بیضاء رضہ حضرت حاطب بن عمرو رضہ

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے یہانتک کہ حبشہ مین مسلمانون کی کافی تعداد ہوگئی، اور بہت آرام و آسایش کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر قریش مسلمانون کا آرام و آسایش کب گوارا کر سکتے تھے،

حبشہ سے مسلمانون کے اخراج کی کوشش

اس لئے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا و تحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانون کو وہان سے نکال دے، اس وفد کے ارکان مین عبد اللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے، یہ دونون حبش پہنچے اور نجاشی کے دربار مین حاضری کے قبل پہلے درباری بطریقون سے ملے، اور فرداً فرداً ہر ایک کو تحفہ دیکر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے، جو ہمارے اور تمھارے دونون کے مذہب سے مختلف ہے۔ اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت مین پناہ گزین ہوئے ہین، ہم ان کو پکڑنے آئے ہین، اس لئے آپ لوگون کی خدمت مین ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور مین عرض گذار ہون، تو براے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائین اور ان کو مشورہ دین کہ ہمارے مفرور ہمارے حوالہ کر دیئے جائین، اس کے بعد نجاشی کی خدمت مین باریاب ہو کر ہدایا پیش کئے، اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، جو ہمارے اور آپ دونون کے مذہب سے مختلف ہے، اس لئے ہم عرض گذار ہین کہ ان کو ہمارے حوالہ کر دینے کا حکم صادر فرمایا جائے، بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کر لیا تھا، اس لئے انھون نے پرزور طریقہ سے تائید کی کہ بیشک

یہ لوگ ان لڑکون کی بہ نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہین، اس لئے ان کا حوالہ کردینا ہی مناسب ہے،

نجاشی کا جواب

نجاشی یہ درخواست سنکر بہت برہم ہوا، اور کہا کہ جب تک مین ان لوگون کو بُلاکر خود تحقیقات نہ کرون گا، اس وقت تک مین اپنے مہمان اور پناہ گزینون کو ہرگز حوالہ نہین کرسکتا، البتہ اگر وہ تمھارے بیان کے مطابق ہین، تو مجھے حوالہ کرنے مین کوئی عذر نہ ہوگا، اور اگر ایسا نہین ہے تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہین لیجاسکتے، اور وہ جب تک ہماری پناہ مین رہین گے آزادی سے رہ سکین گے،

نجاشی کا مسلمانون کو تحقیقِ حال کے لئے طلب کرنا

چنانچہ نجاشی نے مسلمانون کو بلایا، چونکہ یہ واقعہ ان لوگون کے لئے بالکل نیا تھا، اس لئے بہت گھبرائے اور سوچنے لگے، کہ کیا جواب دینا چاہئے، مگر آخر مین یہ فیصلہ کیا، کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح صحیح بیان کردین گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو،

جب یہ لوگ حاضر ہوئے، تو نجاشی نے پوچھا، کہ تمھارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑدیا، اور وہ تمھارا جدید مذہب ہم سب لوگون کے مذہب سے نرالا ہے اس کا جواب حضرت جعفرؓ نے ایک مختصر تقریر مین دیا،

حضرت جعفرؓ کی تقریر

ایہا الملک، ہم ایک جاہل قوم تھے، بتون کو پوجتے تھے، مردار خوار تھے، فواحش مین مبتلا تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیون کے ساتھ برا برتاؤ رکھتے تھے، ہمارا زبردست زیردست کو کھاجاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی، کہ ہم مین خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا، جس کے صدق، عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہین، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کرین، اور اپنے اور اپنے آبا کے اصنام کی پرستش چھوڑ دین، اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلۂ رحمی کرنے، پڑوسیون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتون اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا، اور فواحش سے، جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عفیفہ عورتون پر تہمت لگانے سے منع کیا، اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس مین کسی کو شریک نہ کرین، اور صوم صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے

اس کو مانا، اور اس پر ایمان لائے اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی، اور حلال کو حلال، اور حرام کو حرام جانا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی کہ پھر ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کر دیں[1]،

نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف

نجاشی نے کہا، خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں! نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفرؓ نے کھیعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا جس کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، نجاشی نے کہا، کہ یہ اور عیسیٰ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں،

وفد مشرکین کی ایک چال

اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کئے جا سکتے، جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے تو ایک دوسری تدبیر سوچی، وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں، اور مسلمان عبد اللہ بتائیں گے، ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر برا پڑے گا، غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کر سکتے ہیں یہ آزمایش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق مذکور ہے، وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے، خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے،

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی

غرض کہ یہ لوگ، دربار میں بلائے گئے، نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو، حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کے رو سے وہ خدا کے بندے اور

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۸۱ و ۱۸۲،

اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا، اور کہا، کہ جو تم کہتے ہو حضرت عیسیٰؑ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی۔۔۔۔ زیادہ نہیں تھے، اس پر بطارقہ بہت زیادہ چین بجبین ہوئے، اور قریش کی سفارت ناکام رہی،[1]

مہاجرین حبش کی واپسی

ابھی مہاجرین حبش میں کچھ ہی دن رہے تھے، کہ ان کو اہلِ مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی، اس خبر سے فطرۃً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہاں بھی امن و امان نصیب ہوگا، اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہوگئے، مگر مکہ کے قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب یہ لوگ بڑی کشمکش میں پڑے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہوگئے، البتہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ دو ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے،

دوسری ہجرت

حبشہ کی دوسری ہجرت

مہاجرین مکہ میں قیام پذیر تو ہوگئے، مگر مشرکینِ مکہ ان کو کب چین لینے دیتے، بالخصوص اس وجہ سے اور جلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ میں دربارِ حبش سے ناکام واپس ہوئی تھی، اور مہاجرین وہاں آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے، اس لئے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کردی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ہجرتِ حبشہ کی اجازت دیدی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا، کفار نے سخت مزاحمت کی، طرح طرح رکاوٹیں ڈالنی شروع کیں، تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتوں کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبش روانہ ہوگیا،[2] اکثر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں،

---

[1] یہ واقعات سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲، ۲۰۳ میں مفصل مذکور ہیں۔ [2] طبقات ابن سعد جزو اول قسم اول ص ۱۳۸،

۱	حضرت عثمان بن عفان رضؓ	۲۰	حضرت حاطب بن عمرو رضؓ
۲	" ابوحذیفہ رضؓ	۲۱	" عبداللہ بن سہل رضؓ
۳	" عبداللہ بن جحش رضؓ	۲۲	" سعد بن خولہ رضؓ
۴	" شجاع بن وہب رضؓ	۲۳	" ابوعبیدہ بن جراح رضؓ
۵	" عتبہ بن غزوان رضؓ	۲۴	" سہیل بن بیضاء رضؓ
۶	" طلیب بن عمیر رضؓ	۲۵	" معمر بن ابی سرح رضؓ
۷	" عبدالرحمن بن عوف رضؓ	۲۶	" عیاض بن زہیر رضؓ
۸	" عبداللہ بن مسعود رضؓ	۲۷	" جعفر بن ابی طالب رضؓ
۹	" مقداد بن عمرو رضؓ	۲۸	" خالد بن سعید رضؓ
۱۰	" ابوسلمہ بن عبدالاسد رضؓ	۲۹	" معیقیب بن ابی فاطمہ رضؓ
۱۱	" معتب بن عوف رضؓ	۳۰	" خالد بن حزام رضؓ
۱۲	" عامر بن ربیعہ رضؓ	۳۱	" اسود بن نوفل رضؓ
۱۳	" خنیس بن حذافہ رضؓ	۳۲	" عمرو بن امیہ رضؓ
۱۴	" عثمان بن مظعون رضؓ	۳۳	" یزید بن زمعہ رضؓ
۱۵	" عبداللہ بن مظعون رضؓ	۳۴	" ابوالروم بن عمیر رضؓ
۱۶	" قدامہ بن مظعون رضؓ	۳۵	" خراش بن نضر رضؓ
۱۷	" سائب بن عثمان رضؓ	۳۶	" جہم بن قیس رضؓ
۱۸	" ابوسبرہ بن ابی رہم رضؓ	۳۷	" ابوفکیہہ رضؓ
۱۹	" عبداللہ بن مخرمہ رضؓ	۳۸	" مطلب بن ازہر رضؓ

۳۹	حضرت عتبہ بن مسعود رض	۵۴	حضرت تمیم بن حارث رض
۴۰	" شرحبیل بن حسنہ رض	۵۵	" سعید بن حارث رض
۴۱	" حارث بن خالد رض	۵۶	" سعید بن عمرو رض
۴۲	" عمرو بن عثمان رض	۵۷	" محمیہ بن جزء رض
۴۳	" عیاش بن ابی ربیعہ رض	۵۸	" حاطب بن حارث رض
۴۴	" ہاشم بن ابو حذیفہ رض	۵۹	" خطاب بن حارث رض
۴۵	" ہبار بن سفیان رض	۶۰	" سفیان بن معمر رض
۴۶	" عبداللہ بن سفیان رض	۶۱	" خالد بن سفیان رض
۴۷	" معمر بن عبداللہ رض	۶۲	" جنادہ بن سفیان رض
۴۸	" عبداللہ بن حذافہ رض	۶۳	" نبیہہ بن عثمان رض
۴۹	" قیس بن حذافہ رض	۶۴	" سلیط بن عمرو رض
۵۰	" ہشام بن عاص رض	۶۵	" سکران بن عمرو رض
۵۱	" ابو قیس بن حارث رض	۶۶	" مالک بن زمعہ رض
۵۲	" سائب بن حارث رض	۶۷	" عمرو بن حارث رض
۵۳	" حجاج بن حارث رض	۶۸	" عثمان بن عبد غنم رض
۱	حضرت سودہ بنت زمعہ رض	۵	حضرت حبیبہ بنت ابو سفیان رض
۲	" فاطمہ بنت علقمہ رض	۶	" ام سلمہ بنت ابی امیہ رض
۳	" عمیرہ بنت سعدی رض	۷	" ریطہ بنت حارث رض
۴	" حسنہ ام شرحبیل رض	۸	" رملہ بنت ابی عوف رض

۹	حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضہ	۱۵	حضرت ام حرملہ رضہ
۱۰	" سہلہ بنت سہیل رضہ	۱۶	" فاطمہ بنت مجلل رضہ
۱۱	" ام کلثوم اسماء بنت عمیس رضہ	۱۷	" فکیہہ بنت یسار رضہ
۱۲	" فاطمہ بنت صفوان رضہ	۱۸	" برکہ بنت یسار رضہ
۱۳	" امینہ بنت خلف رضہ	۱۹	" اسماء بنت عمیس رضہ
۱۴	" خزیمہ بنت جہم رضہ		

غریب مسلمانون کو خانمان برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتشِ غضب نہ ٹھنڈی ہوئی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی حمایت کے جرم مین بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا، اور ایک معاہدہ مرتب کیا، جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیئے گئے، اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب مین پناہ گزین ہو گئے، اور تین سال تک قید و بند مین گذارے، بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بیکسی پر رحم آیا، اور انھون نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا، اور ہاشمیون کو قید تنہائی سے نجات دی[1]،

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضہ کا انتقال

اس معاہدہ کی تنسیخ کو تھوڑے ہی دن ہوے تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی اور چہیتے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا، اس سانحہ کے تقریباً سوا مہینہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضہ نے بھی داغ مفارقت دیا، اور دو ڈھائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونون محافظ اٹھ گئے،

قریش کی ایذا رسانی

اب قریش کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی، ابوطالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ رضہ کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے، اس لئے ان کو دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقعہ ملا، اور انھون نے کسی ممکن ایذا رسانی سے دریغ نہ کیا، ان مین اکثر واقعات اوپر گذر چکے ہین، ایک مرتبہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۰۳، ۲۰۵،

ایک گستاخ نے مٹی لاکر فرقِ مبارک پر جھونک دی، آپ اسی حالت مین گھر تشریف لائے ایک صاحبزادی نے اس حالت مین دیکھا، تو زار و قطار رونے لگین، سر سے مٹی دھوتی جاتی تھین، اور آنسو بہتے جاتے تھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشفی دیتے تھے کہ جانِ پدر رو مت، خدا تمھارے باپ کو کفار کی درازدستیون سے روکنے والا ہے اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابو طالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کر سکے[1]

تبلیغ اسلام و طائف کا سفر

ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ کے جور و ستم نے سرزمین حرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تنگ کردی، اس لئے آپ نے زید بن حارثہؓ کی معیت مین طائف کا رخ کیا، کہ شاید وہان کچھ بندگانِ خدا توحید کی صدا پر لبیک کہین، چنانچہ طائف پہنچکر سردارانِ ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے!؟ کیا خدا کو تمھارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہین ملا؟ خدا کی قسم ہم تم سے بات نہین کر سکتے کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمھارا خیال ہے، تو تم سے گفتگو کرنے مین بڑا خطرہ ہے، اور اگر جھوٹے ہو، تو قابلِ التفات نہین[2]، آپ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہو گئے، تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلۂ ثقیف کے ایک ایک سربرآوردہ شخص سے ملے لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ہمارے یہان سے نکل جاؤ، اور جہان تمھاری آواز سننے والے ہون وہان جاؤ، صرف اس جواب پر اکتفا نہین کیا، بلکہ کچھ اوباشون کو لگا دیا جھون نے ذاتِ اقدسؐ پر سنگ باری شروع کر دی، اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ کے دونون پاؤن زخمون سے چور ہو گئے، زید بن حارثہؓ آپ کو بچاتے تھے، اس مدافعت مین وہ بھی زخمی ہوئے[3]،

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان

غرض اس طرح آپ وہان سے مغموم و ناکام واپس ہوئے، راستہ مین زید ابن حارثہؓ نے گذارش کی کہ مکہ مین ہم کس طرح رہ سکتے ہین، جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہین؛

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۲۰ [2] ایضاً ص ۲۳۹ [3] زید بن حارثہؓ کا نام طبقات مین ہے [4] ابن سعد حصۂ سیرۃ ص ۲۱۴۲،

آپ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے، وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کریگا، چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا، اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ میں لیکر عام اعلان کر دیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی، اس لئے کوئی آپ کے ستانے کا ارادہ نہ کرے،[1] اور آپ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے،

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام اسلام اور بانیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف غیظ و غضب کا جو طوفان اٹھا تھا وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے، بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کر کے بدستور اشاعتِ اسلام فرماتے رہے، اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا، جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم میں حجاج کے فرودگاہوں پر، بالخصوص عکاظ، مجنہ، اور ذوالمجاز کے بازاروں میں، غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے، وہاں آپ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپ اس فرضِ نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے تھے جن قبائل میں آپ نے گشت لگا کر پیغام خداوندی پہونچایا، ان کی فہرست حسب ذیل[2] ہے،

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، بکا، کندہ، کعب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے یعنی جب قریش نے تمھاری دعوت کو مسترد کر دیا، تو دوسرے کیوں قبول کریں گے،

تبلیغ کا اثر قبائل پر اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی، تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوسِ صالحہ موجود تھے جن کی فطرتِ سلیمہ دعوتِ حق سننے پر مستعد تھی، اور ان کے قلبِ سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ کفر و ضلالت کے بیابان میں توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی، بلکہ بہتیرے قبائل میں اسلام کا خاصا پرتو پڑا، ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل

---

[1] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۲، [2] زرقانی جلد اص ۳۵۹،

مین درج کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوگا، کہ ہجرت کے قبل مکہ کی زندگی مین اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا،

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضہ " جعفر بن ابو طالب رضہ " علی بن ابو طالب رضہ
موالی بنو ہاشم	حضرت آنسہ مولی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم " ابو کبشہ رضہ " " " زید بن حارثہ رضہ " "
بنو مطلب	حضرت عبیدہ بن حارث رضہ " طفیل بن حارث رضہ
بنو مطلب کے حلیف	حضرت ابو مرثد غنوی رضہ " مرثد بن ابی مرثد رضہ
بنو عبد شمس	حضرت عثمان بن عفان رضہ " خالد بن سعید رضہ
بنو شمس کے حلیف	حضرت عبد اللہ بن جحش رضہ " ابو احمد بن جحش رضہ " عکاشہ بن محصن رضہ " شجاع بن وہب رضہ

بنوشمس کے حلیف	حضرت عقبہ بن وہب رضؓ
بنونوفل کے حلیف	حضرت عتبہ بن غزوان رضؓ
بنواسد بن عبد العزیٰ	حضرت زبیر بن عوام رضؓ
بنواسد کے حلیف	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ
بنوعبد دار	حضرت مصعب بن عمیر رضؓ
بنوعبد بن قصی	حضرت طلیب بن عمیر رضؓ
بنی زہرہ بن کلاب	حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ " سعد بن ابی وقاص رضؓ " طلیب بن ازہر رضؓ " عبد اللہ الاصفر رضؓ " عبد اللہ بن شہاب رضؓ " عامر بن ابی وقاص رضؓ " مطلب بن ازہر رضؓ
بنی زہرہ کے حلیف	حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ " مقداد بن عمرو رضؓ " خباب بن ارت رضؓ " مسعود بن ربیع رضؓ " عتبہ بن مسعود رضؓ " شرجیل بن حسنہ رضؓ

بنو تیم بن مرہ	حضرت ابوبکر صدیق رضؓ " طلحہ بن عبید اللہ رضؓ " عامر بن فہیرہ خادمِ صدیق اکبر رضؓ " حارث بن خالد رضؓ " عمرو بن عثمان رضؓ
بنو مخزوم بن یقظہ	حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد رضؓ " ارقم بن ارقم رضؓ " شماس بن عثمان رضؓ " عیاش بن ابی ربیعہ رضؓ " سلمہ بن ہشام رضؓ " ہاشم بن ابوحذیفہ رضؓ " ہبار بن سفیان رضؓ " عبد اللہ بن سفیان رضؓ
بنو مخزوم کے حلیف	حضرت عمار بن یاسر رضؓ " معتب بن عوف رضؓ
بنو عدی	حضرت عمر بن الخطاب رضؓ " زید بن خطاب رضؓ " سعید بن زید رضؓ " عبد اللہ بن عمر رضؓ

بنو عدی	حضرت عمرو بن سراقہ رض " نعیم النحام بن عبداللہ رض " معمر بن عبداللہ رض " عدی بن نضلہ رض " عروہ بن ابی اثاثہ رض " مسعود بن سوید رض " عبداللہ بن سراقہ رض
حلیف بنو عدی	حضرت عامر بن ربیعہ رض " عاقل بن ربیعہ رض " خالد بن ربیعہ رض " ایاس بن ربیعہ رض " عامر بن ربیعہ رض " خولی بن ابی خولی رض " مہجع بن صالح غلام عمر بن خطاب رض
بنو سہم	حضرت خنیس بن حذافہ رض " عبداللہ بن حذافہ رض " ہشام بن عاص رض " ابو قیس بن حارث رض " عبداللہ بن حارث رض

بنو سہم	حضرت سائب بن حارث رض " حجاج بن حارث رض " تمیم بن حارث رض " سعید بن حارث رض " سعید بن عمرو رض
بنی جمح بن عمرو	حضرت عثمان بن مظعون رض " عبداللہ بن مظعون رض " قدامہ بن مظعون رض " سائب بن عثمان رض " معمر بن حارث رض " خطاب بن حارث رض " سفیان بن معمر رض " خالد بن سفیان رض " جنادہ بن سفیان رض " نبیہہ بن عثمان رض
بنو عامر بن لوئی	حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رض " عبداللہ بن مخرمہ رض " حاطب بن عمرو رض " عبداللہ بن سہیل رض

بنو عامر بن لوئی	حضرت عمیر بن عوف رضؓ " وہب بن سعد رضؓ " سلیط بن عمرو رضؓ " سکران بن عمرو رضؓ " مالک بن زمعہ رضؓ
بنو فہر بن مالک	حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ " سہیل بن بیضاء رضؓ " معمر بن ابی سرح رضؓ " عیاض بن زہیر رضؓ " عمرو بن حارث رضؓ " عثمان بن عبد غنم رضؓ
بنو اسد بن عبد العزیٰ	حضرت سعید بن عبد قیس رضؓ " خالد بن حزام رضؓ " اسود بن نوفل رضؓ " عمرو بن امیہ رضؓ " یزید بن زمعہ رضؓ
بنو عبد دار بن قصی	حضرت ابو الروم بن عمیر رضؓ " فراس بن نضر رضؓ " جہم بن قیس رضؓ

بنوعد بن قصی کے حلیف	حضرت ابوفکیہہ رضؓ
بنی سعد کے حلیف	حضرت محمیہ بن جز رضؓ
قبیلۂ دوس	حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسی رضؓ " طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہ رضؓ

قبیلۂ دوس کی خواہش جب کہ مکہ مین چارون طرف مشرکین کی یورش اور دشمنانِ اسلام کا نرغہ تھا، اس وقت بھی اطرافِ مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑچکا تھا ذات نبویؐ کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے، چنانچہ قبیلۂ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا، اس کے سردار طفیل بن عمرؓو نے خواہش کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہان ہجرت کر آئین، لیکن آپ نے انکار کردیا[۱]، اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی[۲] لیکن آپ بغیر حکم الٰہی کے مجبور تھے،

مدینہ کا خواب بالآخر جس چیز کا انتظار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم رویا مین اس کا مشاہدہ کرادیا گیا، اور آپ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجورون والی زمین مین ہجرت کر رہے ہین، اس سے آپ یمامہ یا ہجر سمجھے لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی[۳]،

اہل مدینہ کا قبولِ اسلام اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موسم مین حجاج مین تبلیغ اسلام فرماتے تھے، اس سلسلہ مین آپ کو چند خزرجی اشخاص ملے آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کا آئینۂ قلب اس کے پہلی ہی عکس مین توحید کے پرتو سے چمک اٹھا، البتہ ان کی تعداد اور اولیت مین اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوے اور وہ کون کون لوگ تھے، ان کی تعداد باختلاف روایت ۲، ۶، اور ۸ ہے لیکن ۶ کی روایت مرجح ہے، اور اس صورت مین واقعہ کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موسم حج مین بنونجار کے کچھ آدمی ملے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو، انھون نے اثبات مین

---

[۱] مسلم جلد ۱، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لایکفر [۲] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۳، [۳] بخاری جلد ۱ ص ۵۵۱،

جواب دیا، آپ نے اسلام پیش کیا، اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، اور وہ لوگ مشرف باسلام ہو گئے، ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں[۱]،

حضرت اسعد بن زرارہ رضؓ — حضرت عوف بن حارث رضؓ

حضرت رافع بن مالک رضؓ — حضرت قطبہ بن عامر رضؓ

حضرت عقبہ بن عامر رضؓ — حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ

انصارؓ کی پہلی بیعت

دوسرے سال موسم حج میں خزرج کے بارہ آدمی آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دستِ مبارک پر بیعت کی، یہ بیعتِ جہاد نہ تھی، بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا، یعنی شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد اور بہتان سے احتراز، اور امر بالمعروف میں اطاعت، یہ لوگ جب بیعت کر کے واپس جانے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا، یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے[۲]،

انصارؓ کی دوسری بیعت

تیسری مرتبہ خزرجی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے، اور ان سبھوں نے بیعت کی، مگر یہ بیعت آسان نہ تھی، اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنانِ اسلام کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنے اہل وعیال کی طرح کریں گے[۳]،

عام ہجرت

انصارؓ کی بیعت، اور اذنِ ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ اور عامر بن ربیعہؓ نے ابتدا کی[۴] اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں[۵]،

۱؎ ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۱ ۲؎ سیرۃ ابن ہشام جلد۱ ص ۲۳۳ ۳؎ ایضاً ص ۲۴۳ ۴؎ سیرۃ ابن ہشام جلد۱ ص ۲۵۶ ۵؎ ناموں کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام جلد۱ ص ۲۵۴ تا ۲۶۳ سے لی گئی ہے،

عبداللہ بن جحش رض
ابو احمد بن جحش رض
عکاشہ بن محصن رض
شجاع بن وہب رض
عقبہ بن وہب رض
اربد بن حمیرہ رض
منقذ بن نباتہ رض
یزید بن رقیش رض
سعید بن رقیش رض
محرز بن نضلہ رض
قیس بن جابر رض
عمرو بن محصن رض
مالک بن عمرو رض
صفوان بن عمرو رض
ثقیف بن عمرو رض
ربیعہ بن اکثم رض
زبیر بن عبیدہ رض
تمام بن عبیدہ رض
سنجرہ بن عبیدہ رض

محمد بن عبداللہ بن جحش رض
عمر بن خطاب رض
عیاش بن ابی ربیعہ رض
زید بن خطاب رض
عمرو بن سراقہ رض
عبداللہ بن سراقہ رض
خنیس بن حذافہ رض
سعید بن زید رض
عمرو بن نفیل رض
واقد بن عبداللہ رض
خولی بن ابی خولی رض
مالک بن ابی خولی رض
ایاس بن بکیر رض
عامر بن بکیر رض
عاقل بن بکیر رض
خالد بن بکیر رض
طلحہ بن عبیداللہ رض
صہیب بن سنان رض
حمزہ بن مطلب رض

زید بن حارثہ رض
کنانہ بن حصین رض
آنسہ رض
ابوکبشہ رض
عبیدہ بن حارث رض
طفیل بن حارث رض
حصین بن حارث رض
مسطح بن اثاثہ رض
سویبط بن سعد رض
طلیب بن عمیر رض
خباب مولیٰ عتبہ بن
غزوان رض
زبیر بن عوام رض
ابوسبرہ رض
مصعب بن عمیر رض
ابوحذیفہ رض
سالم مولیٰ ابوحذیفہ رض
عتبہ بن غزوان رض
عثمان بن عفان رض

مستورات	جذامہ بنت جندل رضؓ	سنجرہ بنت تمیم رضؓ
	ام قیس بنت محصن رضؓ	حمنہ بنت حجش رضؓ
زینب بنت حجش رضؓ	ام حبیب بنت ثمامہ رضؓ	ام سلمہ رضؓ
ام حبیب بنت حجش رضؓ	آمنہ بنت رقیش رضؓ	

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا اور اس کے کیا اسباب تھے

مدینہ آنیکے بعد مسلمانون کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہوگئی تھی، تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہین کیا گیا، اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے، اوّل یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجۂ ظلم مین اسیر تھے، جب جب ان کی گلو خلاصی ہوتی گئی، مدینہ آتے گئے، دوسری یہ کہ ان مسلمانون کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لئے ضروری انتظامات کر سکین تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام مین اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستارون کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکے، جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے، اور ان کا سب سے بڑا قلعہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانون کے قبضہ مین نہ آجائے، اس لئے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا، جب تک خانۂ کعبہ پر توحید کا علم نصب نہ ہوگیا، اور ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتحِ مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے، چنانچہ غزوۂ خیبر کے قبل تک جو فتحِ مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا قابلِ ذکر اشخاص مین حضرت سعد بن عامر بن خدیمؓ، حجاج بن علاط اور عوف بن مالک اشجعیؓ آئے، پھر عین غزوۂ خیبر کے موقعہ پر مہاجرین حبش کا پورا قافلہ مدینہ آگیا، ان سب کے نام اوپر لکھے جا چکے ہین، پھر فتحِ مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانون کی کافی تعداد آئی جن مین ذیل کے اشخاص قابلِ ذکر ہین، حضرت عمرو بن عاصؓ، خالد بن ولیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، سلمہ بن اکوعؓ ابو ہریرہ دوسیؓ، عبد اللہ بن ابی اوفیؓ، ربیعہ بن کعب اسلمیؓ، سلیمان بن صردؓ، اور یہ سلسلہ فتحِ مکہ تک قائم

رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ

لاھجرۃ بعد الفتح الا جھاد و نیۃ[1] فتح مکہ کے بعد ہجرت نہین اب صرف جہاد اور نیت

کا ثواب ہے،

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب مین امن و امان حاصل ہو گیا تھا اور مسلمانون کی حفاظت کے لئے کسی خاص دار الامان کی ضرورت نہین تھی،

مہاجرینؓ کے فضائل ومناقب

کلام اللہ اور مہاجرین انسان کے لئے تھوڑے عرصہ تک مصائب برداشت کر لینا زیادہ دشوار نہین ہے کچھ دنون کے لئے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتین بھی برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے، مگر جیتے جی ہمیشہ کے لئے خویش و اقارب، اہل وعیال اور مال ودولت سب چھوڑ کر جلاوطنی کی مصیبت نہین سہ سکتا، مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا ایثار، سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کیلئے اپنے وطن، اپنے اہل وعیال اور اپنے مال وجائداد سب کو چھوڑ کر بے خانمان ہوئے، یہ وہ جذبۂ فدویت ہے جس کی مثال مذاہبِ عالم کے تاریخی صفحون مین نہین مل سکتی، جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے، تو ان کے جیب و دامن مال ودولت کے زخارف سے خالی تھے، کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا، نہ کپڑا تھا، نہ غلہ تھا، غرض وہ ہر قسم کی مادی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن ان کے دل ایمان، خدا اور رسول کی محبت، اور ولولۂ مذہب کی دولت سے معمور تھے، اور اس نے ان کو تمام مزخرفات دنیوی سے بے نیاز کر دیا تھا،

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب وجوب النفیر وما یجب من الجہاد،

خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک مین خود بیان فرمائے ہین، چنانچہ سورۂ حشر مین مہاجرین رضا کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہین،

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (حشر ع ۱)

(مالِ غنیمت مین) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائداد و دولت سے محروم کر دیئے گیے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہین، اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہین، یہ ہین راست باز لوگ،

ان کے اقوال و افعال یہ تھے،

الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ الَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ

(حج ع ۶)

وہ لوگ اپنے گھرون سے ناحق اس جرم مین نکالے گئے کہ وہ کہتے ہین کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگون کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا دیتا تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدین جنمین کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے گرا دیئے جا چکے ہوتے، اور جو اللہ کی مدد کریگا، اللہ ضرور اسکی مدد کریگا، بیشک اللہ قوت والا اور غالب ہے، یہ لوگ (مہاجرین) اگر ہم انکو حکومت دیکر زمین پر قادر کر دین تو یہ نماز پڑھین گے زکوٰۃ دین گے اور لوگون کو اچھے کام کیلئے کہین گے اور برے کامون سے منع کرین گے اور انجام خدا ہی کیلئے ہے،

ان کی قربانیون کے صلہ مین دنیا اور آخرت کی سب سے گرانبہا نعمت ان کو حاصل تھی، یعنی رضائے الٰہی اور اس کی رحمت درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ خدا کے نزدیک سب سے بلند تر تھے،

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی، اور جان ومال سے اللہ کے راستہ مین جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہین، اور یہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہین، ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغون کی خوشخبری دیتا ہے جن مین ان کو دائمی آسایش ہے اور یہ لوگ ان مین ہمیشہ ہمیشہ رہین گے،
(توبہ ع ۳)	

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ مین لٹاتے ہین،

ایک دوسری آیت مین نہ صرف مہاجرین کے لئے بلکہ مہاجرین کے نقشِ قدم پر چلنے والون کے لئے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے،

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ	اور مہاجرین وانصار مین سے جن لوگون نے اسلام مین سبقت کی اور وہ لوگ جنھون نے خلوصِ قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہین، اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہین، جن کے نیچے نہرین روان ہین، ان مین وہ ہمیشہ ہمیشہ رہین گے یہ بڑی کامیابی ہے،
(توبہ ع ۱۳)	

ایمان والون کی شان یہ ہے، کہ وہ رحمتِ الٰہی سے نا امید نہین ہوتے، اس لئے مہاجرین ہمیشہ اسکی رحمت کے امیدوار رہتے تھے،

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور راہِ خدا مین

اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
(بقرہ ع ۲۷)

جہاد کیا یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہین، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

خدا ان کی اس امید رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہون سے درگذر کرے گا، اور ان کی خطائین ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دے گا،

فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ
(آل عمران ع ۲۰)

پس جن لوگون نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے، اور میرے راستے مین تکلیفین پہنچائے گئے، اور لڑے اور مارے گئے، ہم ان کی برائیون کو مٹا دین گے اور ان کو ایسے باغون مین داخل کرین گے جن کے نیچے نہرین رواں ہون گی،

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ مین ان کو دنیا مین بھی بلند مرتبہ کرے گا، اور آخرت مین بھی سرفراز فرمائے گا،

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۙ
(نحل ع ۶)

اور جن مسلمانون نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا مین ضرور اچھی جگہ بٹھائین گے اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے، کاش وہ لوگ جانتے،

مہاجرین نے راہ خدا مین تمام شدائد اٹھائے جلاوطن ہوئے، ہر طرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفین برداشت کین مگر ابرو پر شکن تک نہ آئی، اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، خدا نے ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا،

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰھَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ

پھر خدا ان لوگون کے لئے جنھون نے مصیبت مین مبتلا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑا، اور جہاد کیا، اور ان کی

مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تکلیفون پر) صبر کیا، بشیک تمھارا خدا (ان امتحانون کے

(نحل ع ۱۴) بعد) بخشنے والا مہربان ہے،

سورۂ حج مین ایک موقع پر اپنے انعام واکرام کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے،

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا جن لوگون نے خدا کی راہ مین ہجرت کی پھر شہید ہوگئے

اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَاِنَّ یا مرگئے، ان کو ضرور خدا اچھا رزق دے گا، بشیک خدا

اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ہ لَيُدْخِلَنَّهُمْ ہی روزی دینے والون مین بہتر روزی دینے والا ہے،

مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ، وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ

(حج ع ۸) خوش ہو جائین گے،

تنگدستی وعسرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریان منقطع ہو جاتی ہین اور احباب کنارہ کش ہو جاتے

ہین، مہاجرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض مین ان پر اپنا یہ فضل کیا،

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین وانصار پر

الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ اپنا فضل وکرم کیا، جنھون نے عسرت کی گھڑیون مین نبی کا

الْعُسْرَةِ (توبہ ع ۱۴) ساتھ دیا،

خدا نے صرف اپنے فضل وکرم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ صاحبِ مقدور مسلمانون کو ان کے ساتھ حسنِ سلوک

اور ان کی خطاؤن سے درگذر کرنے کی ہدایت فرمائی، اور اس کو موجبِ مغفرت قرار دیا،

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ تمھارے صاحب فضل اور صاحبِ مقدور لوگ قرابت

اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ والون اور محتاجون اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی مالی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھائین، بلکہ چاہیئے کہ ان کی خطائین

تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ معاف کردین، اور ان سے درگذر کرین، کیا تم نہین

ترجمہ: چاہتے کہ خدا تمھاری مغفرت کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

(نور ع ۳)

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین مین امتیاز ہوتا ہے بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہین،

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (نساء ع ۱۱)

جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ مین ہجرت نہ کر جائین، اسوقت تک ان مین سے کسی کو دوست نہ بناؤ،

مسلمانون مین صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہین، جنھون نے راہ خدا مین گھر چھوڑے، اور اس کے راستہ مین جانی و مالی جہاد کیا، یا جنھون نے مہاجرین کی امداد کی،

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (انفال ع ۱۰)

جو لوگ ایمان لائے، اور انھون نے ہجرت کی، اور راہ خدا مین اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور جن لوگون نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی، اور ان کی مدد کی، یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہین،

وراثت کے لئے تنہا ایمان کافی نہین، بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے، ورنہ وارث مورث کی وراثت نہین پا سکتا،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا، (انفال ع ۱۰)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہین کی، تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہین، جب تک وہ ہجرت نہ کر جائین،

ایمان کی پختگی کا دارومدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھون نے ہجرت کی،

فی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ (انفال ع ۱۰)

اور خدا کے راستہ مین جہاد کیا، اور جن لوگون نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ پکے ایمان والے ہین، اور ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے،

احادیث نبوی — قرآن کے علاوہ احادیث مین بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقعہ پر مہاجرین کی فضیلت اس پیرایہ مین ظاہر کرتے ہین

ولا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار[1]

اگر ہجرت نہ ہوتی تو مین بھی انصار کا ایک فرد ہوتا،

ہجرت حفاظتِ دین کی خاطر کی جاتی تھی،

فقالت لا ھجرۃ الیوم کان المومنون یفر احدھم بدینه الی اللہ ورسوله[2]

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا، یہ مومنین کے لئے اس وقت تھی جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لئے خدا اور اس کے رسول کی طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے،

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے، اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہین، جو اپنے ایمان واعتقاد مین نہایت سخت ہون،

جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسأله عن الھجرۃ فقال ویحك ان الھجرۃ شانھا شدید[3]

ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ہجرت کے بارہ مین سوال کیا، آپ نے فرمایا، تجھ پر افسوس ہے، ہجرت بہت ہی سخت ہے،

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے،

عن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

[1] بخاری باب بنیان الکعبۃ باب ہجرت النبی [2] ایضاً [3] بخاری جلد ۱ ص ۵۵۳

يقول الاعمال بالنية فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امرأة يتزوجها فهجرته الى ماهاجر اليه ومن كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله[1]

ہوئے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، پس جس کی نیت ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی، تو یہ ان ہی چیزوں کے لئے ہوگی، اور جو ہجرت اللہ و رسول کے لئے ہوگی، اس کا اللہ و رسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا،

اور صحابۂ کرامؓ کی ہجرت جاہ و دولت کے لئے نہ تھی، بلکہ جس چیز کے لئے تھی، اس کو خود حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں،

كنا هاجرنا مع رسول الله صلعم نبتغي وجه الله فوجب اجرنا على الله[2]

ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ خالصۃً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، اس لئے ہم اجر کے مستحق ہوگئے،

چونکہ مہاجرینؓ اپنے وطن کو خالصۃً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے، اس لئے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے اور وہاں آکر بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہوئی، تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی میں انتقال نہ ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہیں،

عن سعد بن ابی وقاص قال جاءني النبي صلى الله عليه وسلم يعودني وانا بمكة وهو يكره ان يموت بالارض التي هاجر منها[3]

حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو مکہ تشریف لائے، اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے، جہاں سے ہجرت کی گئی ہو،

اسی حدیث میں اس موقع پر ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سعدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بخاری جلد ۱، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ [2] ایضاً [3] بخاری جلد اول ص ۳۸۲،

سے دعاے صحت کی درخواست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے،

قال مرضت فعادنی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ادع اللہ ان لا یردنی علی عقبی[۱]

حضرت سعدؓ فرماتے ہین کہ مین بیمار ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے مین نے درخواست کی کہ حضورؐ میرے لئے دعا فرمائین کہ خدا مجھ کو الٹے پاؤن نہ لوٹائے،

اس درخواست پر آپنے یہ دعا فرمائی،

اللھم امض اصحابی ھجرتھم ولا یردھم علی اعقابھم[۲]

خدایا میرے اصحاب کی ہجرت پوری کردے، اور ان کو الٹے پاؤن نہ لوٹا،

اکابر اصحابؓ ہجرت کو اپنے لئے سرمایۂ فخر سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ فخریہ فرماتے تھے، کہ "ہاجرت الھجرتین والیتین[۳]"،

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانون سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تابان ہون گے،

عن ابن عمر قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً حین طلعت الشمس فقال سیاتی ناس من امتی یوم القیمۃ نورھم کضوء الشمس قلنا من اولئک یا رسول اللہ فقال فقراء المھاجرین تتقی بھم المکارہ یموت احدھم وحاجتہ فی صدرہ یحشرون من اقطار الارض[۴]

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہین کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپنے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ ایسے اُٹھین گے کہ جن کا نور ضیاے شمس کے مماثل ہوگا، ہم لوگون نے کہا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہون گے فرمایا فقراء مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتون کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتین اور تمنائین سینون مین لئے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہین، یہ لوگ مختلف اقطاع عالم سے اٹھائے جائین گے،

[۱] بخاری جلد اول ص ۳۸۳ [۲] بخاری باب ہجرۃ الحبشہ [۳] ایضاً [۴] کنز العمال جلد ۷ ص ۱۴۳

مہاجرین کے لئے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتعلم اول زمرۃ تدخل الجنۃ من امتی فقراء المہاجرین یاتون یوم القیمۃ الی باب الجنۃ ویستفتحون فیقول لہم خزنۃ اوقد حوسبتم قالوا بای شئی نحاسب وانما کانت اسیافنا علی عواتقنا فی سبیل اللہ حتی متنا علی ذالک فیفتح لہم فیقیلون فیہا اربعین عاما قبل ان یدخلہا الناس[1] (مسند ابن عمر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگون کو جانتے ہو، جو سب سے پہلے جنت مین داخل ہوگا، وہ فقراء مہاجرین ہون گے، قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پہ آکر باب جنت کھلوانا چاہین گے، دربان سوال کرین گے کہ کیا تمہارا حساب ختم ہوچکا، وہ لوگ جواب دین گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ مین ہماری تلوارین ہمارے زیب دوش رہین، اور اسی آن کے ساتھ جان دی، اس کے بعد جنت کے دروازے کھولدیئے جائین گے اور عام لوگون کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس مین آرام کرین گے،

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت مین بھی اسلام کی خدمت سے پہلو تہی نہ کرتے تھے فاقہ پر فاقہ ہوتے مگر ان کی جانفروشیون مین فرق نہ آتا، غزوہ خندق کے موقعہ پر علی الصباح کڑکڑاتے جاڑون مین خالی پیٹ خندق کھودتے تھے چنانچہ اسی موقعہ پر ایک دن صبح سویرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو یہ منظر دیکھا،

قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الخندق فاذا المہاجرون والانصار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار سردی کی صبح مین خندق کھود رہے

[1] کنز العمال جلد ۷، ص ۱۳۳،

یحفرون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لھم عبید — ہیں اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہیں کہ اس کام کو

یعملون ذالک لھم فلما رای ما بھم من النصب — کرے، اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر،

والجوع

یہ دعا فرمائی،

اللھم ان العیش عیش الآخرۃ فاغفر — خدایا اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار

الانصار والمھاجرۃ[1] — کی مغفرت فرما،

ان فضائل کے علاوہ مہاجرین کی ایک نمایاں فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک و صاف تھا، اس لئے منافق وہ لوگ تھے جو در پردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے، یا وہ تھے جو مال و دولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے، اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام ان تینوں چیزوں کی آمیزش سے پاک تھا، اس لئے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت میں تھا، نہ اس کے پاس مال و زر تھا، نہ قوت و حکومت تھی بلکہ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ میں پڑ گیا تھا، اس لئے ان کا اسلام خالصۃً للہ تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ سالہ زندگی میں مسلمان تعداد اور قوت دونوں حیثیتوں سے کفار کے مقابلہ میں ضعیف تھے، اس لئے وہ مسلمانوں کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے، اس لئے ان کی دوستی اور دشمنی دونوں کھلی ہوئی تھیں،

اس کے برعکس مدینہ میں انصار رض کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے اور کچھ لوگوں نے مال و زر کی طمع میں اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگوں کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا وہ در پردہ تو ان کے مخالف تھے، مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق،

مین کافی طاقت آچکی تھی، خود انصار ان کے پشت پناہ تھے چنانچہ عبد اللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگون مین تھے اس لئے مکی سورتون مین کہین نفاق ومنافقت کا تذکرہ نہین ہے اور مدنی سورتون مین اس کا بکثرت ذکر آتا ہے، نسآء، توبہ، انفال، احزاب، حدید اور فتح مدنی سورتین ہین اور ان سب مین مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورہ منافقون مخصوص طور پر ان کی پردہ دری مین نازل ہوئی ہے، سورہ توبہ مین بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے،

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ،

(توبہ ع ۱۲)

دیہاتی بدو کفر اور نفاق مین بہت سخت ہین، اور یہ اسی لائق ہین کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے، اس کے احکام کو نہ جانین اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، دیہاتیون مین کچھ ایسے بھی ہین کہ جو کچھ خدا کی راہ مین صرف کرتے ہین اسکو تاوان سمجھتے ہین اور تم مسلمانون پر گردش زمانہ کو منتظر ہین سو ان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے،

خداوند تعالیٰ نے دوسری موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کردی ہے،

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ،

(توبہ ع ۱۳)

اور مسلمانو! تمھارے آس پاس کے دیہاتیون مین منافق ہین اور خود مدینہ والون مین جو نفاق پر اڑے ہوئے ہین، ان کو تم نہین جانتے ہم ان کو جانتے ہین عنقریب ہم انکو دوہرا عذاب دین گے پھر بڑے عذاب کیطرف لوٹائے جائین گے،

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ مین مہاجرینؓ کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے کہ

"احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کہتے ہین کہ مہاجرینؓ مین کوئی منافق نہ تھا، بلکہ نفاق، انصار کے

قبیلون مین ظاہر ہوا جب مدینہ مین اسلام کا غلبہ ہوا اور اس مین اوس و خزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانون کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہوگئے تو مدینہ کے باشندے اسلام مین داخل ہوگئے اور اس کے قرب و جوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کیلئے اسلام لائے، یہ لوگ منافق تھے جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ، اسی لئے نفاق کا ذکر مدنی سورتون مین ہے، مکی سورتون مین نہین ہے، کیونکہ جو لوگ ہجرت کے قبل مکہ مین اسلام لائے تھے، ان مین کوئی منافق نہ تھا اور جن لوگون نے ہجرت کی ان مین بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل و عیال اور ان کے مال و دولت سے زیادہ محبوب تھا،[1]

شاہ معین الدین احمد ندوی ۱۰ ؍ جولائی ۱۹۶۸ء
دار المصنفین اعظم گڈھ

---

[1] منہاج السنہ جلد ۴ ص ۱۲۸،

حضرت زبیرؓ بن العوام

نام، نسب، خاندان | زبیر نام، ابو عبد اللہ کنیت، حواری رسول اللہؐ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی الاسدی، حضرت زبیرؓ کا سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ سرور کائنات کی پھوپھی تھیں، اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بھتیجے تھے، اور حضرت صدیقؓ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساڑھو بھی تھے، اور اس طرح ذات نبوی کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں،

حضرت زبیرؓ ہجرت نبوی سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ابتدا ہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہو کر ایک عالی حوصلہ، بہادر، اولو العزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عموماً انھیں مار مار پیٹا کرتیں، اور سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کا عادی بناتی تھیں، ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہؓ پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالو گی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہ کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہؓ نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا،[۱]

من قال انی ابغضه فقد کذب ۔۔۔ انما اضربه لکی یلب

---

[۱] ابن سعد اصابہ تذکرۂ زبیرؓ،

جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں، اس نے جھوٹ کہا، میں اس کو اس لئے مارتی ہوں کہ عقل مند ہو،

ویھزم الجیش ویاتی بالسلب الخ

اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے

اس تربیت کا یہ اثر تھا کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انھوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، لوگ اسے لاد کر شکایۃً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے، تو انھوں نے معذرت وعفو خواہی کے بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیر کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل[1]،

اسلام | حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے کہ نورِ ایمان نے ان کے خانۂ دل کو منور کر دیا[2]، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقینِ اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں،

حضرت زبیرؓ اگرچہ کمسن تھے لیکن استقامت اور جان نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے، قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا، کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سنکر جذبۂ جان نثاری سے اس قدر بیخود ہوئے کہ اسی وقت ننگی تلوار کھینچکر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانۂ اقدس پر حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا، زبیر! یہ کیا ہے؟ عرض کی "مجھے معلوم ہوا تھا کہ خدانخواستہ حضور گرفتار کر لئے گئے ہیں[3]، سرور کائنات نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی، اہلِ سیر کا بیان ہے کہ یہ پہلی تلوار تھی، جو راہ فدویت وجان نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی،

ہجرت | عام بلاکشانِ اسلام کی طرح حضرت زبیرؓ مشرکینِ مکہ کے پنجۂ ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے، ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا، جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم

[1] اصابہ جلد ۲ تذکرہ زبیرؓ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۵۹ [3] اسد الغابہ تذکرۂ زبیر بن العوام رضؓ

ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہان تک کہ چٹائی مین لپیٹ کر باندھ دیتا، اور اس قدر دھونی دیتا، کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے "کچھ کرو، اب مین کافر نہین ہوسکتا"[1]

غرض مظالم وشدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنون کے بعد وہان سے واپس آئے تو خود سرور کائنات ؐ نے مدینہ کا قصد کیا، اس لئے انھون نے بھی یثرب کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا،

مواخات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مین حضرت طلحہ رض کو حضرت زبیر رض کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا، لیکن جب مدینہ پہونچنے کے بعد انصار ومہاجرین مین تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاری رض سے رشتۂ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعتِ عقبہ مین شریک تھے،

غزوات غزوات مین ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا، حضرت زبیر رض نے اس معرکہ مین نہایت جانبازی ودلیری کے ساتھ حصہ لیا، جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفین تہ وبالا کر دیتے تھے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی، حضرت زبیر رض بڑھکر اس سے لپٹ گئے، اور دونون قلابازیان کھاتے ہوئے نیچے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونون مین جو سب سے پہلے زمین پر رکے گا، وہ مقتول ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیر رض کے ہاتھ سے واصلِ جہنم ہوا،[2] اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا، جو سر سے پاؤن تک زرہ پہنے ہوئے تھا، صرف دونون آنکھین کھلی ہوئی تھین، حضرت زبیر رض نے تاک کر اس زور سے آنکھ مین نیزہ مارا، کہ اس پار نکل گیا، اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ کو نکالا، پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار حضرت زبیر رض سے اسی نیزہ کو لے لیا، اس کے بعد پھر خلفا مین تبرکاً منتقل ہوتا رہا، یہان تک خلیفۂ ثالث رض کے بعد حضرت

[1] اصابہ جلد ۲ تذکرہ زبیر رض [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶،

زبیرؓ کے وارث حضرت عبداللہؓ کے پاس پہنچا، اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا،

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے، تمام جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لئے گڑھا پڑ گیا تھا، حضرت عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے،[1]

معرکۂ بدر میں حضرت زبیرؓ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اسی وضع میں آئے ہیں،[2] غرض مسلمانوں کی شجاعت و ثابت قدمی نے میدان مار لیا، حق غالب رہا، اور باطل کو شکست ہوئی،

غزوۂ احد

سنہ ۳ھ میں معرکۂ احد کا واقعہ ہوا، اثنائے جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا، کون اس کا حق ادا کریگا؟ تمام جاں نثاروں نے بیتابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیرؓ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہ انصاریؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا،[3]

جنگ احد میں جب تیر اندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہو گئی، اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیانِ دین کے پاؤں متزلزل ہو گئے، یہاں تک کہ شمع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہؓ پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جاں نثار حواری جاں نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا،[4]

غزوۂ خندق

سنہ ۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائنات نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیرؓ اس حصہ پر مامور تھے جہاں عورتیں تھیں،[5] بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن اسی عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کے لئے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا، "کون اس قوم کی خبر لائے گا؟" حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا "ہر نبی کے لئے حواری

---

[1] بخاری باب غزوۂ بدر [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶ [3] زرقانی جلد ۲ ص ۳۲ [4] ایضاً [5] مسند جلد ۱ ص ۱۶۴،

ہوتے ہیں، میرا حواری زبیر ہے[1]، اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اس طرح بے خطر تنہا آمد و رفت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداک ابی و امی یعنی میرے باپ ماں تم پر فدا ہوں[2]،

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کئے رہے لیکن پھر کچھ تو ارضی و سماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات و استقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے،

غزوۂ خیبر غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ بنو قریظہ اور بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے، پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضبناک ہو کر ھل من مبارز کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیرؓ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، وہ اس قدر تنومند اور قوی ہیکل تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا لختِ جگر آج شہید ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! زبیر اس کو مارے گا، چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر رد و بدل کے بعد وہ واصلِ جہنم ہوا[3]،

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتحِ مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریشِ مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی اور ایک جماعت اس عورت کی گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیرؓ بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا تو ابن ابی بلتعہؓ کا سر ندامت سے جھک گیا، رحمۃ للعالمین نے ان کی عذر خواہی پر جرم معاف فرما دیا، اور یہ آیت نازل ہوئی، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ، الآیہ[4] (ممتحنہ ع ۱)

فتحِ مکہ رمضان سنہ ۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خندق [2] مسند جلد ۱ ص ۱۶۴ و بخاری کتاب المناقب باب مناقبِ زبیرؓ [3] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۲ [4] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح،

و جلال کے ساتھ اس سرزمین مین داخل ہوئے جہان سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت مین نکلنے پر مجبور ہوے تھے، اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس مین خود سرورِ دو عالم موجود تھے، حضرت زبیرؓ اس کے علمبردار تھے،[1]

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مین داخل ہوئے اور ہر طرف سکون و اطمینان ہوگیا تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ اپنے گھوڑون پر بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ان کے چہرون سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا مین نے گھوڑے کیلئے دو حصے اور سوار کیلئے ایک حصہ مقرر کیا ہے جو ان حصون مین کمی کریگا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا،[2]

مختلف غزوات	فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوۂ حنین پیش آیا، کفار کمین گاہون مین چھپے ہوئے مسلمانون

کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیرؓ اس گھاٹی کے قریب پہونچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیون سے پکار کر کہا "لات و عزی کی قسم یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر ہے، تیار ہو جاؤ، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے" یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی اور تیز دستی کے ساتھ اس آفتِ ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے بالکل صاف ہوگئی،

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی مین شریک ہوے، پھر سنہ۱۰ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد کیا، حضرت زبیرؓ اس سفر مین بھی ہمرکاب تھے،

حج سے واپس آنے کے بعد سرورِ کائنات ؐ نے وفات پائی، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، بعض روایات کے مطابق حضرت زبیرؓ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت مین پس و پیش تھا، تاہم وہ زیادہ دنون تک اس پر قائم نہین رہے،

[1] بخاری باب غزوۃ الفتح [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷۳،

جنگِ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ

سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اوّل بھی رہ گزینِ عالمِ جاودانی ہوئے اور فاروق اعظمؓ نے مسندِ حکومت پر قدم رکھا، خلیفۂ اوّل کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا حضرت عمرؓ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیرؓ کا دل گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا، تاہم ایک مردِ میدان و جانباز بہادر کے لئے اس جوش و ولولہ کے وقت عزلت نشین رہنا سخت ننگ تھا خلیفۂ وقت سے اجازت لیکر شامی رزم گاہ میں شریک ہوئے، اس وقت یرموک کے میدان میں ملکِ شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں حضرت زبیرؓ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اس پار سے اس پار نکل گئے، اور کوئی رفاقت نہ کر سکا، پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور نرغہ کر کے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے، عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڈھا تھا جس میں بچپن میں ہم ...... انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے،[1]

غرض ان ہی حیرت انگیز جانبازیوں کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور فرزندانِ توحید تمام ملکِ شام کے وارث بنگئے،

فسطاط کی فتح

فتحِ شام کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا، انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی مضبوطی نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربارِ خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے، افسروں میں حضرت زبیرؓ بھی تھے، ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے، انہوں نے گھوڑے

---

[1] بخاری کتاب المغازی،

پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے، اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کئے، اس پر پورے سات مہینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیرؓ نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج میں مسلمانوں پہ فدا ہوتا ہوں، یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی، مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دیدی گئی،[1]

اسکندریہ کی تسخیر فسطاط فتح کر کے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کئے پڑی رہی لیکن جس قدر زیادہ دن گذرتے جاتے تھے، اسی قدر دربار خلافت سے اس کے جلد فتح کر لینے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاصؓ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کر لیا اور حضرت زبیرؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا،

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ مصر کامل طور پر مسخر ہو گیا تو حضرت زبیرؓ نے عمرو بن العاصؓ سپہ سالار فوج سے آراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا، اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کر دینا چاہئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا خدا کی قسم میں امیر المومنینؓ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہئے تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے مستفید ہوتی رہیں، حضرت زبیرؓ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے،[2]

لہ فتوح البلدان ص ۲۲۰ ۔ ۲ہ مسند ابن حنبلؒ جلد ۱ ص ۱۶۶

سنہ ۲۳ھ مین خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفرِ آخرت کی تیاری کی تو عہدۂ خلافت کے لئے چھ آدمیون کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے، ان چھ بزرگون مین ایک حضرت زبیرؓ بھی تھے لیکن تین دن کی مسلسل گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد مجلسِ شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اس مسندِ گرامی پر بٹھا دیا، حضرت زبیرؓ نے بھی بے چون و چرا اس انتخاب کو تسلیم کر کے بیعت کرلی۔[1]

خلیفۂ ثالثؓ کے عہد مین حضرت زبیرؓ نے نہایت سکون و خاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کے ملکی مہم مین شریک نہین ہوئے، درحقیقت عمر بھی اس حد سے متجاوز ہو چکی تھی لیکن سنہ ۳۵ھ مین مصری مفسدون نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کیا تو انھون نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو امیر المومنین کی مساعدت و حفاظت پر مامور کر دیا،

غرض اٹھارھوین ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے، حضرت زبیرؓ نے حسبِ وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نمازِ جنازہ ادا کی اور مضافاتِ مدینہ مین حشِ کوکب نامی ایک مقام مین سپردِ خاک کیا،

خلیفۂ وقت کے قتل سے تمام مدینہ مین مفسدین کا رعب طاری ہو گیا، ہر شخص دم بخود تھا، حضرت عثمانؓ کے طرفدار اور تمام بنو امیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے، چونکہ مصری حضرت علیؓ کے طرفدار تھے اس لئے انھون نے ان کو خلافت کا بارِ گران اٹھانے پر مجبور کیا اور مسجدِ نبویؐ مین لوگون کو بیعت کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ گو برابر کے دعویدار تھے، تاہم مصریون کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کرلی۔[2]

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ مین امن و امان قائم نہ ہو سکا، سبائی فرقہ جو اس انقلاب کا بانی

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ [2] تاریخ طبری ص ۳۰۷۰

تھا، اور فتنہ و فساد کے نئے نئے کرشمے دکھاتا رہتا تھا، جاہل بدوی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعوں پر شریک ہو جاتے ہیں، سبائیوں کے ساتھ ہو گئے، حضرت علی رضؓ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائیں، اور بدویوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے، لیکن سبائیوں کے ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی،[1]

حضرت زبیر رضؓ جو اساطین امت میں تھے کب تک خاموشی کے ساتھ اس شورش و ہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے، اصلاح حال اور رفع فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گذر گئے لیکن امن و سکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر حضرت طلحہ رضؓ کے ساتھ حضرت علی رضؓ کے پاس آئے، اور اصلاح و اقامت حدود کا مطالبہ کیا، انھوں نے جواب دیا "بھائی! میں اس سے غافل نہیں لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس پر میرا کچھ اختیار نہیں، بلکہ وہ خود مجھ پر حکمران ہے"[2] غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونوں خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کیلئے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے،

ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور اب تک مدینہ کی شورشوں کا حال سنکر یہیں مقیم تھیں، حضرت طلحہ و زبیر رضؓ سب سے پہلے ام المومنین رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لفظوں میں مدینہ کی بدامنی کا نقشہ کھینچا،

انا تحملنا بقینا ھرابا من المدینۃ من غوغاء	ہم اعراب کے شور و شر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے
اعراب وفارقنا قوما حیاری لایعرفون	ہیں اور ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو
حقا ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون	پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے، اور نہ اپنی
انفسھم،[3]	جانوں کی حفاظت کرتی ہے،

ام المومنین رضؓ نے فرمایا "تو پھر کوئی رائے قائم کرکے اس شورش کو فرد کرنا چاہئے" غرض تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع

[1] تاریخ طبری ص ۳۰۸۱ [2] ایضاً ص ۳۰۸۰، [3] ایضاً ص ۳۰۹۹

ہو گئے تھے جوشِ انتقام میں ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہاں سے اپنی قوت مضبوط کرکے مدینہ کا رخ کرے، راہ میں امویوں نے خلافت وامامت کی بحث چھیڑ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو لڑانا چاہا، لیکن ام المومنینؓ کی مداخلت سے معاملہ رفت وگذشت ہو گیا، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والیِ بصرہ نے مزاحمت کی لیکن وہاں داعیانِ اصلاح کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، وہ خود عثمانؓ کے ساتھیوں سے دست وگریباں ہو گئی، یہاں تک کہ کشت وخون کی نوبت پہنچ گئی، عثمان بن حنیف کا یہ بیان تھا کہ جب طلحہؓ وزبیرؓ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انہیں علمِ مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونوں کا یہ جواب تھا کہ ہم قہراً وجبراً شریکِ بیعت ہوئے تھے اور اگر فرض کرلو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبۂ اصلاح کی نفی نہیں ہوتی، غرض معاملہ زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لئے مدینہ روانہ کیا جائے، اگر ثابت ہو کہ طلحہؓ وزبیرؓ بیعت پر مجبور کئے گئے تھے تو عثمان بن حنیف مزاحمت سے باز آئیں گے ورنہ ان دونوں کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا، چنانچہ کعبؓ اس تحقیقات پر مامور ہوئے، انہوں نے جمعہ کے روز مسجد نبویؐ میں داخل ہو کر حاضرین سے بآنگ بلند سوال کیا،

یا اهل المدینة انی رسول اهل البصرة	اے اہلِ مدینہ! میں اہلِ بصرہ کا قاصد بنکر آیا ہوں کیا وہ قبیلے
الیکما اکرہ هؤلاء القوم هذین الرجلین	اس قوم نے ان دونوں کو علیؓ کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا
علی بیعة علی اماتیاها طائعین،	وہ خوشی سے اس پر تیار ہوئے تھے؟

مجمع میں تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن اسامہ بن زیدؓ سے نہ رہا گیا، بول اٹھے "خدا کی قسم ان دونوں نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی" اس سے ایک ہلچل پڑ گئی، تمامؓ اور سہل بن حنیف اسامہؓ سے الجھ پڑے، صہیب بن سنانؓ، ابو ایوبؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہؓ کو مار ڈالیں گے تو سب نے یک زبان ہو کر کہا، "ہاں خدا کی قسم اسامہؓ نے سچ کہا" غرض اس طرح اسامہؓ کی جان بچ گئی، اور کعبؓ بصرہ

واپس آئے، دوسری طرف حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، انھون نے عثمان بن حنیف کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہین کہ وہ مجبور کئے گئے اور اگر ان بھی تو قوم و ملک کی بہتری کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا، اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہین تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہین اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہوسکتا ہے، اس خط کے بعد عثمانؓ نے اپنی راے بدل دی، اور کعبؓ کی تحقیقات کے باوجود داعیانِ اصلاح کی مزاحمت پر اڑے رہے،

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو ایک روز عشاء کے وقت اپنے ساتھیون کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبد الرحمن بن عتابؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کردیا، عثمان بن حنیف نے اس کو اپنے حق مین مداخلت تصور کرکے ایرانی "زط" اور "سیابچہ" سپاہیون کو حملہ کا حکم دیدیا، لیکن حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کرکے ان کو بھگادیا، دوسری طرف چند آدمی دار الامارت مین گھس گئے اور عثمان ابن حنیف کو پکڑ کر سامنے لائے، ان لوگون نے اس بے رحمی کے ساتھ ان کو مارا تھا اور ڈاڑھیان نوچی تھین کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو یہ سخت ناگوار گذرا اور حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا، انھون نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دو جہان جی چاہے جائے، غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہوگیا،[1] اور ایک بڑی جماعت اس مہم مین ساتھ دینے پر تیار ہوگئی،

جنگ جمل اور حضرت زبیرؓ کی حق پسندی

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہان حضرت امام حسنؓ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرفدار بنالیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار مین حضرت علیؓ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو معلوم ہوا تو انھون نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم کرکے آگے بڑھایا، دسوین جمادی الآخر ۳۶ھ جمعرات کے دن دونون فوجون مین مڈبھیڑ ہوئی، کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے آج

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۸

باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں لیکن ذاتی مخاصمت و عداوت سے نہیں بلکہ حق و صداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف، چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مدنظر تھی اس لئے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی حضرت علیؓ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا "ابو عبد اللہ! تمھیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گذرے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی، ہاں! یارسول اللہ، یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اسی سے ناحق لڑوگے"۔ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا،

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پر چلے گئے لیکن حضرت زبیرؓ کے قلب حق پرست میں ایک سخت تلاطم برپا ہو گیا، تمام عزائم اور ارادے فسخ ہو گئے، ام المومنینؓ کے پاس آ کر کہنے لگے میں بر سر غلط تھا، علیؓ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یاد دلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں، حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہؓ نے کہا آپ ہم لوگوں کو دو گروہوں کے درمیان پھنسا کر خود علیؓ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں، حضرت زبیرؓ نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ علیؓ سے نہیں لڑوں گا، عبد اللہؓ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا، لیکن حواری رسولؐ کا دل اچاٹ ہو چکا تھا کہنے لگے "جان پدر! علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرد ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو" حضرت عبد اللہؓ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں سے اپنا اسباب و سامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں، احنف بن قیس نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جا رہے ہیں کوئی جا کر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے

۱؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶،

کہا مین جاتا ہون اور ہتھیار سج کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچا، وہ اس وقت اپنے غلامون کو اسباب وسامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے، غرض ابن جرموز نے قریب پہنچکر پوچھا،

ابن جرموز۔ ابوعبداللہ! آپنے قوم کو کس حال مین چھوڑا؟

حضرت زبیرؓ۔ سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے،

ابن جرموز۔ آپ کہان جارہے ہین،

حضرت زبیرؓ۔ مین اپنی غلطی پر متنبہ ہوگیا، اس لئے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوکر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے،

ابن جرموز نے کہا چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے، غرض دونون ساتھ چلے، ظہر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہرے، ابن جرموز نے کہا مین بھی شریک ہون گا، حضرت زبیرؓ نے کہا مین تمھین امان دیتا ہون، کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھوگے اس نے کہا ہان! اس عہد وپیمان کے بعد دونون اپنے گھوڑے سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکانے کو کھڑے ہوگئے،

شہادت

حضرت زبیرؓ جیسے ہی سجدہ مین گئے کہ عمرو بن جرموز نے غداری کرکے تلوار کا وار کیا اور حواری رسولؐ کا سر تن سے جدا ہو کر خاک وخون مین تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ مین کبھی اپنی جان کی پروا نہ کی اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بارہا مصائب وشدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خوان اور پیرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہِ مرتضویؓ مین حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضیٰؓ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا "اس نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہین، اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے،[1]

حضرت زبیرؓ نے چونسٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۶ھ مین شہید ہو کر وادی السباع مین سپرد خاک ہوئے، فنور اللہ مرقدہ وحسن مثواہ،

اخلاق وعادات حضرت زبیرؓ کا دامن اخلاق زر وجواہر سے مالا مال تھا، تقوی، پارسائی، حق پسندی، بے نیازی سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقتِ قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا۔

خشیت الہی جب یہ آیت نازل ہوئی انک میت وانھم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون الآیہ تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یا رسول اللہ! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائین گے"؟ ارشاد ہوا ہان! ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا، یہ سنکر ان کا دل کانپ اٹھا کہنے لگے "اللہ اکبر! کیسا سخت موقع ہوگا"[2]

تقوی وپرہیزگاری حضرت زبیرؓ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب ہے، وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے اور دوسرون کو بھی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی ام عطاء کے پاس گئے، دیکھا کہ یہان ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے کہنے لگے "ام عطاء! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانون کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے" انھون نے عرض کی کہ "مین کیا کرون لوگون نے اس قدر ہدیے بھیجدیئے کہ ختم ہی نہین ہوتے"،[3]

حضرت زبیرؓ نے جب دعوتِ اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آکر کہا "اگر حکم دیجئے تو علیؓ کی گردن اڑا دون" بولے "تم تنہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کروگے؟" اس نے کہا "مین علیؓ کی فوج مین جاکر ملجاؤن گا اور کسی وقت موقع پاکر دھوکے سے قتل کرڈالون گا"، فرمایا "نہین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ایمان قتل

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۸۹ [2] ایضاً جلد ۱ ص ۱۶۷ [3] ایضاً جلد ۱ ص ۱۶۶،

ناگہانی کی زنجیر ہے، اس لئے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے[1]،،

قلتِ روایت کا سبب حضرت زبیرؓ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور ہروقت کے حاضر رہنے والوں میں تھے، لیکن کمالِ اتقا کے باعث بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ نے کہا، پدر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضورؐ کی اوتنی باتیں بیان نہیں کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہیں، فرمایا جانِ پدر! حضورؐ کی رفاقت اور معیت میں دوسرں سے میرا حصہ کم نہیں ہے، میں جب سے اسلام لایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوا، لیکن حضورؐ کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنا دیا ہے،

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار یعنی جس نے قصداً میری طرف غلط بات منسوب کی، اسے چاہیئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے[2]،

مساوات پسندی مساواتِ اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشوں میں بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جنگ احد میں آپ کے ماموں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے بھائی کی تجہیز وتکفین کے لئے دو کپڑے لاکر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور وکفن پڑی تھی دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لئے دو دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لئے دونوں ٹکڑوں کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا نکلا تو قرعہ ڈال کر تقسیم کیا، کہ اس میں بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے[3]،

استقلال حضرت زبیرؓ خطرات کی مطلق پروا نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے عزم وارادہ میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں، لوگوں نے کہا قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا "ہم طعن وطاعون ہی کے لئے آئے ہیں"، یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے؛ غرض سیڑھیاں لگائی گئیں، اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے،

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۶۶ [2] ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومسند جلد ۱ ص ۱۶۵، وصحیح بخاری جلد اوّل صفحہ ۲۱ [3] مسند جلد ۱ ص ۱۶۵

امانت حواریِ رسول کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہان تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل و اولاد اور مال و متاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود نے ان کو وصی بنانا چاہا، انھون نے انکار کیا تو بجاجت کے ساتھ کہنے لگے "مین آپ کو خدا، رسولؐ اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہون مین نے فاروق اعظمؓ کو کہتے سنا ہے کہ زبیرؓ دین کے ایک رکن ہین"، حضرت عثمانؓ، مقدادؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ دیانت داری کے ساتھ ان کے مال ومتاع کی حفاظت کرکے ان کے اہل وعیال پر صرف کرتے تھے[1]،

فیاضی فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ مین خرچ کرنے مین بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کرکے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے، لیکن انھون نے اس مین سے ایک حبہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا، بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کردیا[2]، غرض ایک پیغمبر کے حواری مین جو خوبیان ہوسکتی ہین، حضرت زبیرؓ کی ذات والاصفات مین ایک ایک کرکے وہ سب موجود تھین

ذریعۂ معاش اور تمول معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، اور عجیب بات ہے کہ انھون نے جس کام مین ہاتھ لگایا کبھی گھاٹا نہین ہوا[3]،

تجارت کے علاوہ مالِ غنیمت سے بھی گرانقدر رقم حاصل کی، حضرت زبیرؓ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کرور دو لاکھ درہم (یا دینار) کیا گیا تھا، لیکن یہ سب نقد نہین بلکہ جائداد غیر منقولہ کی صورت مین تھا، اطرافِ مدینہ مین ایک جھاڑی تھی، اس کے علاوہ مختلف مقامات مین مکانات تھے، چنانچہ خاص مدینہ مین گیارہ، بصرہ مین دو اور مصر و کوفہ مین ایک ایک مکان تھا[4]،

قرض اور اس کی ادائگی حضرت زبیرؓ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے، لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہدیتے تھے کہ امانت نہین بلکہ قرض کی

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۶ [2] ایضاً ج ۳ ص ۶ [3] استیعاب جلد ۱ ص ۲۰۸ [4] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ،

حیثیت سے لیتا ہوں، ہوتے ہوتے اسی طرح سے بائیس لاکھ کے مقروض ہو گئے۔[1]

حضرت زبیرؓ جب جنگ جمل کیلئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے کہا جان پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے، اس لئے میرا مال ومتاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس میں سے ایک ثلث خاص تمہارے بچوں کے لئے وصیت کرتا ہوں، ہاں! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولیٰ کی طرف رجوع کرنا، حضرت عبداللہؓ نے پوچھا "آپ کا مولیٰ کون ہے؟" فرمایا "وہ میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دستگیری کی ہے۔"[1]

عبداللہ بن زبیرؓ نے حسب وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچکر قرض ادا کرنے کا سامان کیا، اور چار برس تک موسم حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیرؓ پر جس کا قرض ہو آکر لے لے، غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی اس قدر رقم بچ رہی کہ صرف حضرت زبیرؓ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا، موصی لہم اور دوسرے ورثہ اس کے علاوہ تھے۔[2]

جاگیر و زراعت | فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سر سبز قطعہ ملا تھا، اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے، جن کو وہ خود آباد کرتے تھے، کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکا سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک انصاری سے جن کا کھیت حضرت زبیرؓ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا، آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا، انصاریؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت سینچکر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو، انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! آپ نے اپنے پھوپھی زادہ کی پاسداری فرمائی۔" چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ان کی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا، اس لئے چہرہ سرخ ہو گیا، اور حضرت زبیرؓ

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ [2] ایضاً،

کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ، یعنی خود آب پاشی کرکے پانی کو روک رکھو یہان تک کہ نالیون کے ذریعہ سے دوسری طرف بہ جائے[1]،

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے، ایک دفعہ عہد فاروقی مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لئے خیبر تشریف لے گئے، اور رات کے وقت تینون علحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے، رات کی تاریکی مین کسی یہودی نے شرارت سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی کلائی اس زور سے موڑ دی کہ بے اختیار ہو کر چلا اٹھے، حضرت زبیرؓ وغیرہ مدد کے لئے دوڑے اور واقعہ دریافت کرکے ان کو لئے ہوئے بارگاہِ خلافت مین حاضر ہوئے، اور یہودیون کی شرارت کا حال بیان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیون کو خیبر سے جلاوطن کر دیا[2]،

حضرت ابوبکرؓ نے بھی مقام جرف مین انھین ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کی زمین انھین دیدی تھی[3]، جو مدینہ کے اطراف مین ایک خوش فضا میدان ہے،

آل و اولاد سے محبت حضرت زبیرؓ کو بیوی بچون سے نہایت محبت تھی، خصوصاً حضرت عبداللہؓ اور ان کے بچون کو بہت مانتے تھے، چنانچہ اپنے مال مین سے ایک ثلث کی خاص ان کے بچون کے لئے وصیت کی تھی، لڑکون کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، جنگ یرموک مین شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی، لیکن حضرت زبیرؓ نے انکو گھوڑے پر سوار کرکے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرأت و بہادری کا سبق دے،

غذا و لباس دولت و ثروت کے باوجود طرز معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے، البتہ جنگ مین ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] بخاری کتاب المساقاۃ [2] ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۱، [3] ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۷۳،

خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی آلاتِ حرب کا نہایت شوق تھا اور اس مین تکلف جائز سمجھتے تھے چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا،

حلیہ بدن چھریرا، قد بلند و بالا، خصوصاً پاؤن اس قدر لنبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤن زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گون اور سر پر کندھون تک بالون کی لٹین،

اولاد و ازواج حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کین اور کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی بعض بچے تو ان کی حیات ہی مین قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی ان کی تفصیل حسب ذیل ہے [1]

اسماء بنت ابی بکرؓ۔ ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے نام یہ ہین، عبداللہؓ، عروہؓ، منذرؓ، خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسنؓ، عائشہؓ،

ام خالد بنت خالد بن سعید۔ انھون نے خالدؓ، عمرؓ، حبیبہؓ، سودہؓ اور ہندؓ یادگار چھوڑی،

رباب بنت انیف۔ ان سے مصعبؓ، حمزہؓ اور رملہؓ پیدا ہوئین،

زینب بنت بشر۔ ان کے بطن سے عبیدہؓ، جعفرؓ اور حفصہؓ پیدا ہوئین،

ام کلثوم بنت عقبہ۔ ان سے صرف ایک لڑکی زینبؓ پیدا ہوئی،

حضرت طلحہؓ

نام و نسب، خاندان طلحہ نام، ابو محمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبیداللہ اور والدہ کا نام صعبہؓ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب القرشی التیمی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد مین سے ہین اس لئے حضرت طلحہؓ کا نسب چھٹی ساتوین پشت مین حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے،

[1] اولاد و ازواج کی تفصیل فتح الباری جلد ۶ ص ۱۶۱ سے ماخوذ ہے

حضرت طلحہؓ کے والد عبید اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت طلحہؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی، البتہ ان کی والدہ حضرت صعبہؓ نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں، اور حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاری کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعبہؓ کو امیر المومنینؓ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل کر آئیں اور اپنے صاحبزادہ حضرت طلحہؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کر دیں، اس وقت خود حضرت طلحہؓ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لئے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعبہؓ نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی،

حضرت طلحہؓ ہجرت نبویؐ سے چوبیں پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ابتدائی حالات نامعلوم ہیں لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا اور عنفوانِ شباب ہی میں دور دور ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا،

اسلام ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصریٰ تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور گردوپیش جس قسم کے مذہبی چرچے تھے اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ابھی مزید تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ و پند نے تمام شکوک رفع کر دیئے، چنانچہ ایک روز صدیق اکبرؓ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعتِ ایمان سے مشرف ہو کر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نجم صداقت کی پہلی ضیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمانِ اسلام کے روشن ستارے بنکر چمکے[1]،

[1] ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۵۴،

اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہ بھی عام مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہے، عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہؓ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک ہی رسی میں باندھکر مارا کہ اس تشدد سے اپنے مذہب کو ترک کردیں لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا،[1]

مواخات: مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن عوام سے ان کا بھائی چارہ کرادیا،

ہجرت: حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لیجارہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کیساتھ شام سے واپس آرہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انھوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہلِ مدینہ نہایت بےچینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچکر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے، حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب انصاریؓ سے ان کا بھائی چارہ کرادیا،[2]

غزوات اور دیگر حالات

جنگ بدر: ہجرتِ مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، اور کفر و اسلام کی پہلی آویزش بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، لیکن حضرت طلحہؓ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے، اس لئے اس میں شریک نہ ہوسکے، وہاں سے واپس آئے تو دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہوگے،

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹، [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۵۴،

بعض اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ اپنی تجارتی اغراض سے شام گئے تھے، لیکن یہ صحیح نہین ہے، کیونکہ اس صورت مین مالِ غنیمت مین حصہ طلب کرنیکی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور سعید بن زیدؓ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیقِ حال کی خدمت پر مامور کرکے بھیجا تھا، اس روایت سے بھی ہماری خیال کی تائید ہوتی ہے، بہر حال اگرچہ حضرت طلحہؓ غزوۂ بدر مین شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی اہم کارگذاریون کے باعث اس کے اجر وثواب سے محروم نہین رہے،[1]

غزوۂ احد سنہ ۳ ھ مین غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ مین پہلے مسلمانون کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ گھسوٹ مین مصروف ہوئے کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کردیا، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانون کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرورِ کائناتؐ کی حفاظت کا خیال بھی نہ رہا اور جو جس طرف تھا اسی طرف سے بھاگ کھڑا ہوا، میدانِ جنگ مین صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے لیکن وہ سب بھی شمعِ ہدایت سے دور تھے، اور اس وقت صرف حضرت طلحہؓ پروانہ وار فدویت وجان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھا رہے تھے، کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیرون کی بارش ہورہی تھی، خون آشام تلوارین چمک چمک کر آنکھون کو خیرہ کررہی تھین اور صدہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کردینے کے لئے ہرطرف سے یورش کررہے تھے، اس نازک وقت مین جمالِ نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بنکر خورشید نبوت کو آگے پیچھے دہنے بائین ہرطرف سے بچا رہا تھا، تیرون کی بوچھار کو ہتھیلی پہ روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حال مین کفار کا نرغہ زیادہ ہوجاتا تو شیر کی طرح تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا، ایک دفعہ کسی نابکار نے ذات قدسیؐ پر تلوار کا وار کیا، خادمِ جان نثار یعنی طلحہؓ جانباز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، انگلیان شہید ہوئین تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا، حس یعنی خوب ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکۂ آسمانی تمھین ابھی اٹھا لیجاتے، غرض حضرت طلحہؓ دیر تک

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹،

حیرت انگیز جانبازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے صحابہؓ بھی مدد کے لئے آپہنچے، مشرکین کا حملہ کسی قدر کم ہوا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر سوار کرکے پہاڑی پر لے آئے، اور مزید حملوں سے محفوظ کردیا[۱]

حضرت طلحہؓ نے غزوۂ احد میں فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوام عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کئے تھے[۲] دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی جانبازی کے صلہ میں "خیر" کا لقب مرحمت ہوا، صحابہؓ کو واقعہ احد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا دل سے اعتراف تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ غزوۂ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہؓ کا مخصوص دن تھا، حضرت عمرؓ ان کو صاحب احد فرمایا کرتے تھے، خود حضرت طلحہؓ کو بھی اس پر فخر کارنامہ پر بڑا ناز تھا، اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اس کی داستان سنایا کرتے تھے[۳]

متفرق غزوات غزوۂ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے، حضرت طلحہؓ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے، بیعتِ رضوان کے وقت بھی موجود تھے، اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے،

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، اس معرکہ میں بھی غزوۂ احد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال و ثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور بیشمار سامان اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہؓ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحابؓ کی صف میں تھے،

۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اس لئے آپ نے صحابہ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لئے مالی و زر صدقہ کرنے

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص۱۵۵ [۲] فتح الباری جلد ۷ ص ۶۶ [۳] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد

کی ترغیب دی، حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالت سے فیاض کا لقب حاصل کیا،[1]

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف حملۂ قیصر کے مدافعانہ اہتمام مین مصروف تھے، دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپئے تخریب رہتے تھے، اس موقع پر بھی اپنی شرارتون سے باز نہ آئے، اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان مین مجتمع ہو کر ان تدابیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانون مین بزدلی پیدا ہو اور اس مہم مین شرکت سے انحراف کرین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا انھون نے چند آدمیون کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس مین آگ لگا دی ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور اس حالت مین اسکی ٹانگ ٹوٹ گئی، اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانون کے پنجۂ اقتدار سے بچا کر لے بھاگے،[2]

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ وجلال کے ساتھ رومیون کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے وہان چودہ دن قیام کر کے سب لوگ واپس آئے، پھر سنہ ۱۰ھ مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا، حضرت طلحہؓ ہمرکاب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا سے غروب ہوا، حضرت طلحہؓ کو اس سانحۂ کبریٰ سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سقیفۂ بنی ساعدہ مین سیادت وخلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا اس وقت یہ کسی گوشۂ تنہائی مین مصروف گریہ تھے،

عہد صدیقی سقیفۂ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا، حضرت طلحہؓ نے بھی کچھ دنون کے بعد بیعت کی اور مہمات امور مین رائے اور مشورہ کے لحاظ سے جانشین رسول کے ہمیشہ دست وبازو ثابت ہوئے، سوا دو برس کی خلافت کے بعد جب خلیفۂ اول مرض الموت کے بستر پہ تھے اور انھون نے اس

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵،

منصب کے لئے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہؓ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے جاکر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگون کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہون گے تو خدا جانے کیا کرین گے؟ آپ اب خدا کے ہان جاتے ہین یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا حضرت ابوبکرؓ نے کہا مین خدا سے کہون گا کہ مین نے تیرے بندون پر اس شخص کو امیر مقرر کیا جو ان مین سب سے زیادہ اچھا تھا،

عہدِ فاروقی | حضرت عمرؓ کے متعلق حضرت طلحہؓ کی جو رائے تھی وہ کسی بغض وعداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہؓ کی یہی رائے تھی کہ ان کا تشدد ناقابلِ تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لئے سب سے زیادہ موزون ہین تو دفعۃً حضرت طلحہؓ کا خیال بھی بدل گیا، اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انھون نے ہمیشہ فاروق اعظمؓ کی اعانت کی، اختلافی مسائل مین ساتھ دیا اور اہم امور مین نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ عہد فاروقی مین یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالکِ مفتوحہ مجاہدین مین باہم تقسیم کر دیئے جائین اور ایک بڑی جماعت اس کی مؤید ہوگئی صرف حضرت عمرؓ اور چند دوسرے صحابہؓ کو اس سے اختلاف تھا، تین دن تک بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ مین حضرت عمرؓ کی تائید کی، یہان تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکۂ نہاوند کے موقعہ پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظمؓ کو مشوش کر دیا اور انھون نے صحابہؓ سے اس کے متعلق مشورہ چاہا، تو حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہوکر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہین، البتہ ہم لوگ تعمیلِ حکم کیلئے تیار ہین،

فاروق اعظمؓ نے ۲۳ھ مین دس برس کی خلافت کے بعد سفرِ آخرت کی تیاری کی اور عہدۂ خلافت کے لئے چھ آدمیون کا نام پیش کیا، ان مین حضرت طلحہؓ بھی تھے، لیکن انھون نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لئے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی کوشش اور حضرت طلحہؓ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے،

عہدِ عثمانی | حضرت عثمانؓ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری شش سالہ عہد خلافت مین تمام ملک عام طور

پرشورش دیکھنی کا آماجگاہ ہوگیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی وفتنہ پردازی کا بازار گرم تھا حضرت طلحہؓ نے دربارِ خلافت کو مشورہ دیا کہ اسبابِ شورش کی تفتیش وتحقیق کے لئے تمام ملک مین وفود روانہ کئے جائین، چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ مین محمد بن مسلمہؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مختلف حصص ملک مین روانہ کئے گئے، ان لوگون نے واپس آکر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر ابھی عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کرلیا، گو حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی کوئی خاص اعانت نہین کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانبدار شخص کی حیثیت سے دریافتِ حال کے لئے محاصرین کی جماعت مین تشریف لے گئے، چنانچہ وہ ایک دفعہ وہان موجود تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بالاخانہ پر کھڑے ہوکر کبار صحابہؓ مین ایک ایک کا نام لیکر پکارا، اسی ضمن مین حضرت طلحہؓ کا نام بھی آیا، انھون نے جواب دیا "ہان! مین حاضر ہون" حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل ومناقب بیان کرکے ان سے تصدیق چاہی، تو انھون نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ[1] اس کی تصدیق کی،

آخر مین جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہوگیا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے متعین کردیا، چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا[2]،

محافظین نے باوجود قلتِ تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر وحلم کے آفتاب کو ہمیشہ کیلئے خونین شفق کے پردہ مین نہان کردیا، حضرت طلحہؓ کو معلوم تو افسوس کے ساتھ فرمایا "خدا عثمانؓ پر رحم کرے"، لوگون نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہین، فرمایا خدا انھین ہلاک کرے، اس کے بعد یہ آیت پڑھی فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ، (یٰسٓ ۳)

---

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۴۷،

[2] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۴۰،

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بادلِ ناخواستہ بیعت کی

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصریون نے حضرت علیؓ کو عنانِ خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا، اور مسجدِ نبویؐ مین لوگون کو بیعتِ عام کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ گو برابر کے دعویدار تھے تاہم اس شورش و ہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادلِ ناخواستہ بیعت کرلی[1]،

خلیفۂ وقت کے مقابلہ مین خروج اور اس کی وجہ

خلیفۂ وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا، اس سے تمام ملک مین شورش اور بدنظمی پھیل گئی، اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پُرفتن بنا دیا، حضرت طلحہؓ کامل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ و فساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربارِ خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علمِ اصلاح بلند کرنیکے لئے حضرت زبیرؓ کو ساتھ لیکر مدینہ سے مکہ چلے آئے، حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھین اور مدینہ کی شورشون کا حال سن کر اس وقت تک یہین مقیم تھین، اس لئے ان دونون نے سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علمِ اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئین اور حضرت طلحہؓ کی رائے کے مطابق بصرہ جانیکی تیاری ہوئی، کیونکہ وہان ان کے طرفدارون کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، اور نہایت آسانی کے ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہوسکتی تھی،

بصرہ پر قبضہ

غرض داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنوامیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ مین پناہ گزین تھے جوشِ انتقام مین ساتھ ہوگئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والیِ بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنون تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزور شہر پر قابض ہوگئے اور حضرت طلحہؓ کے حامیون نے جوش و خروش کے ساتھ اہلِ دعوت کو لبیک کہا،

[1] طبقات ابن سعد جزو ۳ ق ۱

حضرت علیؓ کی فوج سے مقابلہ کیلئے بڑھنا

حضرت علیؓ کو مدعیانِ اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہوچکا تھا، اس لئے مدینہ سے روانہ ہو کر ذی قار پہنچے اور یہان سے تقریباً کوفہ کے نو ہزار جنگ آزما نوجوانون کو ساتھ لیکر

بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے اس فوج کا حال سنا تو انھون نے بھی اپنی فوج کو منظم ومرتب کرکے آگے بڑھایا، دسوین جمادی الآخرہ ۳۶ھ مین دونون فوجون مین مٹ بھیڑ ہوئی،

شہادت جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اور حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی کہ اسی وقت ان کا دل اس خانہ جنگی سے پھر گیا، حضرت طلحہؓ نے اپنے زور بازو کو بہ داشتہ خاطر دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا، اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کرلی، مروان نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ مین ان سے بدظن تھا اس موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤن مین لگا لیکن ان کے لئے تیر قضا ثابت ہوا، لوگون نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑدو، یہ تیر نہین بلکہ پیام خداوندی ہے،

تجہیز وتکفین اختلاف روایات حضرت طلحہؓ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر مین شہادت حاصل کی، اور غالباً اسی میدان جنگ کے کسی گوشہ مین مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب مین تھی اس لئے اکثر غرق آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہؓ کو خواب مین دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرمارہے ہین، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرہؓ صحابی کا مکان دس ہزار درہم مین خرید کر ان کی لاش کو اس مین منتقل کردیا، دیکھنے والون کا بیان ہے کہ اتنے دنون کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصئون ومحفوظ تھا، یہان تک کہ آنکھون مین جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہ موجود تھا،[۲]

اخلاق وعادات حضرت طلحہؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع واعلیٰ تھا، خشیت الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ان کا پیمانۂ قلب لبریز تھا، معرکۂ احد اور دوسرے غزوات مین جس جوش وفداکاری کیساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا، اسی راہ مین ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا،

[۱] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۳۷۱ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۶۱

چنانچہ انھون نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کیلئے اپنا مال راہِ خدا مین دیا کرینگے، اس نذر کو انھون نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنیکی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک مین ان کی مدح مین یہ آیت نازل ہوئی،

رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ الآیۃ (احزاب ۳)

یعنی کچھ آدمی ایسے ہین جنھون نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر دکھایا چنانچہ بعض ان مین سے وہ ہین جنھون نے اپنی نذر پوری کی،

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ بارگاہِ نبوتؐ مین حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا، "طلحہؓ تم بھی ان لوگون مین ہو جنھون نے اپنی نذر پوری کی"[۱]

حضرت طلحہؓ اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے، فقراء و مساکین کے لئے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، قیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ مین نے طلحہؓ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش مین پیش پیش نہ دیکھا،[۲] غزوۂ ذی القرد مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گذرے جس کا نام بیسان مالح تھا، حضرت طلحہؓ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا،[۳] اسی طرح غزوۂ ذی العسرہ مین تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس و ناداری کی مصیبت اور فلاکت مین مبتلا تھے، انھون نے مصارفِ جنگ کے لئے ایک گران قدر رقم پیش کی اور دربارِ رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا،[۴]

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اپنی جائداد سات لاکھ درہم مین فروخت کی اور سب راہ خدا مین صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مین نے انھین غمگین دیکھا، پوچھا "آپ اس قدر اداس کیون ہین مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہین ہوئی؟" بولے "نہین! تم نہایت اچھی بیوی ہو

---

[۱] فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۹ [۲] ایضاً جلد ۷ ص ۶۰ [۳] اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۱ [۴] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۶۰

تمھاری کوئی بات نہین ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہوگئی ہے اس وقت اسی کی فکر مین تھا کہ کیا کرون، مین نے کہا اس کو تقسیم کرادیجئے یہ سنکر انھون نے اسی وقت لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم مین تقسیم کرادی،[1]

حضرت طلحہؓ بنو تیم کے تمام محتاج وتنگدست خاندانون کی کفالت کرتے تھے، لڑکیون اور بیوہ عورتون کی شادی کردیتے تھے، جو لوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کردیتے تھے، چنانچہ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھا وہ سب انھون نے اپنے پاس سے ادا کردیا، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم بطور پیشکش خدمت کرتے تھے،[2]

مہمان نوازی حضرت طلحہؓ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہوکر عرض کی "مین یا رسول اللہ!" اور وہ تینون نو مسلم مہمانون کو خوشی خوشی گھر لے آئے، ان مین سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات مین شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہؓ کے مکان مین وفات پائی، ان کو اپنے مہمانون سے جو انس پیدا ہوگیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی، اور رات کے وقت خواب مین بھی ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب مین دیکھا کہ وہ اپنے تینون مہمانون کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہین لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے، حضرت طلحہؓ کو اس تقدم وتاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا، اس مین تعجب کی کیا بات ہے جو زیادہ دنون تک زندہ رہا اس کو عبادت ونیکوکاری کا زیادہ موقع ملا، اس لئے وہ جنت کے داخلہ مین اپنے ساتھیون سے پیش پیش تھا،[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۵۷، [2] ایضاً ص ۱۵۸، [3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۶۳،

احباب کی مسرت و شادمانی ان کے لئے بھی سامانِ انبساط بنجاتی تھی، حضرت کعب بن مالک رضؓ غزوۂ تبوک مین شریک نہ ہونیکے باعث معتوبِ بارگاہ تھے، ایک مدت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خطا معاف کردی اور وہ خوش خوش دربارِ رسالت مین حاضر ہوئے تو حضرت طلحہ رضؓ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، حضرت کعب رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ ابن طلحہ رضؓ کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولون گا، کیونکہ مہاجرین مین سے کسی نے ایسی گرم جوشی کا اظہار نہین کیا تھا،[1]

حضرت طلحہ رضؓ کو دوستون کی خدمت گذاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا اور اس نے درخواست کی کہ بازار مین میرا اونٹ فروخت کرا دیجئے، حضرت طلحہ رضؓ نے فرمایا "گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم مین تمھارے ساتھ چلون گا،" اور اس کے ساتھ جاکر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کرا دیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربارِ رسالت ؐ سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوا دیجئے تاکہ عمال کو اسی کے مطابق دیا کرون حضرت طلحہ رضؓ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کردی،[2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو طرزِ عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے حضرت طلحہ رضؓ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض مین شامل کرلیا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف صحبتون مین جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم و رنجیدہ نظر آتے، ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ نے ان کو مغموم دیکھ کر پوچھا "تمھارا حال کیسا ہے؟ کسی سے کوئی جھگڑا تو نہین ہوا؟" کہنے لگے نہین! مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا" مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا لیکن اب یاد نہین آتا، حضرت عمر رضؓ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ

---

[1] بخاری باب غزوۂ تبوک۔ [2] ایضاً

باعظمت وپُراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا یعنی لا الہ الا اللہ حضرت طلحہ رضہ سنکر اچھل پڑے فرمایا "ہان! خدا کی قسم یہی کلمہ ہے[1]"

حسنِ معاشرت | حضرت طلحہ رضہ اپنے حسنِ معاشرت کے باعث بیوی بچون مین نہایت محبوب تھے، وہ اپنے کنبہ مین جس لطف ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے شادی کی درخواست کی لیکن انھون نے حضرت طلحہ رضہ کو سب پر ترجیح دی، لوگون نے وجہ پوچھی تو کہا "مین ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہون، وہ گھر آتے ہین تو ہنستے ہوئے، باہر جاتے ہین تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہین کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہین کرتے اگر کوئی کام کردو تو شکر گذار ہوتے ہین اور خطا ہوجائے تو معاف کردیتے ہین[2]"

ذریعۂ معاش | حضرت طلحہ رضہ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، چنانچہ نیر اسلام کے طلوع ہونے کی بشارت بھی اسی تجارتی سفر مین ملی تھی، جب مدینہ پہونچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراقِ عرب مین متعدد علاقے حاصل کئے، ان مین سے قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور ہین، ان دونون مقامات مین کاشت کاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناۃ کے کھیتون پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقون کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت طلحہ رضہ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا،[3]

تمول | غرض تجارت وزراعت نے ان کو غیر معمولی دولت وثروت کا مالک بنا دیا تھا، چنانچہ لاکھون دینار ودرہم راہ خدا مین لٹا دینے کے بعد بھی اہل وعیال کے لئے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہ رضہ نے موسیٰ بن طلحہ رضہ سے پوچھا کہ تمھارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انھون نے کہا "بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار مین سونا اور چاندی،" یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائداد

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۶۱ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۳ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸،

غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا،[1]

غذا و لباس | طرز معاشرت نہایت سادہ تھا، کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حالتِ احرام میں رنگین لباس زیب جسم دیکھا بولے "طلحہؓ یہ کیا ہے؟"، عرض کی "امیر المومنین یہ گیروا رنگ ہے" فرمایا "آپ لوگ ائمۂ دین ہیں، عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں، کوئی جاہل دیکھے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کریگا کہ میں نے طلحہؓ کو حالتِ احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا،[2]

حضرت طلحہؓ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں نفیس سرخ یاقوت کا نگ جڑا ہوا تھا، لیکن بعد کو یاقوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا[3]، دسترخوان بھی وسیع تھا، لیکن پر تکلف نہ تھا،

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک پست، چہرہ کا رنگ سرخ و سفید، بدن خوب گٹھا ہوا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوۂ احد میں شل ہو گئی تھیں،

اولاد و ازدواج | حضرت طلحہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں بیویوں کے نام یہ ہیں، حمنہ بنت جحش، ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق، سعدی بنت عوف، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ، خولہ بنت القعقاع، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی تھی، لڑکوں کے نام یہ ہیں،

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسمٰعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف، ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں بھی تھیں، ان کے نام یہ ہیں،

ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم،

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

نام، نسب، خاندان | عبدالرحمن نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفا تھا، یہ دونوں زہری

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸ [2] ایضاً ص ۱۵۶ [3] ایضاً ص ۱۵۷

خاندان سے تعلق رکھتے تھے اسلسلۂ نسب یہ ہے عبد الرحمٰن بن عوفؓ بن عبد عوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرۃ القرشی الزہری،

حضرت عبد الرحمٰنؓ کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلکر عبد الرحمٰن رکھا،[1]

اسلام عام روایت کے مطابق حضرت عبد الرحمٰنؓ واقعۂ فیل کے دسوین سال پیدا ہوئے تھے اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا، فطری عفت وسلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبرؓ کی رہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آگئی اور بارگاہ نبوت مین حاضر ہو کر رہروانِ حق کے قافلہ مین شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشنضمیر بزرگون کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے،[2]

ہجرت خلعتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو بھی عام بلاکشانِ اسلام کی طرح جلاوطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے جبشہ تشریف لے گئے، پھر وہان سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کر گئے،[3]

موٴاخات مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرادیا، وہ انصار مین سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے، کہنے لگے "مین اپنا نصف مال ومنال تمھین بانٹ دیتا ہون، اور میری دو بیویان ہین، ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ مین طلاق دیدون گا، عدت گذارنے کے بعد تم نکاح کر لینا،" لیکن حضرت عبد الرحمٰنؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، جواب دیا خدا تمھارے مال ومنال اور اہل وعیال مین برکت دے، مجھے صرف بازار دکھادو، لوگون نے بنی قینقاع کے بازار مین پہنچادیا، وہان سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع مین بچالائے، دوسرے روز سے باقاعدہ تجارت شروع کر دی،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۰۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث . [3] ایضاً

یہان تک کہ چند دنون کے بعد بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے تو جسم پر مراسم شادی کی علامتین موجود تھین، استفسار ہوا "یہ کیا ہے"، عرض کی "ایک انصاریہ سے شادی کرلی ہے"، سوال ہوا "مہر کس قدر ادا کیا"؟ عرض کی "ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا"، حکم ہوا "تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی"[1]

غزوات | ۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت عبدالرحمن رض اکثر معرکون مین پامردی وشجاعت کے ساتھ شریک رہے، غزوۂ بدر مین دو نوجوان انصاری پہلو مین کھڑے تھے، انھون نے آہستہ سے پوچھا "دریا عم! ابوجہل کون ہے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین بدزبانی کرتا ہے"؟ اسی اثنا مین ابوجہل سامنے آگیا حضرت عبدالرحمن رض نے کہا "وہ دیکھو جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے"، ان دونون نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلادی[2]

غزوۂ احد مین جس جانبازی وشجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثار جراحت شمار کئے گئے تھے خصوصاً پاؤن مین ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے[3]

دومۃ الجندل کی مہم | شعبان ۶ھ مین دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر اپنے دستِ اقدس سے عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا، اور ہاتھ مین علم دے کر فرمایا "بسم اللہ! راہ خدا مین روانہ ہوجا، جو لوگ خدا کی نافرمانی وعصیان مین مبتلا ہین ان سے جا کر جہاد کر، لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچون کو نہ مارنا، یہان تک کہ دومۃ الجندل پہنچکر قبیلۂ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کرین تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کرلے"

حضرت عبدالرحمن رض اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت وتبلیغِ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلۂ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو الکلبی جو مذہباً

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الصحابہ [2] مسند جلد اص ۱۹۳ وبخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل [3] سیرت ابن ہشام جلد اص ۱۹۴

عیسائی تھے، اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے، البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے حسب فرمان اصبغ کی لڑکی تماضر سے شادی کر لی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لائے، چنانچہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے،[1]

فتح مکہ | مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، اس کے زیر نگین ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلۂ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزین تھا دعوت اسلام کے لئے بھیجا، انھوں نے غلطی سے قتل و خون ریزی کا بازار گرم کر دیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العالمین میں تین دفعہ اپنی برائت ظاہر کی "خدایا! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں،،

حضرت عبد الرحمٰنؓ کے خاندان اور قبیلۂ بنو جذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا، تاہم اخوتِ اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا، چنانچہ اس خون ریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہا "افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا،، انھوں نے جواب دیا "میں نے تمھارے باپ کے قاتل کو مارا،، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا "بیشک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا، لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا، جو تمھارا چچا تھا"،[2] اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ سے ارشاد ہوا "بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ، اگر تو راہ خدا میں کوہ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہو گا"،[3]

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۴، [2] حضرت عبد الرحمٰنؓ کے والد عوف اور حضرت خالدؓ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جا رہے تھے بنو جذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا، سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶،

[3] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶،

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگین پیش آئین، حضرت عبدالرحمن رضؓ سب مین شریک رہے، آخری سفرِ حج سے واپس آنے کے بعد ۱۱ھ مین سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ مین خلافت کا قصہ پیش آیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضؓ اسی گتھی کے سلجھانے مین شریک تھے اور صدیق اکبر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے مین ان کا تیسرا نمبر تھا،

عہدِ صدیقی

خلیفۂ اول کے عہد مین حضرت عبدالرحمن رضؓ ایک مخلص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشورون مین شریک رہے، ۱۳ھ مین جب صدیق اکبر رضؓ کا آفتابِ حیات لبِ بام آیا اور ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی تو انھون نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن رضؓ کو بلاکر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصب جلیل کے لئے فاروق اعظم رضؓ کا نام لیا، حضرت عبدالرحمن رضؓ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا "عمر کی اہلیت مین کیا شک ہے لیکن مزاج مین سختی ہے" حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا "ان کی سختی اس لئے تھی کہ مین نرم تھا، لیکن جب یہ بارِ گران ان ہی پر آپڑے گا تو خود بخود نرم ہوجائین گے"[1] غرض چند روزہ علالت کے بعد خلیفۂ اوّل نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور حضرت فاروق رضؓ مسند آرائے خلافت ہوئے،

عہدِ فاروقی

فاروق اعظم رضؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظامِ خلافت کو پہلے سے زیادہ منتظم و مرتب کردیا، مہمات مسائل پر بحث و مباحثہ کے لئے ایک مستقل مجلسِ شوریٰ قائم کی، حضرت عبدالرحمن رضؓ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے، پرجوش اور سرگرم رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات مین ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لئے جب دارالخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ مین لین، یہان تک کہ حضرت عمر رضؓ خود بھی اس کے لئے تیار ہوگئے تو اس وقت صرف حضرت عبدالرحمن رضؓ ہی تھے جنھون نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونون پہلو ہین، خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیرالمومنین

[1] طبری ص ۲۱۳۷

کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے، حضرت عبدالرحمنؓ کی اس مآل اندیشی نے تمام اکابر صحابہؓ کی آنکھیں کھولدین اور سب نے پرزور الفاظ مین اس کی تائید کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا، حضرت علیؓ سے کہا گیا تو انھون نے صاف انکار کردیا، غرض اسی حیص بیص مین تھے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہِ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کردی، اور کھڑے ہوکر کہا مین نے پالیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاصؓ، اس حسنِ انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین وآفرین بلند ہوئی، اور واقعات نے بہت جلد ثابت کردیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزون تھا،

اسی طرح معرکۂ نہاوند مین بھی حضرت عمرؓ کو موقعِ جنگ پر جانے سے روکا، لیکن کبھی کبھی جوش مآل اندیشی پر غالب آجاتا تھا، چنانچہ جب مہم شام مین اسلامی فوجین رومیون کی عظیم الشان تیاریون کے باعث مقامات مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئین، اور حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار اعظم نے رومیون کے جوش وخروش اور ٹڈی دل اجتماع کی اطلاع دارالخلافہ مین بھیجی، تو حضرت عبدالرحمنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہوکر بولے امیرالمومنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لے کر چل، خدانخواستہ اگر ہمارے بھائیون کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے[1] لیکن اس موقع پر دوسرے مآل اندیش صحابہؓ نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا،

حضرت عبدالرحمنؓ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائین دین ان کا اجمالی تذکرہ انشاء اللہ علم وفضل کے سلسلہ مین آئے گا،

واقعۂ ہائلہ — ۲۳ھ مین ایک روز حسب معمول حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوے کہ دفعۃً فیروز نام ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے، حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے جلدی جلدی نماز تمام کی،[2] اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے،

---

[1] طبری ص ۲۲۱۵ [2] ایضاً ص ۱۶۲۱؁ ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۲۴۴،

حضرت عبدالرحمنؓ کا ایثار؛ خلیفۂ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصب خلافت کے لئے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کرکے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے، یہ باہم کسی ایک کو منتخب کرلیں لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے،

خلیفۂ دوم کی تجہیز وتکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہوسکا، تیسرے روز حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائر ہے اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہیئے، اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے دی، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا نام لیا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ اپنے حق سے باز آگئے اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکام الٰہی، سنت نبویؐ اور طریقۂ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا میں سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہوں لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں خاموش رہے، بہرحال حضرت عبدالرحمنؓ نے دونوں کو راضی کرکے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور ہر ایک کو علٰحدہ لے جاکر ان کے فضائل ومناقب یاد دلائے، اور کہا "مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمہیں یہ منصب دوں تو عدل وانصاف کروگے، اور اگر تمہارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لوگے" غرض اس عہد وپیمان کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ نے مجمع عام میں ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کرلی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی[1]،

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ انتخاب نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر کیوں ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ یہ ان دونوں کی باہمی یگانگت ومحبت اور رشتہ داری کا نتیجہ

---

[1] بخاری باب الاتفاق علی بیعۃ عثمانؓ، لیکن بعض تفصیلی باتیں تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں،

تھا، چنانچہ طبری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے ابتدا ہی میں حضرت علیؓ سے اپنا شبہ ظاہر کر دیا تھا،[1] لیکن یہ صحیح نہیں ہے، رشتہ داری بیشک ایک مؤثر چیز ہے، مگر ایسے اہم معاملات میں بنائے فیصلہ نہیں ہو سکتی،

اصل یہ ہے کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کر دیا تھا تاہم ایک حد تک منافست و سابقت کا خلل باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت و خلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم میں مجتمع ہو جائے چنانچہ خلافتِ مرتضوی میں جو خانہ جنگیاں برپا ہوئیں، وہ اسی منافست کا نتیجہ تھیں، حضرت عبد الرحمنؓ کی نگاہِ عاقبت بین نے اس کا پہلے ہی سے اندازہ کر لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جناب امیرؓ پر ترجیح دی، ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کر دیا ہے،

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی روش پر کاربند ہونے میں پس و پیش کیا تھا، جیسا کہ متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے، برخلاف اس کے حضرت عثمانؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی، بہر حال حضرت عبد الرحمنؓ نے اس عقدہ کو جس ایثار، دور اندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایۂ ناز کارنامہ ہے،

وفات عہدِ عثمانی میں حضرت عبد الرحمنؓ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہاں تک معلوم ہے مہمات ملکی میں انہوں نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی، یہاں تک کہ روح اطہر نے پچھتر برس تک اس سرائے فانی کی سیر کرکے ۳۲ھ میں داعیِ حق کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون،

حضرت علیؓ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا، اذهب یا ابن عوف فقد ادرکت صفوها وسبقت رنقها، یعنی ابن عوف! جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے جاتے تھے واجبلاه، یعنی آہ یہ پہاڑ بھی چل بسا، حضرت عثمانؓ

[1] طبری صفحہ ۲۷۰، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷،

نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع مین دفن کیا،[1]

علم وفضل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے حضرت عبد الرحمن رض کے کیسہ فضل وکمال کو علمی زر وجواہر سے پر کر دیا تھا گو انھون نے دوسرے کبار صحابہ رض کی طرح حدیثین بہت کم روایت کین تاہم خلفائے راشدین رض کو بہت اہم و ضروری موقعون پر اپنے معلومات سے فائدہ پہنچایا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت مین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انھون نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ مین وراثت نہین ہے"

اسی طرح حضرت عمر رض کے عہد مین جب ایران فتح ہوا اور انھین فکر دامنگیر ہوئی کہ آتش پرستون کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے تو اس وقت حضرت عبد الرحمن رض ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگون کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انھین ذمی قرار دیا تھا،[2]

سنہ ۱۸ھ مین عمواس مین طاعون پھیلا اور حضرت عمر رض نے صحابۂ کرام رض سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون زدہ مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہین؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا، حضرت عبد الرحمن رض اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انھین خبر ملی تو انھون نے حاضر ہو کر کہا مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہان طاعون ہو وہان نہ جاؤ، اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام مین ہو تو وہان سے نہ ہٹو[3]

اصابت رائے | خدائے تعالیٰ نے حضرت عبد الرحمن رض کو اصابت رائے اور دور اندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا، چنانچہ حضرت عمر رض نے اپنی وفات کے وقت مستحقین خلافت پر ریمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا "عبد الرحمن نہایت صائب الرائے، ہوشمند اور سلیم الطبع ہین، ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب مین مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبد الرحمن ہون ان کا ساتھ دینا"[4]

---

[1] استیعاب جلد ۲ وطبقات ابن سعد تذکرہ عبد الرحمن بن عوف رض [2] کتاب الخراج ص ۷۴، ومسند ص ۱۹۴ [3] بخاری باب طاعون [4] تاریخ طبری ص ۲۷۸۰،

حضرت عمرؓ کی رائے صرف حسن ظن نہین بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی، چنانچہ حضرت عبد الرحمنؓ نے خلافت کی گرہ کو جس خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوش مندی کی نہایت بین شہادت ہے،

اخلاق وعادات حضرت عبد الرحمنؓ کا دامن فضل وکمال اور اخلاقی جواہر پارون سے مالا مال تھا خصوصاً خوفِ خدا، حبِ رسول، صدق وعفاف، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشان اوصاف تھے،

خوفِ خدا خوفِ خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لئے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت وجلال کو یاد کرکے رونے لگتے تھے، ایک دفعہ دن بھر روزہ رہے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانون کا گذشتہ فقر وفاقہ یاد آگیا بولے "مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن مین صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤن کھل جاتے تھے، اور پاؤن چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لئے کشادہ ہوگئی ہے، اور ہمین اس قدر دنیاوی نعمتین مرحمت کی گئی ہین کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیون کا معاوضہ دنیا ہی مین ہوگیا،" اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا[1]،

حبِ رسول ایک مقرب بارگاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبد الرحمنؓ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خدمت وحفاظت مین ہمیشہ پیش پیش رہے، واقعہ احد صحابہؓ کی جان نثاری ومحبت کا نہایت سخت امتحان تھا، حضرت عبد الرحمنؓ اس آزمائش مین پورے اترے، بدن پر بیس زخم کھائے، پاؤن مین ایسا کاری زخم لگا کہ لنگڑا کر چلنے لگے، لیکن جذبۂ جان نثاری نے میدان سے منہ موڑنے نہ دیا،

حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبد الرحمنؓ پیچھے پیچھے سایہ ہو لیتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، حضرت عبد الرحمنؓ بھی پیچھے چلے یہان تک کہ رسول اللہ

---

[1] بخاری باب غزوۂ احد،

صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان میں پہنچکر سربسجود ہوگئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جاملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کیا ہے عبدالرحمن؟ انھوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا، یعنی یہ طویل سجدہ سجدۂ تشکر تھا،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نوفل بن ایاس فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اکثر لطفِ صحبت رہتا تھا، درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے، ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کرکے باہر نکلے اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھکر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا ابو محمد! یہ گریہ وزاری کیسی؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپکے اہل وعیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی، ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے،[2]

صدق وعفاف دیانت داری، صدق وعفاف حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے دستارِ فضل وکمال کا نہایت خوبصورت طرہ تھا، صحابہ کرام کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تنہا ان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ دائر کیا کہ میں نے آلِ عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قطعہ زمین خریدا ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کو دربارِ نبوت سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا، لیکن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا عبدالرحمن اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں،[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہرات) کی نگرانی د

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۱ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷ [3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۹۲

محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا، چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبد الرحمن رضہ سے متعلق تھا، وہ سفر اور حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے، سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے، جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام و اہتمام کے ساتھ اتارتے تھے، غرض انھیں صرف اپنی عصمت و عفت کے باعث امہات المومنین رضہ کی خدمت و حفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طغرائے امتیاز ہے۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ

ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبد الرحمن رضہ کو بے نیازی اور استغنا نے تجارت کی طرف مائل کر دیا تھا، چنانچہ اس میں انھوں نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ واپس آیا تو اس میں سات سو اونٹوں پر صرف گیہوں آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی بار تھیں، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں غل پڑ گیا، حضرت عائشہ رضہ نے سنا تو فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عبد الرحمن جنت میں رینگتے ہوئے جائیں گے، حضرت عبد الرحمن رضہ کو اطلاع ہوئی تو ام المومنین رضہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی "میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب و سامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہ خدا میں وقف ہے"۔[2]

صحابہ رضہ کی دولت ذاتی راحت و آسایش کے لئے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا اسی قدر اس کا دست کرم زیادہ کشادہ تھا، حضرت عبد الرحمن رضہ کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور وقتاً فوقتاً قومی و مذہبی ضروریات کے لئے گران قدر رقمیں پیش کیں، سورۂ برأت نازل ہوئی اور صحابہ رضہ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبد الرحمن رضہ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار درہم پیش کئے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کئے، اسی طرح جہاد کے لئے پانچسو گھوڑے اور پانچسو اونٹ حاضر کئے۔[3]

عام خیرات و صدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے، ایک

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶ [3] ایضاً ص ۳۱۶،

دفعہ انھون نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار مین حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہِ خدا مین لٹادیا[1]، لیکن اس فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کہین اس قدر تمول آخرت کے لئے موجب نقصان نہ ہو، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر گذارش کی "اماں! مجھے خوف ہے کہ کثرتِ مال مجھے ہلاک کردے گی،، ارشاد ہوا بیٹا! راہِ خدا مین صرف کرو، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "میرے اصحاب مین بعض ایسے ہین کہ مفارقت کے بعد انھین میرا دیدار نصیب ہوگا[2]،

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحۂ حیات تک قائم رہا، وفات کے وقت بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا مین وقف کئے، نیز بدر مین جو صحابہؓ شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے ان مین سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اصحاب بدر بقیدِ حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہان تک کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حصہ لیا[3]،

امہات المومنینؓ کے لئے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم مین فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی رقمین پیش کین، ایک دفعہ ایک جائداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار مین فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے صاحبزادہ ابو سلمہ سے اکثر بطریق تشکر دعا فرمایا کرتی تھین خدا تمھارے باپ کو سلسبیلِ جنت سے سیراب کرے[4]،

مذہبی زندگی

حضرت عبد الرحمنؓ نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے، خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے[5]،

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث تذکرہ عبد الرحمنؓ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۲۔۴۴ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶ [4] ترمذی ص ۶۲۱ [5] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷،

اکثر روزے رکھتے تھے حج کے لئے بھی بارہا تشریف لے گئے جس سال حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے اس سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی تھی، [1]

ذریعۂ معاش | تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہو گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انھوں نے خود بہت سی قابل زراعت آراضی خرید کر کاشت کاری شروع کی تھی چنانچہ صرف مقام جرف، کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے، [2]

حضرت عبد الرحمٰنؓ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا، یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لئے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی اسی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلھاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ پڑ گئے، جائداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں، [3]

غذا اور لباس | دسترخوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گذشتہ فقر وفاقہ یاد کر کے آنکھیں پرنم ہو جاتیں، لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا، کیونکہ بیماری کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اجازت دی تھی، ایک دفعہ حضرت عبد الرحمٰنؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ ریشمی کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑا دیئے، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷، [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۲،

[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶، [4] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷،

اجازت دی ہے" فرمایا ہاں! معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لئے اجازت ہے دوسروں کے لئے نہیں۔[1]

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد طویل، رنگ سرخ وسپید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگھر دار کاکلیں، کلائی گٹھی ہوئی، انگلیاں موٹی اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے اور غزوۂ احد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا،[2]

اولاد وازواج حضرت عبدالرحمن رض نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے ساتھ عموماً لطف ومحبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیئے،[3] بیویوں کے نام یہ ہیں،

کلثوم بنت عتبہ بن ربیعہ، تماضر بنت الاصبغ، کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہ بنت عاصم، بحریہ بنت ہانی، سہلہ بنت سہیل، ام حکیم بنت قارظ، بنت ابی الخشخاش، اسماء بنت سلامہ، ام حریث، یہ بہرا سے قید ہو کر آئی تھیں، مجد بنت یزید، غزال بنت کسریٰ، یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں، بعض مورخین کا خیال ہے کہ خاندان کسریٰ کی شہزادی تھیں، زینب بنت الصباح، بادیہ بنت غیلان،[4]

حضرت عبدالرحمن رض کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکوں کے نام معلوم ہوسکے وہ یہ ہیں، سالم، اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے، محمد، ابوسلمہ فقیہ، ابراہیم، اسمٰعیل، حمید، زید، معن، عمر، عدی، عروۃ اکبر، سالم اصغر، ابوبکر، عبداللہ، عبدالرحمن، مصعب، سہیل (ابو الابیض) عثمان، عروہ، یحییٰ، بلال،

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔ "ام القاسم، یہ زمانۂ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں، حمیدہ، امۃ الرحمن صغریٰ ام یحییٰ، جویریہ، امیہ، مریم،

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوف رض [2] اصابہ جلد ۴ ص ، ۱۷۶ [3] طبقات قسم اول جزو ثالث تذکرہ عبدالرحمن بن عوف رض [4] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۲،

حضرت سعدبن ابی وقاص رضؓ

نام، نسب، خاندان سعد نام، ابواسحٰق کنیت، والد کا نام مالک اور ابووقاص کنیت، والدہ کا نام حمنہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ننہال زہری خاندان میں تھی، اس لئے حضرت سعد وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا،[۱]

اسلام حضرت سعد وقاصؓ کا سنِ مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوتِ اسلام کی صدا سے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے مشرف ہوئے،

بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا، اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثینِ عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہوچکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا،[۲]

استقامت حضرت سعد وقاصؓ کی ماں نے لڑکے کی تبدیلِ مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا، پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرمانبردار اور اطاعت شعار تھے اس لئے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کی لذت آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر و شرک

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱ [۲] بخاری مع فتح الباری مناقب سعد وقاصؓ

کی طرف کس طرح رجوع ہوسکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب ودانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبینِ استقلال پر شکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شانِ استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیتِ الٰہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا،[1] وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا[2] الآیہ

مکہ کی زندگی اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نبوی تک مکہ ہی میں مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لئے مصائب وشدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے،

حضرت سعد وقاص رضی کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران وسنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش وعبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہؓ کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی، اور اسلام کا مذاق اڑانے لگی، حضرت سعد وقاص رضی کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے مارا کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد وقاص رضی کے ہاتھ سے عمل میں آئی،[3]

ہجرت مکہ میں جب کفار کے ظلم وستم سے مسلمانوں کا پیمانۂ صبر وتحمل لبریز ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم.... دیا، اس حکمِ عام کی بنا پر حضرت سعد وقاصؓ نے مدینہ کی راہ لی، اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے،[4] جنھوں نے ایامِ جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کرلی تھی،

یہاں پہونچکر مسلمانوں کو آزادی وطمانیت نصیب ہوئی، تاہم قریشِ مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ

---

[1] مسلم مناقب سعد وقاص [2] ترجمہ:- اگر والدین تجھکو میری ساتھ شرک پر مجبور کریں جنکا کوئی علم ویقین تیری پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر [3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۱ [4] ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۹۹

موجود تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بینی کر کے حضرت عبدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل وحرکت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرمایا، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ بھی اس جماعت مین شامل تھے، غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ مین قریش کی ایک بڑی تعداد سے مٹ بھیڑ ہوئی، چونکہ محض تجسس مقصود تھا، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، مگر حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کو کہان تاب تھی، انھون نے ایک تیر چلا ہی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہ خدا مین چلا گیا، [1]

دوسری دفعہ خود حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لئے روانہ کی گئی، چنانچہ یہ مقام خرار تک دورہ کر کے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی، اس کے بعد عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمن کی خبر گیری پر مامور ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک سربمہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھین اور اس کی ہدایتون پر عمل کرین، انھون نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس مین لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہان پہنچکر قریش کی نقل وحرکت کا پتہ چلائین، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیون کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا، مین کسی کو مجبور نہین کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جائے، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ اور تمام دوسرے ساتھیون نے جوش کے ساتھ سمعاً و طاعۃ کہا، لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کا اونٹ جو شترکہ طور پر دونون کی سواری مین تھا گم ہو گیا، اور اس طرح وہ دونون پیچھے چھوٹ گئے، عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے نخلستان مین پہنچکر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیون کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس مین رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی، اس لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا مین نے تمھین جنگ کا حکم نہین دیا تھا، مسلمانون نے بھی عبداللہ اور

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۳،

ان کے ساتھیون کو ملامت کی لیکن وحی الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا،

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ

(بقرہ ۲۷)

لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہین کہ اس مین لڑنا جائز ہے، کہدو اس مین لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجدِ حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ کشت وخون سے زیادہ برا ہے،

قریش فدیہ لیکر اپنے قیدیون کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ بن غزوانؓ اور سعد وقاصؓ کا کچھ پتہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک یہ دونون صحیح وسلامت پہونچ نہ جائین تمھارے قیدی رہا نہ ہون گے، غرض جب یہ دونون جان نثار واپس آگئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے،

غزوات

غزوۂ بدر معرکۂ بدر سے مستقل جنگون کی ابتدا ہوئی حضرت سعد وقاصؓ نے اس جنگ مین غیر معمولی شجاعت وجان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیلِ کفار کو تہِ تیغ کیا، حضرت سعدؓ کو اس کی ذوالکتیفہ نامی تلوار پسند آگئی تھی، لئے ہوئے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک تقسیمِ غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے ارشاد ہوا کہ جہان سے اٹھائی ہے وہین رکھدو،

حضرت سعدؓ کے برادرِ عزیز حضرت عمیرؓ اس جنگ مین شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض غمگین وملول واپس آئے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورۂ

انفال نازل ہوئی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دیدی[1]،

غزوۂ احد

سنہ ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ میں تیراندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن حضرت سعد وقاص رضؓ ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حضرت سعد رضؓ تیراندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لیے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے یاسعد ارم فداک ابی وامی، یعنی" اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں"[2]،

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سعد رضؓ کے سوا اور کسی کے لئے" فداک ابی وامی" کا جملہ نہیں سنا لیکن دوسری روایتوں میں حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہیں، بہرحال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوۂ احد میں یہ فخر صرف حضرت سعد وقاص رضؓ کے لئے مخصوص تھا[3]،

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہوچکا تھا، حضرت سعدؓ نے تعمیلِ ارشاد کے لئے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہوکر گر گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قادر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے یہاں تک کہ وندانِ مبارک نظر آنے لگے[4]،

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی

---

[1] مسند جلد اص ۱۸۰ و مسلم مناقب سعد وقاصؓ [2] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد [3] فتح الباری کتاب المناقب سعد وقاص رضؓ [4] مسلم کتاب المناقب مناقب سعدؓ،

اور تڑپ کر داخلِ سقر ہوا[1]

متفرق غزوات غزوۂ احد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، حضرت سعدؓ بہادری وجانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں اسی فدویت، جان نثاری اور ثبات وپامردی کا کارنامہ پیش کیا، جس کا اظہار غزوۂ احد میں کر چکے تھے،

غزوۂ طائف اور تبوک کی فوجکشی میں بھی شریک تھے، پھر سنہ ۱۰ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد وقاصؓ ہمرکاب تھے، لیکن مکہ پہنچکر سخت علیل ہو گئے، یہان تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہون لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہین ہے، اس لئے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کارِ خیر مین لگا دون؟ ارشاد ہوا "نہین" پھر عرض کی "دو ثلث نہین تو نصف سہی" حکم ہوا نہین صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے، تم اپنے وارثون کو مالدار و تونگر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگون کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے پھرین، تم جو کچھ بھی خدا کی رضاجوئی کے لئے صرف کروگے اس کا اجر ملے گا، یہان تک کہ اپنی بیوی کے منہ مین جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤگے[2]

ایک مبارک پیشینگوئی حضرت سعدؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ مین مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بیقراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکبار دیکھ کر پوچھا "روتے کیون ہو؟" عرض کی معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی، جس کو خدا اور رسول کی محبت مین ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشفی دیتے ہوئے ان کے قلب پہ ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی اللّٰھم اشف سعدًا! اللّٰھم اشف سعدًا[3] یعنی اے خدا سعد کو صحت عطا کر! سعد کو صحت عطا کر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک سے

---

[1] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی ص ۳۰ [2] مسلم کتاب الوصیۃ [3] ایضاً،

جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریضِ بسترِ مرگ کے لئے آبِ حیات ثابت ہوئے، یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح وتندرست ہوئے، ساتھ ہی یہ بشارت، سنائی کہ اے سعد! تم اس وقت تک نہ مروگے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے[1]، یہ پیشینگوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپکے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا،

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیق رض سقیفۂ بنی ساعدہ میں کثرت آراء سے مسند نشین خلافت ہوئے، حضرت سعد وقاص رض نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفۂ اول کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کرلی،

خلیفۂ اول نے صرف سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعیِ حق کو لبیک کہا اور فاروق اعظم رض کو جانشین کرکے رحلت گزینِ عالمِ جاودان ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہوکر شام و عراق پر فوجکشی کی ابتدا ہوچکی تھی، حضرت عمر رض نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش وخروش کی آگ بھڑکادی، اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کردیا خصوصاً عراق کی فوجکشی پر سب سے پہلے توجہ صرف کی، چونکہ حضرت سعد وقاص رض کے آیندہ کارناموں کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے وابستہ ہے، اس لئے اس ملک کی لشکرکشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج ذیل ہیں،

عراق کی فوجکشی

اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بارہا عربوں کے تفرق، اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھاکر تمام عرب کو تباہ وبرباد کردیا تھا، خصوصاً عراقِ عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جمالیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع پاتے بغاوت کردیتے تھے، چنانچہ پوران دخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے

---

[1] مسلم کتاب الوصیۃ،

باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی جمعیت فراہم کر کے عراق کی سرحد حیرہ اور اُبلہ کی طرف غارت گری شروع کر دی، یہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، مثنیٰ نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اس لئے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطۂ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا، اس بنا پر خلیفۂ اوّل نے مثنیٰ کو اجازت دیدی، اور حضرت خالدؓ سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا، انھوں نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لئے، لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ مثنیٰ کو اپنا جانشین کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں، لیکن خالدؓ سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعۃً سرد پڑ گئی،

حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول فرمائی اور حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک فوج گران کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انھوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متصلہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا، غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی، چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا، اس لئے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں، ابو عبیدہؓ نے سرداران فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا پار اتر کر مقابلہ کیا، لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہیے وہ ہوا یعنی مسلمانوں کو نہایت افسوسناک شکست ہوئی،

حضرت عمرؓ نے کمک بھیجکر فوج کو از سر نو مستحکم کر دیا اور چونکہ ابو عبیدہؓ کام آ چکے تھے اس لئے مثنیٰ شیبانی کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کی، انھوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے در پے

شکستین دیکر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کرلیا،

ایرانیون کو اب تک مسلمانون کی جارحانہ قوتون کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھین کھول دین، ارکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لئے نئی تدبیرین اختیار کین، پوران دخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندان کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک مین اتحاد، اتفاق اور جوش وخروش کی آگ بھڑکا دی، یہان تک کہ مسلمانون کے مفتوحہ مقامات مین بھی بغاوت وسرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور مثنیؓ کو مجبوراً عرب کی سرحد مین ہٹ آنا پڑا،

حضرت عمرؓ نے ان واقعات سے مطلع ہوکر تمام عرب مین پرجوش وجادوبیان خطیب پھیلا دیئے، کہ وہ اپنی پُرتاثیر تقریرون سے قبائل عرب کو جنگ مین شریک ہونے کے لئے آمادہ کرین، اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین دار الخلافت کی طرف جنگ آزما بہادرون کا ایک طوفان اُمنڈ آیا،

حضرت سعد وقاصؓ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے، انہون نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے، جن مین سے ہر ایک تیغ وتفنگ کا ماہر تھا، غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہوگئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لئے کوئی شخص موزون نظر نہ آتا تھا، حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی تو انھون نے بھی اس بارگران کے اٹھانے سے انکار کردیا، عوام کے اصرار سے خود حضرت عمرؓ تیار ہوگئے، لیکن اہل الرائے صحابہؓ مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہین ہے، لوگ اسی حیص بیص مین تھے کہ دفعۃً حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا کہ مین نے پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاصؓ، تمام حاضرین اس انتخاب پر پھڑک اٹھے، اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی[1]،

سپہ سالاری حضرت سعدؓ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، اس کے

[1] طبری ص ۲۲۱۵،

ساتھ بہادری و شجاعت میں بھی بے نظیر تھے، تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی وفخر کی نگاہ سے دیکھا، حضرت عمرؓ کو گو سپہ سالاری کے لحاظ سے ان کی قابلیتون کا تجربہ نہ تھا، تاہم انھون نے تائید عام سے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور ہر قسم کی ہدایتین اور نشیب و فراز سمجھا کر رزمگاہ کی طرف کوچ کرنیکی اجازت دیدی،

غرض اس طرح حضرت سعدؓ کی تاریخِ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب سے زیادہ درخشان وتابان ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے اولو العزم، حوصلہ مند اور خوش تدبیر نامآورون کی صف مین ان کو ممتاز کر دیا ہے، وہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے ثعلبیہ پہونچے، یہان تین مہینے تک قیام رہا، پھر وہان سے چل کر شراف مین خیمہ زن ہوئے، مثنی مقام ذی قار مین آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیون کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالارِ اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے رہ گزینِ عالمِ جاودانی ہوئے، معنی نے حسبِ ہدایت شراف مین آکر ملاقات کی اور مثنی نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، حضرت سعد وقاصؓ سے بیان کئے،

حضرت سعدؓ نے شراف مین اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا، جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری، پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ، فرودگاہ کا ڈھنگ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہان سے حکم آیا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائین کہ پست پر عرب کے پہاڑ ہون اور سامنے دشمن کا ملک ہو، چنانچہ وہ یہان سے روانہ ہو کر عذیب بن عجیون کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور مناسب موقعون پر مورچے جما دیئے،

حضرت سعدؓ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سردارانِ قبائل مین سے چودہ نامور اشخاص منتخب کرکے

سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہِ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دین، چنانچہ انھون نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین مین بڑی ردّ و قدح ہوتی رہی، آخر مین مسلمانون نے کہا اگر تم اسلام نہین قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہین کہ ایک دن تمھاری زمین ہمارے تصرف مین آئے گی، مسلمانون کی صاف بیانی پر غضبناک ہوکر مسلمانون کی اس دلیری پر جھلا کر خاک ڈھول منگا کر کہا لو یہ تم کو ملے گی، عمرو بن معدی کرب نے اس کو اپنی چادر مین لے لیا، اور سعدؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی"، غرض سفراء واپس آگئے، اور جنگ کی تیاریان شروع ہوگئین، عجمی سپہ سالار رستم نے بھی جو ساباط مین مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادسیہ مین ڈیرے ڈالے،

رستم کی فوجین قادسیہ پہنچین تو حضرت سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہین، نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ کی حالت دریافت کرنے کے لئے فوجی افسر متعین کر دیئے، اس مین کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت غنیم کے کیمپ مین گشت کر رہے تھے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا، تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی، لوگون نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعدؓ کے سامنے آکر اسلام قبول کیا، اور عجمی فوج کے بہت سے اسرار بیان کئے،

مدت تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی، رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا، اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتین روانہ کین، آخری سفارت مین مغیرہ بھیجے گئے لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضبناک ہوکر کہا کہ کل تمھاری فوجین تہ و بالا کر ڈالون گا، مغیرہ نے

واپس آکر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعدؓ نے بھی جوش وخروش کے ساتھ مسلمانون کو تیاری کا حکم دے دیا،

جنگِ قادسیہ

رستم اس قدر غضبناک ہوگیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمربندی کا حکم دیدیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کرکے میدانِ جنگ مین صف آرا ہوا، دوسری طرف حضرت سعدؓ کا لشکر بھی تیار تھا مشہور شعرا اور پرجوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریرون سے تمام بہادر سپاہیون کے شجاعانہ ولولے بھڑکا رہے تھے اس کے ساتھ قاریون کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتون نے جنت کے عاشقون کو بیتاب کر رکھا تھا،

حضرت سعدؓ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کئے، اور چوتھے پر جنگ شروع ہوگئی، گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ مین مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور خالد ابن عرطفہ کو قائم مقام کرکے میدانِ جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالاخانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے پرچون پر لکھ کر، اور گولیان بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتون کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے، ایک دفعہ ایرانی ہاتھیون کے ریلے سے قریب تھا کہ بجیلہ سوارون کے پاؤن اکھڑ جائین حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائین، پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی اور تیراندازی مین کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمھارا کمال ہاتھیون کے مقابلہ مین کیا ہوا، یہ سنکر انھون نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعتہً جنگ کا نقشہ بدل گیا، غرض تمام دن اسی زور کا رن ہوا، شام ہوئی تو دونون فریق اپنے اپنے پڑاؤ مین واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی مین یوم الارماث کہتے ہین،

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی، عین ہنگامہ کارزار مین شام کی امدادی فوجین بھی پہونچ

گئین، اس تائید غیبی سے مسلمانون کا جوش دوبالا ہوگیا اور اس زور شور سے تیغ وسنان اور تیر وتفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والون کی رگ شجاعت مین ہیجان پیدا ہو رہا تھا، ابو محجن ثقفی جن کو حضرت سعدؓ نے شراب خواری کے جرم مین اپنے قصر مین مقید کر دیا تھا، اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بیتاب ہو رہے تھے، ضبط نہ کر سکے تو سلمیٰ (سعدؓ کی بیوی) سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو، لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آکر بیڑیان پہن لونگا، سلمیٰ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگے،

کفی حزناان تردی الخیل بالقنا	واترک مشدودًا علی وثاقیا
اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیان کر رہے ہین	اور مین زنجیر مین بندھا پڑا ہون
اذا قمت عناني الحدید واغلقت	مصاریع دونی تصم المنادیا
جب مین کھڑا ہونا چاہتا ہون تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے	اور دروازے اسطرح سامنے بند کر دیئے جاتے ہین کہ پکارنیوالا پکارتے

ان اشعار سے سلمیٰ نے متاثر ہو کر انکی بیڑیان کاٹ دین اور وہ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ مین کود پڑے اور لوگون کو اپنی شجاعت وجانبازی سے متحیر کر دیا، حضرت سعدؓ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو محجن نے خود آکر بیڑیان پہن لین، سلمیٰ نے یہ حالات سعدؓ سے بیان کئے تو انھون نے کہا "خدا کی قسم مین ایسے فدائی اسلام کو سزا نہین دے سکتا"، اور اسی وقت رہا کر دیا، ابو محجن پر بھی اس قدر دانی کا یہ اثر ہوا کہ آیندہ شراب سے توبہ کر لی،

تیسرے روز حسب معمول پھر معرکہ شروع ہوا، حضرت سعدؓ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہوگئی اور جنگ کے زور وشور مین کچھ فرق نہ آیا، زیادہ دقت ہاتھیون کی وجہ سے تھی، وہ جس طرف جھک پڑتے تھے صفین کی صفین درہم برہم کر دیتے تھے، حضرت سعدؓ نے قعقاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیون کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیون کو مار لو تو پھر میدان تمھارے ہاتھ مین ہے، انھون نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیون کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود

بخو بھاگ کھڑے ہوئے، ہاتھیوں سے میدان صاف ہوتا تھا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب مین تیسرا نعرہ بلند کرون تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے، لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ قعقاع نے جوش سے بیتاب ہو کر حملہ کر دیا، حضرت سعدؓ نے فرمایا اللھم اغفر وانصرہ یعنی اے خدا تو قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا، قعقاع کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے، حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اس کو معاف کرنا اور معین و مددگار رہنا، غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لیکن بالآخر مسلمانون کے ثبات و استقلال نے ایرانیون کے پاؤن اکھاڑ دیئے، رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا،

حضرت سعدؓ نے بارگاہِ خلافت مین نامہ فتح روانہ کر کے مقتولین و مجروحین کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا، چونکہ وہ خود اس جنگ مین شریک نہ تھے اس لئے بعض سپاہیون کو ان کی طرف سے بدگمانی تھی، چنانچہ ایک شاعر نے علانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا،

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ	وسعد بباب القادسیۃ معصم
مین نے جنگ کی یہان تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی	حالانکہ سعد قادسیہ کے دروازہ سے چمٹے رہے،
فابناو قد آمت نساء کثیرۃ	ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم
ہم لوٹے تو بہت سی عورتین بیوہ ہوئین	حالانکہ سعد کی بیویون مین سے کوئی بھی بیوہ نہ ہوئی

حضرت سعدؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی،

عراق عرب پر عام لشکرکشی | حضرت سعدؓ نے معرکہ قادسیہ کے بعد ۱۵ھ مین تمام عراق عرب کو زیر نگین کر لینے کا تہیہ کر لیا، ایرانی بابل مین پناہ گزین تھے، اس لئے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے، انھون نے خود

عجمیون پر اس قدر رعب بٹھا دیا تھا کہ راہ مین بڑے بڑے سردارون نے پیشوائی کر کے صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجین آسانی کے ساتھ گذر جائین، بابل پہنچکر حضرت سعدؓ نے ایک ہی حملہ مین اس کو فتح کر لیا اور خود یہان قیام کر کے زہرہ کی افسری مین کچھ فوجین آگے روانہ کر دین، انھون نے کوثی پہنچکر دم لیا اور وہان کے رئیس شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا،

کوثی ایک تاریخی جگہ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہین قید کیا تھا چنانچہ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی، حضرت سعدؓ بابل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ،

کوثی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہان خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعدؓ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لئے چھوڑا گیا، اس نے تڑپ کر اسلامی شیرون پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشمؓ نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہین ڈھیر ہو گیا، حضرت سعدؓ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انھون نے ان کے قدم کا بوسہ دیا،

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اس اثنا مین متعدد ہونا ک جنگین ہوئین لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، ایک روز خود ایرانی فوجین تنگ آکر جوش و خروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلین اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہین، اسی حالت مین ان کا سپہ سالار شہر براز جو نہایت بہادر افسر تھا، ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ عجمی فوجین بھاگ کھڑی ہوئین، اور شہر والون نے صلح کا پھریرا اڑا دیا،

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیون نے مسلمانون کے خوف سے جہان جہان پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے لیکن حضرت سعدؓ کی اولوالعزمی کے

آگے دنیا کی کون چیز حائل ہوسکتی تھی؟ انھون نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا، برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن مین پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائین تو پھر مطلع صاف ہے، یہ کہہ کر گھوڑا دریا مین ڈال دیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھکر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈالدیے اور باہم باتین کرتے ہوئے دوسرے کنارے پہ جا پہنچے، ایرانی اس عجیب وغریب جوش و استقلال کا منظر دیکھ کر "دیوان آمدند" کہتے ہوے بھاگے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جارہا اور دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا لیکن مسلمانون نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کردیا، اور مدائن پہونچ کر شاہی محلات پر قبضہ کرلیا، یزدگرد شاہِ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب وسامان موجود تھا جو بجنسہ مدینہ روانہ کیا گیا،

حضرت سعدؓ جس وقت مدائن مین داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتین نکلین،

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ

(دخان ع ۲)

وہ کتنی ہی باغ، کسقدر باغ، چشمے، کھیتیان اور طرح طرح کی نعمتین، عمدہ عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسے جن میں خوش باش زندگی بسر کرتی تھین، اور ہم نے ان چیزون کا مالک دوسری قومون کو بنادیا،

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراقِ عرب پر تسلط قائم ہوگیا، بڑے بڑے رؤسا، اور جاگیردارون نے سپر ڈال کر صلح کرلی، اور تمام ملک مین امن وامان کی منادی ہوگئی، جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آگئے اور حاکم ومحکوم مین اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازدواج ومناکحت کا سلسلہ جاری ہوگیا،

عراقِ عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعدؓ کے اہتمام سے جلولا، اور تکریت پر فوج کشی

ہوئی اور نہایت کامیابی وفیروزمندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کردیا گیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ "دولت وحکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سدِ سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض سردست اسی پر اکتفا کرکے ممالکِ مفتوحہ کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لو"

امارت | اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہوگیا اور وہ والیِ ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم ونسق میں مصروف ہوگئے، اصل یہ ہے کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعدؓ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آئے، انہوں نے جس خوبی وعمدگی کے ساتھ اپنے عہدۂ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے، اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، دربار خلافت کے ایما سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمایش کرائی، اراضیِ مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا، اس کا نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن وآسایش کا انتظام کیا، عجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق وشفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کرلیا، چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء اسی اثر سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے، جمیل ابن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل اور فیروز وغیرہ جو عراق کے مشہور رؤساء تھے خود بخود مسلمان ہوگئے، اسی طرح دیلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔

تعمیر کوفہ | حضرت سعدؓ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب وہوا نے اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل دیا ہے، حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کرکے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کرکے اس کو

مرکز حکومت قرار دین، حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزون جگہ منتخب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی، عرب کے جدا جدا قبیلون کو جدا جدا محلون مین آباد کیا، وسط شہر مین ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جسمین تقریباً چالیس ہزار نمازیون کی گنجایش رکھی گئی، مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر کرایا جو قصر سعد کے نام سے مشہور تھا،

کچھ دنون کے بعد بیت المال مین چوری ہوگئی، حضرت سعدؓ نے اس کی رپوٹ دار الخلافت مین بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیون کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انھون نے روزبہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی، اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا، حضرت سعدؓ نے اس کی کاریگری کی بڑی قدر کی، اور خوش ہو کر اس کو دار الخلافت بھیجدیا، جہان ہمیشہ کے لئے اس کا روزینہ مقرر ہوگیا،

حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسط بازار مین تھا، اس لئے شور و شغب کے باعث باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا، انھون نے اس سے بچنے کے لئے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اس مین پھاٹک لگوایا، بارگاہ خلافت مین اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہل حاجت کے لئے یہ سد راہ نہ ہوجائے، حضرت محمد بن سلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس مین آگ لگادین، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعد وقاصؓ اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کئے،

سفری انتظامات کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہان تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے، ان کو علی قدر مراتب تنخواہین دی جاتی تھین، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیون پر افسر ہوتے تھے، جو امراء الاعشار کہلاتے تھے، تنخواہین ان کو دی جاتی تھین اور وہ اپنے ماتحت سپاہیون کو تقسیم کر دیتے تھے، ایک دفعہ امراے اعشار نے تنخواہون کی تقسیم مین بے اعتدالی کی، اور اس کی وجہ سے فوج مین برہمی کے آثار نمایان ہوئے، حضرت سعدؓ نے فوراً دربار خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا

اور فرمانِ خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگون کے عہدے اور روزینے مقرر کئے، اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیون پر ایک ایک افسر متعین کیا۔[1]

شام کی اسلامی فوجون نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیون کی مدد کے لئے روانہ ہوئے لیکن حضرت سعد وقاصؓ نے جو ملک کے اندرونی و سرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گران بھیجکر ان کو وہین روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔[2]

سنہ ۲۱ھ مین ایرانیون نے عراقِ عجم مین نہایت عظیم الشان جنگی تیاریان کین اور مسلمانون کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا، حضرت عمرؓ نے ان تیاریون کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزون مین اسلامی فوج کو بھی آراستہ کرنے کے احکام صادر کئے، کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا، حضرت سعد وقاصؓ نے یہان نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریان شروع کین اور دربارِ خلافت کے ایما سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی مین افسر مال تھے، اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہان ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو قصداً جنگ سے جی چراتی تھی اور کہتی تھی کہ بصرہ والون نے خوانخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے، حضرت سعد وقاصؓ نے بارگاہِ خلافت مین ان لوگون کی شکایت لکھی تو ان مین سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیون کو ان سے شدید عداوت پیدا ہو گئی اور انھون نے مدینہ پہنچکر شکایت کی کہ وہ نماز اچھی طرح نہین پڑھاتے، ظاہر ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی، حضرت عمرؓ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفعِ حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا، انھون نے کوفہ کی ہر ایک مسجد مین گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا، محمد بن مسلمہؓ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونون فریق کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ پہنچے، حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا اے سعد! تم کیسی نماز پڑھاتے

[1] طبری ص ۲۴۹۵ [2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۲۸،

ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور دونوں

آخری میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا بیشک تمھاری نسبت یہی گمان

ہو سکتا ہے[1]

معزولی اگو الزام بے بنیاد ثابت ہوا تاہم حضرت عمرؓ اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہو گئی

تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا، چنانچہ حضرت سعد وقاصؓ جن کو اپنا جانشین

بنا آئے تھے حضرت عمرؓ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی[2]،

حضرت سعد وقاصؓ کو اپنے اوپر اس بیہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا، فرمایا کرتے

تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر اندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو

خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھتا تھا[3]

فاروق اعظمؓ کی سفارش سنہ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی، حالتِ

نزع میں لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انھوں نے اس منصب کے لئے چھ آدمیوں

کے نام پیش کئے، ان میں ایک حضرت سعدؓ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر وہ خلافت کے لئے منتخب نہ ہو سکیں تو جو

منتخب ہو اسے چاہئے کہ ان کے خدمات سے فائدہ اٹھائے کیونکہ میں نے انھیں کسی کمزوری یا خیانت

کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا،

دوبارہ تقرری فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کے سر پر دستارِ خلافت

باندھی اور انھوں نے حسبِ وصیت حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری کے

تین سال بعد یعنی سنہ ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتممِ بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے

---

[1] طبری ص ۲۲۴۷، ۲۶۷۶ [2] ایضاً ص ۲۶۰۷ [3] بخاری باب مناقبِ سعدؓ

باعث پھر معزول ہوگئے[1]،

دورِ فتنہ اور حضرت سعدؓ کی گوشہ نشینی

حضرت سعدؓ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ مین عزلت نشینی اختیار کرلی یہان تک کہ جب خلیفہ ثالث کے آخری عہدِ حکومت مین فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری مین مخل نہ ہوا، البتہ جب مفسدین نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ حضرت علیؓ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے مقابلہ مین اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگون نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انھون نے معذرت کی اور کہا "مجھے ایسی تلوار تباؤ جو مسلم و کافر مین امتیاز رکھے[2]"

حضرت سعد وقاصؓ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعدؓ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل مین اونٹ چرا رہے تھے آکر کہا "کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل مین اونٹ چرائین اور لوگ بادشاہت و حکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائین"، حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا "خاموش! مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے[3]"،

جنابِ مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے جب پنچایت مقرر ہوئی، تو حضرت سعد وقاصؓ بھی اس خوشی مین کہ اب خانہ جنگیون اور خونریزیون کا خاتمہ ہوجائے گا فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلتکدہ مین واپس گئے اور تمام جھگڑون سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے،

وفات

حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق مین اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا،

---

[1] استیعاب جلد ۲ تذکرہ سعدؓ [2] ابن سعد جز و ۳ قسم اوّل ترجمہ سعد بن ابی وقاصؓ [3] اسد الغابہ تذکرہ سعدؓ مین اجمالاً اس کا ذکر ہے،

چنانچہ عزلت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی، آخر عمر میں قوی مضمحل ہو گئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ ۵۵ھ میں طائرِ روح نے باغِ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لئے اس قفسِ عنصری کو خیرباد کہا،[1] حضرت سعدؓ نے وصیت کی تھی کہ جنگِ بدر میں جو اونی کپڑا میرے جسم پر تھا اُس سے کفن کا کام لیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا[2] اور لاش مدینہ لائی گئی، بعض امہات المومنینؓ اس وقت تک زندہ تھیں، انھوں نے حکم دیا کہ اس جان نثارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ مسجد میں لایا جائے چنانچہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے نماز ادا کی گئی، امہات المومنینؓ بھی نماز میں شریک تھیں، کسی نے مسجد میں نمازِ جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن البیضاءؓ پر مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی؟"[3]

غرض اس تزک و احتشام کے ساتھ مقامِ بقیع میں مدفون ہوئے ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں وہ اپنے عظیم الشان کارناموں کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے اخلاف قیامت تک فخر و مباہات کے ساتھ ان پر رطب اللسان رہیں گے:

علم و فضل حضرت سعد وقاصؓ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعدؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحصیلِ علم میں کبھی پس وپیش یا شرم و حجاب دامنگیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہِ نبوت میں حاضر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا، حضرت سعدؓ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے، ارشاد ہوا مومن یا مسلم، لیکن حضرت سعدؓ کو تشفی نہ ہوئی، انھوں نے پھر اپنا سوال دہرایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا، غرض حضرت سعدؓ

[1] طبقات ابن سعد جزء ۳ ص ۔ [2] اسد الغابہ تذکرۂ سعد [3] ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرۂ سعد بن ابی وقاصؓ،

نے مکرر سہ کرر اس سوال کو جاری رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر تشفی کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیے دیتا ہوں وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے[1]،

اخلاق وعادات

حضرت سعدؓ کے مصحفِ اخلاق میں خشیتِ الٰہی، حبِ رسول، تقویٰ، زہد، بے نیازی، اور خاکساری سب سے روشن ابواب ہیں، خوف خدا اور عبادت گذاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے میں مسجد نبوی میں آکر نمازیں پڑھا کرتے تھے[2]، طبیعت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی لیکن اسلام میں ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان بن مظعونؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت اور تبتل سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کو اختیار کر لیتا[3]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وجان نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات میں ہمرکاب رہے، غزوۂ احد میں جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہؓ پریشانی اور گھبراہٹ میں منتشر ہو گئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انھوں نے اور حضرت طلحہؓ نے خیر الانامؐ کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا، سفر میں عموماً خود شوق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے گرد رات بھر پہرا دیتے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے میں آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی سعد بن ابی وقاصؓ، ارشاد ہوا تم کیسے آئے؟ عرض کی خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنا چاہیے، اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس

---

[1] بخاری کتاب الایمان باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۷۰، [3] ایضاً ص ۱۷۵،

جان نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔[1]

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے، انھوں نے حالت کفر میں غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک زخمی کیا تھا حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے "واللہ میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا"

اتباعِ سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، بعض اہل کوفہ نے دربارِ خلافت میں شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سر مو انحراف نہیں کرتا،[2]

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق میں تھا تشریف لیجا رہے تھے راہ میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا اس لئے انھوں نے اس کے اوزار چھین لئے، غلام کے مالک نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے، معاذ اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش کو واپس کر دونگا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا،[3]

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی، اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑوں کی متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، جسمیں سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا"[4]

تواضع اور خاکساری کا صرف اس سے اندازہ ہوگا کہ سپہ سالاری اور گورنری کے بعد بھی جب کہ کسریٰ کے وارثوں نے اپنا عظیم الشان محل ان کے لئے خالی کر دیا تھا ان کو اونٹ اور بکریاں تک

[1] مسلم مناقب سعدؓ [2] بخاری باب صفۃ الصلوۃ [3] مسلم باب فضل المدینہ [4] مسند جلد ۱ ص ۱۶۹،

چرانے میں عار نہ تھا، افسر کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ گھر میں آگ لگائی گئی تو وہ خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھتے رہے،

ذریعۂ معاش و جاگیر ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعدؓ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں جانبازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فدائیوں کی عسرت و تنگ حالی کو دولت و ثروت سے مبدل کر دیا، خیبر کی مفتوحہ آراضی میں جاگیر ملی، ایران کے مال غنیمت میں حصہ ملا، اسی طرح رفتہ رفتہ عراق میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض اخیر زندگی میں ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے کوفہ میں اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر بمقام عقیق میں عالیشان محلات تعمیر کرائے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا،

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، جسم فربہ، ناک چپٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط،

ازواج حضرت سعدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں،

بنتؓ الشہاب، بنت قیسؓ بن معدی کرب، ام عامرؓ بنت عمرو، زبدؓ، ام ہلالؓ بنت ربیع، ام حکیمؓ بنت قارظ، سلمیٰؓ بنت حفص، طیبہؓ بنت عامر، ام حجیرؓ،

اولاد حضرت سعدؓ کے چونتیس اولادیں تھیں، ان میں سے لڑکے سترہ تھے، لڑکیاں بھی اسی قدر تھیں، سب کے نام حسب ترتیب حسب ذیل ہیں،

لڑکے اسحاق اکبرؓ، عمرؓ، محمدؓ، عامرؓ، اسحاق اصغرؓ، اسماعیلؓ، ابراہیمؓ، موسیٰؓ، عبداللہؓ، عبداللہ اصغرؓ، عبدالرحمنؓ، عمیر اکبرؓ، عمیر الاصغرؓ، عمروؓ، عمرانؓ، صالحؓ، عثمانؓ،

لڑکیاں ام الحکم کبریٰؓ، حفصہؓ، ام القاسمؓ، کلثومؓ، ام عمرانؓ، ام الحکم صغریٰؓ، ام عمروؓ، ہندؓ، ام الزبیرؓ، ام موسیٰؓ، حمنہؓ، ام عمرؓ، ام ایوبؓ، ام اسحاقؓ، طہؓ، عمرہؓ، عائشہؓ

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ

نام ونسب خاندان عامر نام، ابو عبیدہ کنیت، امین الامۃ لقب، گو والد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلۂ نسب یہ ہے عامر بن عبد اللہ بن الجراح ابن ہلال بن اُہیب بن ضبہ بن الحارث بن الفہر القرشی الفہری، حضرت ابو عبیدہؓ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے،

ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں،

اسلام حضرت ابو عبیدہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے،[1]

ہجرت اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم و ستم سے دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت سعد بن معاذؓ میں باہم بھائی چارہ کرا دیا،[2]

غزوات مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور مبارزت طلبی کر کے میدان جنگ کی دعوت دی، چنانچہ غزوۂ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نہایت جانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار ہوئے، ان کے والد عبد اللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے، انھوں نے تاک تاک کر خود اپنے لختِ جگر کو نشانہ بنانا چاہا،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۹۷، [2] اصابہ جلد ۴ ص ۲۷،

حضرت ابو عبیدہؓ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے، لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوش توحید نسبی تعلق پر غالب آگیا، اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کردیا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں باپ، بھائی بہن، غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی،

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ	تم نہ پاؤگے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان
مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ	لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے
اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ	محبت رکھتے ہوں گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا
كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ	ان کے کنبہ ہی کے کیوں نہ ہوں، یہی وہ مسلمان
بِرُوْحٍ مِّنْهُ	ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کردیا ہے
(سورہ مجادلہ رکوع ۳)	اور اپنے فیضان غیبی سے ان کی مدد کی ہے،

غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا اور زرہ کی دو کڑیاں چبھ گئی تھیں، جس سے سخت تکلیف تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا، اگرچہ ان کڑیوں نے نکلتے نکلتے ان کے دو دانت شہید کردیئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری میں دو دانت کیا جان بھی نثار ہوجاتی تو پروانہ تھی،[1]

غزوۂ خندق، اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرم پیکار تھے، پھر ۶ھ میں جب قبیلۂ ثعلبہ اور انمار نے تحط زدہ ہوکر اطراف مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہ رسالت سے انکی سرکوبی پر مامور ہوئے، چنانچہ انھوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کردیا اور ایک شخص کو گرفتار کرکے لے آئے جس نے

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۵، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۹۸،

مدینہ پہنچ کر بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا[1]

اسی سال بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے، بلکہ مقام حدیبیہ میں قریشِ مکہ سے جو عہد نامہ طے پایا، اس پیمان کی شہادت بھی تھی،[2] پھر ۷ھ میں خیبر کی فتح کشی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے، اور اس کی فتح میں شجاعت وبہادری کے ساتھ حصہ لیا، ان مہمات سے فارغ ہونیکے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے انہوں نے دربارِ رسالت سے کمک طلب کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضؓ کی زیرِ امارت دو سو جنگی بہادر روانہ فرمائے، اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور عمر فاروق رضؓ جیسے جلیل القدر صحابہ رضؓ شامل تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی فوج سے مل گئی، تو قدرۃً امامت وسپہ سالاریِ عام کی بحث پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضؓ کی جلالتِ شان وعلوِ مرتبت کے مقابلہ میں حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو اس شرفِ گرامی کا استحقاق نہ تھا، تاہم اُن کی ضد اور اصرار سے حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے اطاعت کا طوق خود اپنے گلے میں ڈال لیا، اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کر کے غنیم کو زیر وزبر کر دیا،[3]

رجب ۸ھ میں ایک دوسری مہم خود حضرت ابو عبیدہ رضؓ کی زیرِ قیادت ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کی گئی، تاکہ قریشی قافلوں کی نقل وحرکت کا پتہ چلائیں، اور سامان رسد میں صرف کھجوریں ساتھ کر دی گئیں، یہاں تک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنوں تک صرف ایک ایک کھجور پر قناعت کرنا پڑی، لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کر دی اور سمندر کے کنارے ایک ایسی عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے عرصہ تک اس پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۲ [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۹۵

مدینہ واپس آئے[1]۔

اسی سال مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کی جنگین پیش آئین، حضرت ابو عبیدہ ان تمام معرکون مین جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے،

متفرق خدمات | جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابوعبیدہ کو بعض دوسری اہم خدمتین بھی سپرد ہوئین، مثلاً ۹ھ مین اہل نجران نے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوکر ایک معلمِ دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم و تلقین کے سوا ان کے جھگڑون کو بھی فیصل کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو عبیدہ اٹھ"، جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران نے مخاطب ہو کر فرمایا "یہ امت کا امین ہے، اس کو تمھارے ساتھ کرتا ہون[2]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی اور علاء بن الحضرمی کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت ابو عبیدہ ایک دفعہ وہان سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے، جب لیکر مدینہ پہنچے تو اس روز نماز صبح مین انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہوکر فرمایا شاید تم لوگون کو ابو عبیدہ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے، لوگون نے عرض کی "ہان یا رسول اللہ" سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "بشارت ہو کہ آج تمھین خوش کر دون گا، لیکن خدا کی قسم مین تمھارے فقر و افلاس سے نہین ڈرتا بلکہ مجھے خوف ہے کہ پہلی قومون کی طرح تمھارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائیگی، اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد و طمع نے ہلاک کر دیا ہے تمھین بھی ہلاک کرے گی[3]"

۱۰ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، حضرت ابو عبیدہ ہمرکاب تھے، اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور سقیفۂ بنی ساعدہ مین خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا، لیکن صلحاے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گیا، اس آتشِ خرمن سوز

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ سیف البحر، [2] بخاری قصۂ اہل نجران [3] بخاری کتاب الرقاق باب مایحذر من زہرۃ الدنیا،

کے بجھانے مین امین امت کی کوششین بھی کسی سے کم نہ تھین، چنانچہ انھون نے انصارؓ کو مخاطب کرکے فرمایا

یامعشر الانصار انکم کنتم اول من نصر فلا تکونوا اول من غیر[1] — اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اسلئے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی (نہ بنو)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خود ان کے نام کو پیش کرکے فرمایا، دیکھو یہ عمر بن الخطاب موجود ہین جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اُن کی ذات سے خدا نے دین کو معزز کیا ہے، یہ دیکھو عبیدہ بن الجراحؓ موجود ہین جن کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونون مین سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو، لیکن ان دونون بزرگون نے بالاتفاق صدیق اکبرؓ کی موجودگی مین اپنے استحقاق سے انکار کیا، اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی،[2] اس کے بعد تمام مہاجرین وانصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور فتنہ کا ابر تاریک افق اسلام سے چھنٹ گیا،

شام کی سپہ سالاری

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ مین ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابو عبیدہؓ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرجیل کو اردن پر، عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا، اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائین، تو ابو عبیدہؓ سپہ سالار عام ہون گے،

حضرت ابو عبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے، تو کثیر التعداد رومی فوجون کا سامنا ہوا، یہ دیکھکر انھون نے تمام اسلامی فوجون کو یکجا کر لیا، اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی، چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ جو عراق کی مہم پر مامور تھے، دربار خلافت کے حکم سے راہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیان لڑتے ہوئے شامی فوج سے آکر مل گئے، اور متحدہ فوج نے بصریٰ، فحل اور اجنادین کو فتح کرکے دمشق کا محاصرہ کر لیا،

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۳ [2] ایضاً

فتح دمشق دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ خلیفۂ اول نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، اور فاروق اعظمؓ کی ابتدائی حکومت مین خالد بن ولیدؓ بیدار مغزی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ فصیل پھاند گئے، اور شہر مین داخل ہوکر دروازے کھول دیئے، حضرت ابو عبیدہؓ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے، فوراً اندر گھس گئے، عیسائیون نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظم سے مصالحت کرلی، حضرت خالدؓ کو خبر نہ تھی، وہ شہر کے دوسرے حصہ مین سرگرم پیکار تھے، عیسائی آکر ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے، وسط بازار مین دونون آدمیون کا سامنا ہوا، حضرت ابو عبیدہؓ نے صلح کرلی، اور مفتوحہ حصہ کو بھی صلح مین رکھا، اور اس پر صلح کے شرائط جاری کئے[۱]،

معرکۂ فحل دمشق فتح کرکے اسلامی فوجین آگے بڑھین، اور مقامِ فحل مین خیمہ افگن ہوئین، اور رومیون کا بڑا دَل بَل کے سامنے مقامِ بیسان مین تھا، انھون نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت وشنید کے لئے ایک سفیر بلایا، چنانچہ حضرت معاذؓ بن جبل اسی عہدہ پر مامور ہوئے، لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور رومیون نے براہِ راست حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کرنے کے لئے قاصد بھیجا، جس وقت وہ پہنچا تو دیکھکر متحیر رہ گیا کہ یہان ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی رنگ مین ڈوبا ہوا ہے اور افسری اور ماتحتی کی کوئی تمیز نظر آتی، آخر اُس نے گھبراکر پوچھا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ لوگون نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، اس نے متعجب ہوکر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا ہان، قاصد نے کہا تمھاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیان دین گے، تم یہان سے چلے جاؤ، حضرت ابو عبیدہؓ نے انکار فرمایا، اور قاصد کے تیور دیکھکر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی، حضرت ابو عبیدہؓ ایک ایک صف مین جاکر کہتے تھے،

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر — خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ

[۱] ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۳۰

بالصبر فان اللہ مع الصابرین   خدا صبر کرنے والون کے ساتھ ہے،

حضرت ابوعبیدہؓ خود قلب فوج مین تھے، اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا رہے تھے، یہانتک کہ مسلمانون کی قلیل تعداد نے رومیون کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دیدی، اور ضلع اردن کے تمام مقامات فرزندانِ توحید کے زیرنگین ہوگئے،

فتح حمص

یہان سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے، اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہل حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی، تو انھون نے خود بخود شہر حوالہ کردیا[1]، حضرت ابوعبیدہؓ نے یہان عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑکر لاذقیہ کا رُخ کیا، اور راہ مین شیرز، حماۃ، معرۃ النعمان اور دوسرے مقامات مین اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزل مقصود پر دم لیا،

لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی، یعنی میدان مین بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے، اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہوگئے، شہر والون نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے، اس کو تائیدِ غیبی خیال کیا، اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار مین مصروف ہوگئے، لیکن حضرت ابوعبیدہؓ اسی رات کو اپنے سپاہیون کے ساتھ پلٹ کر غار مین چھپ رہے تھے، صبح کے وقت نکل کر دفعۃً شہر مین گھس گئے، اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کردیا[2]،

یرموک کی فیصلہ کن جنگ

رومیون کی متواتر ہزیمتون نے ان کے آتشِ غیظ وغضب کو بھڑکا دیا، اور ہرقل شہنشاہِ روم کی دعوت پر تمام اطرافِ ملک سے ٹڈی دل فوج مجتمع ہوگئی، حضرت ابوعبیدہؓ کو خود شامی امراء اور رؤساء نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہوگئے تھے، تمام

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۱۰۳ وفتوح البلدان ص ۱۳۷ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۹،

واقعات کی اطلاع دی، انھون نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریون کی تحقیقات کرکے اپنے ماتحت افسرون کو جمع کیا اور ایک پرجوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کے رد کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیان رضؓ نے کہا میری راے یہ ہے کہ عورتون اور بچون کو شہر مین چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لیے نکلیں، اس کے ساتھ خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئین "شرحبیل بن حسنہ نے کہا یزید کی راے یقیناً مخلصانہ ہے لیکن ہم کو اپنا ننگ و ناموس شہر کے عیسائی باشندون کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہیے" حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا، تو پھر سر دست اس کی تدبیر یہ ہے، کہ ہم عیسائیون کو شہر بدر کردین، شرحبیل نے اٹھ کر کہا، اے امیر یہ صریحاً نقض عہد ہوگا تجھکو ہرگز اس کا حق نہین ہے" حضرت ابوعبیدہؓ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کرلی، اور بالآخر بحث و مباحثہ کے بعد یہ راے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام فوجین دمشق مین مجتمع ہون، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے عیسائیون سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا، سب واپس کر دیا، اور فرمایا کہ یہ تمھاری حفاظت کا معاوضہ تھا لیکن جب ہم سر دست اس سے عاجز ہین تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہین ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کردی گئی، عیسائیون پر اس حق پسندی و انصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدا تم کو پھر واپس لائے"[1]،

دمشق مین جب اسلامی فوجین مجتمع ہوگئین تو حضرت ابوعبیدہؓ نے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان مین جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا، مورچہ جمایا، اسی اثنا مین اردن سے حضرت عمرو بن العاصؓ کا خط پہنچا کہ آپ کی معاودت نے اس علاقہ پر نہایت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت و شورش پھیل گئی ہے، حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب مین لکھا کہ ہم کو مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑا تاکہ تمام منتشر قوت مجتمع ہو جائے، بہرحال تم اپنی جگہ جمے رہو مین عنقریب آکر تم سے ملتا ہون،

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۳، ۱۴۴،

مسلمانون کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیون کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچکر مسلمانون کے مقابلہ مین خیمہ زن ہوئے تاہم جو عربی تلوار کا مزہ چکھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے، سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی، غرض جارج نامی ایک رومی قاصد اسلامی لشکرگاہ مین پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے، اس وقت شام ہو چکی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمانون کے موثر طریقۂ عبادت، خشوع وخضوع اور محویت و استغراق نے اس پر عجیب وغریب کیفیت طاری کی، وہ استعجاب کے ساتھ دیکھتا رہا، یہان تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابو عبیدہؓ سے چند سوالات کئے جن مین ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتین پڑھین،

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ أَلْقٰهَا إِلٰى مَرْيَمَ (نساء ع ۲۳)	اے اہل کتاب اپنے دین مین زیادہ غلو نہ کرو، اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط باتین نہ منسوب کرو حقیقت مین مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہین جس کو اس نے انکی طرف ڈالدیا تھا،
لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (نساء ع ۲۳)	مسیح بن مریم اور ملائکہ مقربین کو خدا کی بندگی مین عار نہین ہے،

جارج نے ان آیتون کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا بے شک عیسیٰؑ کے یہی اوصاف ہین اور درحقیقت تمھارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہکر بطیب خاطر مسلمان ہو گیا، وہ اپنی قوم مین واپس جانا نہین چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیون کو بدعہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا، اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہان سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا،[1]

---

[1] طبری کے نزدیک جارج خالدؓ کی کوششون سے اسلام لایا،

غرض دوسرے روز حضرت خالدؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونوں فریق اور بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو گئے، کیونکہ مسلمانوں کی صرف دو شرطیں تھیں جو ہر موقع پر پیش کی جاتی تھیں اور جن میں تغیر و تبدل قطعاً ناممکن تھا یعنی "اسلام" یا "جزیہ" دوسری طرف رومی جو اپنی شاہنشاہی کے نشہ میں سرشار تھے ایسے شرائط کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے،

بہرحال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد میں صرف تیس بتیس ہزار تھے تاہم افسرانِ فوج کی دانشمندی، فنِ سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤں اکھاڑ دیئے، اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے، مسلمان بھی کم و بیش تین ہزار شہید ہوئے، جن میں ضرار بن ازورؓ، ہشام بن العاصؓ، ابانؓ، سعیدؓ وغیرہ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے،

فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے خیر مقدم کے لئے تیار تھا، حضرت ابوعبیدہؓ نے حمص پہنچکر حضرت خالدؓ سیف اللہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے یہ دونوں مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہو گئے، چند دنوں کے بعد اہل انطاکیہ نے بھی سپر ڈالدی، غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا،

بیت المقدس ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد تھی، چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کر کے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آملے، عیسائیوں نے ایک عرصہ کی قلعہ بندی سے تنگ آکر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدۂ صلح لکھیں، حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھکر اس شرط سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی، حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہو کر مقام جابیہ پہنچے، حضرت ابوعبیدہؓ

نے اپنے ماتحت افسرون کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بیت المقدس کے نمایندے بھی یہین پہنچے اور معاہدۂ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہوگیا،[1]

رومیون کی آخری کوشش شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیون کے لئے سخت سوہان روح تھا، انھون نے جزیرہ اور آرمینیہ والون کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے،

حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی ادھر اُدھر سے فوجین جمع کین اور دربار خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا، چنانچہ امیر المومنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابو عبیدہؓ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لئے آگے بڑھے، میدان جنگ مین پہنچکر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پر جوش و مؤثر تقریر کے بعد فرمایا "مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک ومال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی، مین گواہی دیتا ہون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص مرے اور مشرک ہوکر نہ مرے وہ ضرور جنت مین جائے گا،" اس زمانہ مین اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا مجسم پتلا تھا، اس تقریر نے اور بھی گرمادیا، غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کردیا کہ رومیون کے پاؤن اکھڑ گئے اور مرج الدیباج تک بھاگتے چلے گئے، اسی طرح رومیون کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انھین کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا،

امارت حضرت خالدؓ سیف اللہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے، لیکن ۱۸ھ مین حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کرکے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو تفویض کیا، حضرت خالد دمشق سے روانہ ہونے لگے تو انھون نے لوگون سے کہا، "تمھین خوش ہونا چاہئے کہ امین امت تمھارا والی ہے" حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کے جواب مین کہا، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "خالد خدا کی تلوارون مین سے ایک تلوار

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۵

ہے" غرض اسی لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد ملکی انتظامات مین مصروف ہوئے،

حضرت عمرؓ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام مین جو مختلف اصلاحین جاری کین، ان مین سے اکثر حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل مین آئین ۱۸ھ مین جب عرب مین قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے[1]، اشاعتِ اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا، چنانچہ قبیلۂ تنوخ، بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام مین آباد ہو گئے تھے اور عیسوی مذہب کے پیرو تھے، صرف ابو عبیدہؓ کی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے،

طاعونِ عمواس ۱۸ھ مین تمام ممالک مفتوحہ مین نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی، خصوصاً شام مین اس نے بہت نقصان پہنچایا، یہان تک کہ حضرت عمرؓ خود تدبیر و انتظام کے لئے دار الخلافہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے، حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے سردارون نے یہان استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے شدت کی کیفیت سنکر پہلے مہاجرینؓ اور پھر انصارؓ سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائین دین، اس کے بعد مہاجرینِ فتح سے جو عموماً قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا، انھون نے یک زبان ہو کر کہا کہ سردست یہان سے لوگون کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے منادی کرا دی کہ مین کل صبح واپس جاؤن گا، سب ساتھ چلین، چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے، اس لئے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزادی کے ساتھ کہا، افرارا من قدر اللہ، یعنی تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو، حضرت عمرؓ عموماً حضرت ابو عبیدہؓ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے اس لئے انھون نے کہا کاش! تمھارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا، ہان تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہون لیکن تقدیر

[1] طبری ص ۲۵۷۷

الٰہی کی طرف[1]

غرض حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھ کر بلایا کہ کچھ دنوں کے لئے یہان چلے آؤ، تم سے کچھ کام ہے، حضرت ابو عبیدہؓ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدر ہے وہ ہوگا مین مسلمانون کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہان سے ٹل نہین سکتا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہین لیتے تو پھر تاکید لکھا کہ فوج کو لیکر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ، اس وقت جہان پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے انتخاب پر جابیہ اٹھ گئے[2]،

جابیہ پہنچکر حضرت ابو عبیدہؓ طاعون مین مبتلا ہوئے، جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی، تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو جو ان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگون کو جمع کرکے ایک نہایت مؤثر تقریر کی آخر مین فرمایا "صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمھارے نبی کریم کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحاے روزگار اس مین جان بحق ہوئے ہین، اور اب عبیدہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت مین حصہ پانے کا متمنی ہے[3]"

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الٰہی یعنی عبیدہ بن الجراحؓ امین الامت نے داعیِ حق کو لبیک کہا، حضرت معاذؓ ابن جبل نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر و پردرد تقریر کے بعد کہا صاحبو! آج تم مین سے ایک ایسا شخص اٹھ گیا کہ خدا کی قسم مین نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیرچشم، عاقبت اندیش، باحیا اور خیرخواہِ خلق کبھی نہین دیکھا، پس خدا سے اس کے لئے رحم و مغفرت کی دعا کرو[4]

[1] مسلم باب الطاعون، [2] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۵۹، [3] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶، [4] اصابہ جلد ۴ ص ۱۲

حضرت ابو عبیدہؓ نے اٹھاون برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ مین اپنے حیرت انگیز کارنامون کا منظر دکھا کر ۱۸ھ مین اس دنیا سے رخصت ہو گئے، فانا للہ وانا الیہ راجعون

اخلاق وعادات حضرت ابو عبیدہؓ کے صحیفۂ اخلاق مین خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقوی، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہین،

خوف خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لئے سرمایۂ عبرت بنجاتے اور اکثر خدا کی ہیبت وجلال کو یاد کرکے چشم پر نم ہو جاتے تھے ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار وقطار رو رہے ہین اس نے متعجب ہوکر پوچھا ابو عبیدہؓ خیر ہے؟ یہ رونا دھونا کیسا ہے؟ کہنے لگے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانون کے آیندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا، ابو عبیدہ! اگر اس وقت تک تمھاری عمر وفا کرے تو تمھارے لئے صرف تین خادم کافی ہون گے، ایک خاص تمھاری ذات کیلئے، ایک تمھارے اہل وعیال کے لئے اور ایک سفر مین ساتھ جانے کے لئے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہین، ایک تمھارے لئے، ایک غلام کے لئے اور ایک اسباب وسامان کے لئے، لیکن اب دیکھتا ہون تو میرا گھر غلامون سے اور اصطبل گھوڑون سے بھرا ہوا ہے، آہ! مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منھ دکھاؤن گا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال مین ملے گا جس حال مین مین اسے چھوڑ جاؤن گا،[1]

ہادیِ دین کی اطاعت، محبت اور خدمت گذاری مین امینِ امت سے زیادہ کون پیش پیش رہتا؟ واقعۂ بدر مین باپ کو قتل کیا، رسولِ برحق کی راحت رسانی کے لئے دو دانت شہید کئے، غزوۂ ذات السلاسل مین حضرت عمرو بن العاصؓ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لئے طوقِ اطاعت گلے مین ڈال لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ مین تمھاری اطاعت

[1] مسند ج ۱ ص ۱۹۶

نہیں کرتا بلکہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گردن جھکاتا ہوں۔[1]

امینِ امت کا آخری لمحہ حیات بھی اطاعتِ رسول میں گذرا، شام میں طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے، لیکن انھوں نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے، ان کی نظر میں دنیا اور اس کی نعمتیں ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھیں،

شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہ کے طرزِ معاشرت کو بدل دیا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفرِ شام کے موقع پر افسروں کو پرتکلف قبائیں اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جس حال میں ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی، بدن پر سادہ کپڑے اور سواری میں اونٹنی جس کی نکیل بھی معمولی رسی کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی تھی، یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامانِ راحت نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ابو عبیدہ! کاش تم ضروری ضروری سامان تو فراہم کر لیتے"، اس بے نیازِ عالم نے جواب دیا "امیر المومنین! ہمارے لئے یہی بس ہے"۔[2]

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انھوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہ رکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا، الحمد للہ کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔[3]

امینِ امت کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انھوں نے باوجود سپہ سالارِ اعظم ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، رومی سفراء جب کبھی اسلامی لشکرگاہ میں آئے تو انھیں اس

[1] مسند جلد اص ۱۹۶ [2] اصابہ جلد ۳ ص ۱۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۰۱

سردارِ فوج کی شناخت مین وقت پیش آئی، ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا، وہ یہ دیکھکر متحیر ہوگیا کہ یہان سب ایک ہی رنگ مین ڈوبے ہوئے ہین، بالآخر اس نے گھبراکر پوچھا تمھارا سردار کون ہے؟ لوگون نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب فرشِ خاک پر بیٹھا ہے،

مساواتِ اسلامی کا حد درجہ خیال تھا، ان کے لشکرگاہ مین ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے، ایک دفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن سپہ سالارِ اعظم حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے فرمایا کہ ہم اس کو پناہ دیتے ہین کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے[1]؛

حضرت ابو عبیدہؓ کا خلق و ترحم تمام خلق اللہ کے لئے عام تھا، شام مین ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیون کو بھی مرہونِ منت بنا رکھا تھا، وہان عیسائیون کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گذرگاہون مین صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی، لیکن انھون نے عرضی پیش کی کہ کم سے کم سال مین ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے حضرت ابو عبیدہؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کرلی، اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیون کے دشمن ہوگئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے،

حضرت ابو عبیدہؓ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہین تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبۂ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچون سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا،

---

[1] مسند جلد اص ۱۹۵،

حلیہ — حلیہ یہ تھا، قد لمبا، جسم نحیف ولاغر، چہرہ کم گوشت، سامنے کے دو دانت خدمت رسول میں قربان ہوگئے تھے، ڈاڑھی گھنی نہ تھی، اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے،

اولاد وازواج — حضرت ابوعبیدہؓ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی، ہند بنت جابر سے یزید اور ورجاء سے عمیر پیدا ہوئے، لیکن دونوں لاولد فوت ہوئے،

حضرت سعیدؓ بن زید

نام، نسب، خاندان — سعید نام، ابوالاعور کنیت، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح ابن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی،

حضرت سعید بن زیدؓ کا سلسلۂ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نفیل پر حضرت عمرؓ سے مل جاتا ہے، حضرت سعیدؓ کے والد زید اُن سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کہ مشرکین کے ذبیحہ سے بھی مجتنب رہے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بعثت وادی بلدحؔ[1] میں ملاقات ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرمایا، پھر زید سے کہا گیا تو انھوں نے بھی انکار کیا اور کہا، میں بتوں کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا،[2]

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجوے حق میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی، اور شام پہنچکر ایک یہودی عالم سے مقصود کی رہبری چاہی، اس نے کہا اگر خدا کے غضب میں حصہ

[1] تنعیم کی راہ میں ایک مقام کا نام تھا فتح الباری جلد ۷ ص ۱۰۸، [2] بخاری باب حدیث زید ۱۲

لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے، زید نے کہا "مین اسی سے بھاگا ہون، پھر اس مین گرفتار نہین ہو سکتا البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ" اس نے دین حنیف کا پتہ دیا، انھون نے پوچھا "دین حنیف کیا ہے،" بولا "دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے، یہان سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے، اس نے کہا "اگر خدا کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے" زید نے کہا "خدارا کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس مین نہ خدا کا غضب ہو نہ لعنت، مین ان دونون سے بھاگتا ہون،" بولا "میرے خیال مین ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے،" غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونون ہاتھ اٹھا کر کہا "خدایا! تجھے گواہ بناتا ہون کہ اب مین دین حنیف کا پیرو ہون[۱]"

زید کو اس کفرستان مین اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی کی بڑی صاحبزادی حضرت اسمأؓ کا بیان ہے کہ مین نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے "اے گروہ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم مین کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہین ہے[۲]"

ایام جاہلیت مین اہل عرب عموماً اپنی لڑکیون کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن خدائے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم ہستیون کے بچانے مین خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے حلق پر چھری پھیرنا چاہتا تھا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے "جی چاہے لے لو یا میری ہی کفالت مین رہنے دو[۳]"

اسلام جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت مین دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوت توحید شروع کی، تو گو اس کے سچے شیدائی زید صفحۂ ہستی پر موجود نہ تھے تاہم

۱؎ بخاری باب حدیث زید مین مفصل قصہ مذکور ہے ۱۲ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً

ان کے فرزند سعیدؓ کے لئے یہ آواز بالکل مانوس تھی، انھون نے نہایت جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے،

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے ناآشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیل مذہب کا حال سنکر نہایت برافروختہ ہوئے اور دونون میان بیوی کو اس قدر مارا کہ لہولہان ہو گئے، لیکن یہان کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ اس تمام زدوکوب کا صرف یہی ایک جواب تھا؂

من زجانان گرچہ صد اندوہ جان آخوہم کشید | تانہ پنداری کہ جو ر ابرکران خواہم کشید

یہان تک کہ ان بزرگون کی اسی استقامت و استقلال نے خود حضرت عمرؓ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھا دیا، اور بالآخر عمرؓ بن الخطاب سے فاروقِ اعظم بنا دیا،

ہجرت اور غزوات | حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے، اور حضرت رفاعہ بن عبد المنذرؓ انصاری کے مہمان ہوئے، کچھ دنون کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مین اور حضرت رافع بن مالکؓ انصاری مین بھائی چارہ کرادیا،[۱]

سنہ ۲ھ مین قریشِ مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگِ بدر پیش آئی ملک شام سے آرہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت طلحہؓ کو اس تجسس پر مامور فرمایا، یہ دونون حدودِ شام مین تجار پہنچکر کشد جہنی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہان سے آگے بڑھا تو نظر بچاکر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کیفیت سے مطلع کرین، لیکن قافلہ نے کچھ سن گن پاکر ساحلی راستہ اختیار کیا، اور کفارِ قریش کی ایک بڑی جمعیت جو اس کی مدد کے لئے آئی تھی، اور پرستارانِ حق کے درمیان بدر کے میدان مین وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے

---

[۱] ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۱۹۲ [۲] طبقات ابن سعد حصہ ۳ برہین ترجمہ سعید بن زیدؓ

اسلام کو ہمیشہ کے لئے سربلند کردیا،

غرض جس وقت حضرت سعیدؓ مدینہ پہنچے اس وقت غازیانِ دین فاتحانہ سرور و انبساط کے ساتھ میدانِ جنگ سے واپس آرہے تھے چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے مالِ غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا اور جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی[1]،

حضرت سعیدؓ جنگِ بدر کے سوا تمام غزوات میں مردانگی و شجاعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہیں ملتا،

عہدِ فاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعیدؓ حضرت ابوعبیدہؓ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے، دمشق کے محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں نمایاں شجاعت و جانبازی کے ساتھ شریکِ کارزار تھے، اثنائے جنگ میں حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا، لیکن شوق جہاد نے اس سے بیزار کردیا، حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کرسکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، اس لئے خط پہنچنے کے ساتھ کسی کو میری جگہ بھیج دیجئے میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں، حضرت ابوعبیدہؓ نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعیدؓ پھر میدان رزم میں پہنچ گئے،

وفات | فتحِ شام کے بعد حضرت سعیدؓ کی تمام زندگی نہایت سکون و خاموشی سے بسر ہوئی، یہاں تک کہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ستر برس تک اس سرائے فانی میں رہ کر رحلت گزینِ عالمِ جاودان ہوئے، چونکہ نواحِ مدینہ میں بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا اس لئے وہیں وفات پائی، جمعہ کا دن تھا حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرۂ سعید بن زیدؓ، [2] ایضاً حصۂ بدریین تذکرۂ سعید بن زیدؓ،

عبداللہ بن عمرؓ نمازِ جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی اُسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہو گئے، حضرت سعد وقاصؓ نے غسل دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مدینہ لاکر سپردِ خاک کیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، [1]

ذاتی حالات اور اخلاق وعادات

حضرت سعیدؓ کا دل دنیاوی جاہ وحشمت سے مستغنی تھا، صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی، آخر میں حضرت عثمانؓ نے عراق میں بھی ایک جاگیر دی تھی،

امیر معاویہؓ کے عہد میں اروی نام ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار میں شکایت کی کہ انھوں نے اس کی کچھ زمین دبالی ہے، مروان نے تحقیقات کے لئے دو آدمی متعین کئے، حضرت سعیدؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے" پھر مروان سے کہا، کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر کوئی کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم وزبردستی سے لے گا تو ویسی ویسی سات زمینیں قیامت میں اس کے گلے کا ہار ہوں گی" مروان نے قسم کھانے کو کہا تو یہ اپنی زمین سے باز آگئے اور اس عورت کے حق میں بددعا کے طور پر فرمایا "اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہو کر مرے اور اس کے گھر کا کنواں خود اس کے لئے قبر بنے، خدا کی قدرت بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہو گئی اور ایک روز گھر کے کنویں میں گر کر راہی عدم ہوئی، چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لئے ضرب المثل ہو گیا، اور وہ عموماً یہ بددعا دینے لگے، اعماک اللہ کما اعمی اروی [2]"

[1] طبقات ابن سعد حصہ ۳ بدریین تذکرہ سعید بن زیدؓ، [2] استیعاب جلد ۲ ص ۵۵۴

حضرت سعیدؓ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے، بیسیون خانہ جنگیان پیش آئین اور گو وہ اپنے زہد و اتقاء کے باعث ان جھگڑون سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے مین تامل نہین کرتے تھے، حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد مین فرمایا کرتے تھے "تم لوگون نے عثمانؓ کے ساتھ جو سلوک کیا، اس سے اگر کوہِ احد متزلزل ہو جائے تو کچھ عجب نہین[1]"۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، ایک روز وہ جامع مسجد مین عوام کے ایک حلقہ مین بیٹھے تھے کہ حضرت سعید بن زیدؓ داخل ہوئے تو انھون نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بیٹھایا، اسی اثناء مین ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان مین نا ملائم کلمات استعمال کرنے لگا، حضرت سعیدؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے "مغیرہ! مغیرہ! لوگ تمھارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثارون کو گالیان دیتے ہین اور تم منع نہین کرتے، اس کے بعد اصحاب عشرہؓ مین سے آٹھ آدمیون کا نام لیکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو مین نوین آدمی کا نام بھی لے سکتا ہون، لوگون نے اصرار کیا تو فرمایا نوان مین ہون[2]"۔

حضرت سعیدؓ کے حالات بہت کم معلوم ہین تاہم وہ بالاتفاق ان صحابۂ کرامؓ مین تھے جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ ہین، وہ لڑائیون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رہتے تھے اور نماز مین پیچھے[3]۔

حلیہ یہ تھا قد لانبا بال بڑے بڑے اور گھنے۔

اہل و عیال حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کی تھین، بیویون کے نام یہ ہین،

[1] بخاری باب اسلام سعید بن زیدؓ [2] مسند جلد ۱ ص ۱۸۷، [3] اسد الغابہ ترجمہ سعید بن زیدؓ

فاطمہ (ام ابجیل) ملیسہ بنت سوید، امامہ بنت الدبخچ، حزمہ بنت قیس، ام الاسود، ضحیٰ بنت الاصبغ، بنت تسریہ، ام خالد، ام بشیر بنت ابی مسعود انصاری،

ان بیویوں نیز لونڈیوں کے بطن سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی، لیکن ان میں سے اکثر لاولد ہوئی، جن لڑکوں اور لڑکیوں کے نام معلوم ہو سکے، وہ علحدہ علحدہ درج ذیل ہیں،

لڑکے	عبد الرحمن اکبر، عبد الرحمن اصغر، عبد اللہ اکبر، عبد اللہ اصغر، عمر اکبر، عمر اصغر، محمد، اسود، زید، طلحہ، خالد، ابراہیم اکبر، ابراہیم اصغر،
لڑکیاں	عاتکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمیٰ، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صغریٰ، ام زید کبریٰ، ام زید صغریٰ، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبد الحولاء، ام صالح[1]

سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضہ

نام ونسب	حمزہ نام، ابو یعلیٰ اور ابو عمارہ کنیت، اسد اللہ لقب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی

چچا تھے، ماں کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کی چچازاد بہن تھیں، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم ابن عبد مناف بن قصی،

اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہ رضہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثوبیہ رضہ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا، سن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس بڑے تھے، شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا، سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی، چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا،

[1] ازواج و اولاد کی تمام تفصیل طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث سے ماخوذ ہے،

اسلام | دعوتِ توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انھیں صحرا نوردی اور سیر و شکار سے کب فرصت تھی جو شرک و توحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز جب معمول شکار سے واپس آرہے تھے، کوہِ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے، وہ خانۂ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابوجہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا، لیکن محمد نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگِ حمیت میں جوش آگیا، تیزی کے ساتھ خانۂ کعبہ کی طرف بڑھے، ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوشِ انتقام نے مغلوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانۂ کعبہ پہنچکر ابوجہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابوجہل کی مدد کے لئے دوڑے، اور بولے، حمزہ شاید تم بھی بددین ہو گئے،، فرمایا وہ جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہو گئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟[1] ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے رسول ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم اب میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو،، ابوجہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم میں نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں،

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتوان ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سدِ باب ہو گیا،

۱؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۹۳،

کیونکہ ان کی شجاعت وجانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا،[1]

حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانۂ نبوی پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لئے صحابہ کرامؓ کو تردد ہوا لیکن اس شیر خدا نے کہا، کچھ مضائقہ نہیں آنے دو اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا" غرض وہ اندر داخل ہوئے تو کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے،[2]

مواخات | مکہ کی مواخات میں حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہ حضرت حمزہؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے، ان کو حضرت زیدؓ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لیجاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کرجاتے تھے،[3]

ہجرت | بعثت کے تیرہویں سال تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے، جہاں ان کو زور بازو اور خدا داد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ پہلا اسلامی پھریرا ان ہی کو عنایت ہوا، اور تیس آدمیوں کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کئے گئے کہ قریشی قافلوں کے سدِّ راہ ہوں، غرض وہاں پہنچکر ابو جہل کے قافلہ سے جس میں تین سو سوار تھے مٹ بھیڑ ہوئی اور طرفین نے جنگ کے لئے صف بندی کی، لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کرکے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہؓ بغیر کشت وخون واپس آئے،[4]

غزوات | اسی سال ماہ صفر میں خود حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ قریش مکہ کی نقل وحرکت میں سدِّ راہ ہونے کے لئے ابواء پر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی لیکن قریش کا قافلہ آگے

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حمزہؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ۳ ص ۱۰ و ۱ [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث،

[4] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی ص ۲،

بڑھ چکا تھا، اس لئے جنگ وجدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ بنو ضمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا۔[۱]

اسی طرح ۲ھ میں غزوۂ عشیرہ میں آیا، اس میں بھی علمبرداری کا طرۂ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستارِ فضل وکمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف بنو مدلج سے امداد باہمی کا ایک عہد نامہ طے پایا۔[۲]

غزوۂ بدر اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عتبہ، شیبہ، اور ولید نے کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی، تو غازیانِ دین میں سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا "محمدؐ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے ہمارے مقابل والوں کو بھیجو"، ارشاد ہوا "حمزہؓ! علیؓ! ابیدہؓ! اٹھو اور آگے بڑھو"، حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی حملہ میں عتبہ کو واصلِ جہنم کیا، حضرت علیؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی وہ زخمی ہوگئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کرکے اس کو تہِ تیغ کر دیا،[۳] یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جوشِ انتقام میں آگے بڑھا لیکن شیرِ خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدینِ اسلام بھی اپنے دلاوروں کو نرغہ میں دیکھ کر ٹوٹ پڑے، نہایت گھمسان کا رن پڑا، اسد اللہ حمزہؓ کے دستار پر شتر مرغ کی کلغی تھی، اس لئے جس طرف گھس جاتے صاف نظر آتے تھے، دونوں ہاتھ میں تلوار تھی اور مردانہ وار دو دستی حملوں سے پرے کے پرے صاف کر رہے تھے، غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں نے پوچھا "یہ کلغی لگائے کون ہے؟" لوگوں نے کہا "حمزہؓ!" بولے "آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا"۔[۴]

غزوۂ بنی قینقاع بنو قینقاع نامِ اطرافِ مدینہ میں یہودیوں کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبد اللہ بن

[۱] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳ [۲] ایضاً ص ۴ [۳] ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۲۴ [۴] اسد الغابہ تذکرۂ حمزہؓ

ابی سلول کے حلیف تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستانہ معاہدہ طے پا گیا تھا، لیکن غزوۂ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک وحسد کی آگ بھڑکا دی، اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوج کشی فرمائی، اور بزور اطراف مدینہ سے جلا وطن کر دیا، حضرت حمزہ رضؓ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے،[1]

غزوۂ احد | بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے توسن غیرت کے لئے تازیانہ کا کام کیا، اور جوش انتقام سے برانگیختہ ہو کر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہ احد کے دامن میں، اس کو روکا، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہ رضؓ اپنی شمشیر خارا شگاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور للکار کر کہا "اے سباع! اے ام انمار مقنعہ نجس کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے" یہ کہکر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا،[2] اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، اس شیر خدا نے روباہ کفر کے ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے، جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں، غرض اس جوش سے لڑے کہ تنہا تیس کافروں کو واصل جہنم کر دیا،[3]

شہادت | حضرت امیر حمزہ رضؓ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چن کر اکثر صنادید قریش کو تہ تیغ کیا تھا، اس لئے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا اپنے چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں آزادی کا لالچ دلایا تھا، غرض وہ جنگ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہ رضؓ کا انتظار کر رہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گذرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۹ [2] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہ رضؓ [3] اسد الغابہ تذکرہ حمزہ رضؓ،

مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے[1]، اس شیرِ خدا کی شہادت پر کفار کی عورتون نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے، نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو پوچھا ادر کیا، اس نے کچھ کھایا بھی ہے، لوگون نے عرض کی نہین، فرمایا خدا حمزہ کے کسی جزو کو جہنم مین داخل ہونے نہ دیگا[2]،

تجہیز و تکفین اختتام جنگ کے بعد شہداے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہندہ نے ناک، کان کاٹ کر کے نہایت دردناک صورت بنا دی تھی، اس لئے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا، اور مخاطب ہو کر فرمایا تم پر خدا کی رحمت ہے، کیونکہ تم رشتہ دارون کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کامون مین پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو مین تمہین اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درندے اور پرند کھا جائین اور تم قیامت مین ان ہی کے شکم سے اٹھائے جاؤ، خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے، مین تمہارے عوض ستر کافرون کا مثلہ کرون گا، لیکن تھوڑے ہی دیر کے بعد وحی الٰہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی، اس لئے کفارہ یمین ادا کر کے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی[3]،

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھین، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوے جنازہ کے پاس آئین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی و تشفی دیکر واپس فرمایا، حضرت صفیہؓ اپنے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ کو دو چادرین دے گئی تھین کہ ان سے کفن کا کام لیا جائے لیکن پہلو مین ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن تھی، اس لئے انھون نے دونون شہیدان ملت مین ایک ایک چادر تقسیم کر دی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤن کھل جاتے اور پاؤن چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپاؤ اور پاؤن پر گھانس اور پتے ڈالدو، غرض

---

[1] بخاری باب قتل حمزہؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص، [3] ایضاً ص ،،

اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کرکے شہدائے احد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علٰحدہ علٰحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی، اس طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد غازیانِ دین نے بصد اندوہ و الم اس شیرِ خدا کو اسی میدان میں سپردِ خاک کیا۔[1] انا للہ وانا الیہ راجعون،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبد اشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ واقارب پر روتے سنا تو فرمایا، "افسوس! حمزہ رضؓ کے لئے رونے والیاں بھی نہیں"، انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیجدیا، جنھوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء رضؓ پر گریہ وزاری شروع کی، اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، فرمایا کیا، "خوب! یہ سب اب تک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں، انھیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نوحہ نہ کریں"،[2] بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہ رضؓ پر دو آنسو بہا لیتی تھیں،

قاتل سے بیزاری

حضرت حمزہ رضؓ کے قاتل حضرت وحشی رضؓ اسلام قبول کرکے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا، "کیا تم ہی وحشی ہو؟" عرض کی "ہاں" فرمایا، "تم نے حمزہ رضؓ کو قتل کیا تھا؟" بولے "حضور کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے"، ارشاد ہوا، "کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟" عرض اسی وقت باہر آنا پڑا اور پھر تمام عمر سامنے نہ جا سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب مسیلمہ کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کرکے حمزہ رضؓ کے نقصان کی تلافی کرسکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے،[3] اسی طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جبر قدر

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵ [2] ایضاً ص ۱۰ [3] بخاری باب قتل حمزہ رضؓ

نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا،

اخلاق | حضرت امیر حمزہؓ کے اخلاق مین سپاہیانہ خصائل نہایت نمایان ہین، شجاعت، جانبازی، اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے، مزاج قدرۃً تیز و تند تھا، شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے، ایک دفعہ ایک انصاری کے میخانہ مین صحبتِ احباب گرم تھی، اور دورِ ساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیون سے محفل کا رنگ جما ہوا تھا اسی حالت مین اس نے دو اونٹون کی طرف اشارہ کرکے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا،

الا یا حمز للشرف النواء

حضرت حمزہؓ نشہ کی مدہوشی مین بے اختیار کود ے اور دونون کے جگر اور کوہان کاٹ لائے، یہ اونٹ حضرت علیؓ کے تھے، انھون نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہوکر دربار نبوت مین شکایت پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اور حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لئے ہوئے اسی وقت اس محفلِ طرب مین تشریف لائے اور حضرت حمزہؓ کو ملامت فرمانے لگے، لیکن یہان ہوش و حواس پر نشہ کا قبضہ ہو چکا تھا، انھون نے ایک دفعہ سر سے پاؤن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھور کر دیکھا اور آنکھین لال پیلی کرکے بولے، "تم سب ہمارے باپ کے غلام ہو،" آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤن لوٹ آئے۔[1]

حضرت امیر حمزہؓ رشتہ دارون کے ساتھ حسن سلوک، اور تمام نیک کامون مین ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش سے مخاطب ہوکر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی،

رحمۃ اللہ علیک فانک کنت ما علمت — تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہان تک مجھے معلوم ہے

---

[1] بخاری کتاب فرض الخمس،

وھو لا اللہ حمم فعو لا النجرات[1] نم قرابت دارون کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کامون مین پیش پیش رہتے تھے،

ازواج واولاد حضرت حمزہؓ نے متعدد شادیان کین، بیویون کے نام یہ ہین، بنت الملہ، خولہ بنت قیس، سلمی بنت عمیس، ان مین سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکون کے نام یہ ہین، ابو یعلی، عامر، عمارہ آخر الذکر دونون لاولد فوت ہوئے، ابو یعلی سے چند اولادین ہوئین لیکن وہ سب بچپن ہی مین قضا کر گئین، اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلۂ نسل شروع ہی مین منقطع ہوگیا،[2]

سلمی بنت عمیس کے بطن سے امامہ نام ایک لڑکی بھی تھی، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی کہکر اس نے پیچھا کیا، حضرت حمزہؓ کے رشتہ دارون مین سے حضرت علیؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ نے اس کو اپنی اپنی تربیت مین لینے کا دعویٰ پیش کیا لیکن آپ نے حضرت جعفرؓ کے حق مین فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، امامہ کی حقیقی خالہ تھین، حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ سے شادی کر لینے کی ترغیب دی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا حمزہؓ میرا رضاعی بھائی تھا،[3]

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

نام، نسب عباس نام، ابو الفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے،

عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف الہاشمی القرشی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے لیکن عمر مین کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۰، [2] ایضاً ص ۶، [3] ایضاً،

دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے،[1]

ابتدائی حالات حضرت عباسؓ عہد طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے صحیح وسلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھیں جنھوں نے ایام جاہلیت میں خانۂ کعبہ کو دیبا و حریر سے مزین کیا،[2]

زمانۂ جاہلیت میں وہ قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے، خانۂ کعبہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبد المطلب سے وراثت میں ملا تھا،[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوت توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا تاہم وہ دل سے اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانۂ حج میں بہتر انصار نے کفار سے چھپ کر منیٰ کی ایک گھاٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس رازداری کے موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، انھوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا، گروہ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم رہے ہیں، اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دیدو،[4] انصارؓ نے اس کے جواب میں جاں نثاری و فاشعاری کی ہامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے،

جنگ بدر مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکۂ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ

---

[1] اصابہ تذکرہ عباس بن عبد المطلب [2] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ [3] ایضاً [4] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۰۴

صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتِ حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابۂ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں ابوالبختری عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آجائیں تو قتل نہ کئے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں، حضرت ابوحذیفہؓ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگذر نہیں کرتے تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے، واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کی لگام دوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، ابو حفص! دیکھتے ہو، عمِ رسولؐ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا، اجازت دیجئے کہ اس کا سر اڑا دوں[1]، لیکن حضرت ابوحذیفہؓ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا، آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا[1]

اس جنگ میں دوسرے مشرکینِ قریش کے ساتھ حضرت عباسؓ، عقیلؓ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکیں اس قدر کسی کر باندھی گئی تھیں کہ وہ دردناک آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابۂ کرامؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں[2]

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کپڑے دلوائے، لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبداللہ بن ابی نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا[3]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتہ پہنانے کے لئے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا،

دربارِ رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباسؓ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ خزرج سے تھیں، اس لئے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۶، [2] ایضاً ص ۷، [3] طبقات ابن سعد قسم اول دو، ربع ص ۷،

نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی[1]۔ حضرت عباسؓ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، مشرکین نے مجھ کو بجبر اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دیگا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی، ناداری کا عذر بھی قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں، حضرت عباسؓ نے متعجب ہو کر کہا خدا کی قسم! اس قسم کا حال میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بیشک آپ رسولِ خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل و نوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر مخلصی حاصل کی[2]۔

تاخیر اسلام اور قیامِ مکہ کی غایت حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے رازہائے سربستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سرزمینِ کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لئے تنہا ماسن و ملجا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ "آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا[3]"۔

گو حضرت عباسؓ نے عرصہ تک اپنے ایمان و عقیدہ کو مشرکینِ قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاطؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ آئے، اس زمانہ میں جنگ خیبر درپیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی

[1] بخاری جلد ۲ ص ۵۷۰، [2] مسند جلد ۱ ص ۳۵۳، [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰

بولے؛ خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ملی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کئے گئے، میں اپنا مال لینے آیا ہوں کہ دوسرے تاجروں کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مالِ غنیمت خرید لوں،

اس خبر سے یکایک تمام مکہ میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی، وادئ بطحار کا ہر بچہ بادۂ انبساط سے مخمور ہوگیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباسؓ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بن علاط سے تخلیہ میں ملے اور پوچھا۔ حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے؟" بولے "نہیں! خدا کی قسم آپ کے لئے نہایت خوش آیند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر رؤسائے خیبر قتل کئے گئے ان کا تمام مال واسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخلِ حرم ہورہی تھی، میں اسلام قبول کرچکا ہوں، اور یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ بلطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں، کیونکہ مجھے تعاقب کا خوف ہے۔"

حضرت عباسؓ کی مسرت وانبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہا دھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لئے ہوئے خانۂ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگوں نے چھیڑ کر کہا، "خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہارِ صبر ہے"، بولے "وہ قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہوگیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے۔" لوگوں نے تعجب سے پوچھا "یہ خبر کہاں سے آئی؟" فرمایا "حجاج بن علاطؓ نے بیان کیا جو اسلام قبول کرچکے ہیں اور یہاں محض اپنا مال لینے آئے تھے،" اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملادی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی

طرح دانت پیسنے لگے،[1]

اسلام وہجرت فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کرکے مستقل طور سے مدینہ مین سکونت پذیر ہوئے،

غزوات مکہ کی فوج کشی مین شریک تھے، حنین کی جنگ مین حضرت خیرالانامؐ کے ہمرکاب تھے، اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، فرماتے ہین کہ اثناے جنگ مین جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانون کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا، عباس! نیزہ بردارون کو آواز دو، فطرۃً میری آواز نہایت بلند تھی، مین نے "این اصحاب السمرہ؟" کا نعرہ مارا توسب کے سب یکایک پلٹ پڑے اور مسلمانون کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا،[2] محاصرۂ طائف، غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع مین بھی شریک تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حجۃ الوداع سے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، مرض روز بروز بڑھتا گیا، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علیؓ باہر نکلے، لوگون نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ حالت بظاہر سنبھل گئی تھی اس لئے انھون نے کہا کہ "خدا کے فضل سے اب آپ اچھے ہین" لیکن حضرت عباسؓ خاندانِ ہاشم کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انھون نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا "تمھارا کہان خیال ہے؟ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کروگے، مین آنکھون سے دیکھ رہا ہون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عنقریب اس مرض مین وفات پائین گے، کیونکہ مین خاندانِ عبدالمطلب کے چہرون سے موت کا اندازہ کرسکتا ہون، آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لین کہ آپ کے بعد منصب

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حجاج بن علاط، [2] مسند جلد اص ۲۰۷،

خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہیں تو یہ معلوم ہو جائے گا، ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لئے وصیت فرما جائیں، حضرت علیؓ نے کہا، خدا کی قسم میں نہ پوچھوں گا، اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کر دیا تو پھر آیندہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جاؤں گا"[1] حضرت علیؓ کے انکار سے حضرت عباسؓ کو بھی جرأت نہ ہوئی،

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے، خاندان ہاشم میں سب سے معمر تھے، اس لئے تعزیت و ماتم پرسی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے،[2]

بارگاہ نبوت میں اعزاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور انکی معمولی اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انھوں نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برستی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر غضبناک ہوئے اور فرمایا اس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لئے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا، چچا باپ کا قائم مقام ہے،[3]

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انھوں نے حسب قاعدہ حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی، انھوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر صورت واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا تم عباس سے کیا چاہتے ہو، بدر کے ذریعہ میں تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباس رسول خدا کا چچا ہے، اور چچا باپ ہی کا قائم مقام ہے،[4]

[1] بخاری جلد ۲ ص ۔۔۔ [2] استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلب [3] جامع ترمذی مناقب حضرت عباسؓ و مسند جلد ۱ ص ۔۔۔ [4] جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباسؓ،

خلفائے راشدین	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے بھی حضرت عباسؓ کی عزت

واحترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اتر پڑتے، اور فرماتے کہ "یہ رسول اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں"[1]

حضرت عمرؓ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے، اور قحط وخشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا، "خدایا! پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے، اور اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل میں ہم کو سیراب کر"[2] ان کے بعد حضرت عباسؓ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو یکایک صاف وشفاف آسمان پر لکہ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں بارانِ رحمت سے تمام کوہ وبیابان جل تھل ہو گئے، حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے،

سال الامام وقد تتابع جدبنا	فسقی الغمام بغرۃ العباس
امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی	لیکن عباس کی شرافت کے طفیل میں ابر نے سیراب کر دیا
عم النبی وصنو والدہ الذی	ورث النبی بذاک دون الناس
وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں	انھوں نے تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت پائی
احیی الالہ بہ البلاد فاصبحت	مخضرۃ الاجناب بعد الیاس
ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا	اور ناامیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے

چونکہ بارش نہایت غیر متوقع تھی اس لئے لوگ فرط مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم چوم کر کہتے تھے "ساقی حرمین! مبارک ہو" "ساقی حرمین! مبارک ہو"[3]

---

[1] استیعاب تذکرہ عباسؓ [2] بخاری جلد اص ۵۲۶ [3] استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلبؓ،

وفات

حضرت عباسؓ اٹھاسی برس کی عمر پاکر ۳۲ھ میں بماہ رجب یا رمضان جمعہ کے روز رہگزین عالم جاودان ہوئے، خلیفۂ ثالث رضؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا،[1]

اخلاق

حضرت عباسؓ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحمدل تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مقام بقیع مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو آتے دیکھ کر فرمایا "یہ عباسؓ عم رسول ہین، یہ قریش مین سب سے زیادہ کشادہ دست ہین اور اپنے رشتہ دارون کا خیال رکھتے ہین"[2]

دل نہایت نرم تھا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھون سے سیل اشک روان ہوجاتا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤن مین خاص اثر ہوتا تھا،

تمول وذریعہ معاش

حضرت عباسؓ ایام جاہلیت مین نہایت متمول تھے، چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیون کے مقابلہ مین بہت زیادہ تھا،[3]

تجارت ذریعۂ معاش تھی، ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگون کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم سنہ ۱۰ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس مین فرمایا، "آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کئے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو مین بند کرتا ہون وہ عباس بن عبدالمطلب رضؓ کا ہے"،[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھون نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ خلیفۂ اوّل سے

---

[1] استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰، [3] مسند جلد اص ۳۵۳، [4] صحیح مسلم و ابوداؤد

فدک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری متروکہ جائداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن لانورث ما ترکنا صدقۃ کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے،

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں باغِ فدک حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا تھا لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظام قائم نہ رکھ سکے اور بارگاہِ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لئے دیا گیا ہے، اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا،[۱]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہایت نازک،

ازواج و اولاد | حضرت عباسؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں، فضل، عبداللہ، عبید اللہ، عبدالرحمٰن، قثم، معبد، ام حبیبہ، ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں، کثیر، تمام، صفیہ، امیمہ، تیسری بیوی حجیلہ تھیں، ان کے بطن سے حارث تھے،[۲]

حضرت بلال بن رباحؓ

نام، نسب | بلال نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنو جمح ان کے آقا تھے،[۳]

اسلام | حضرت بلالؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیہ فام حبشی تھے تاہم آئینۂ دل شفاف تھا، اس کو ضیاء ایمان نے اس وقت منور کیا جب کہ وادیٔ بطحاء کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن و زعمِ شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعیٔ حق کو لبیک

---

[۱] بخاری باب غزوۂ خیبر، [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۲، [۳] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶،

کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا[1]، سچ ہے،

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خداے بخشندہ

ابتلاء و استقامت

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جو ذاتی حالت تھی اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموسِ جفا کے شکار ہوئے، گوناگون مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال و استقامت کی آزمایش ہوئی، تپتی ہوئی ریگ، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوے مبارک میں ریسمان ڈال کر بازیچۂ اطفال بنایا لیکن ان تمام روح فرسا و جان گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابوجہل ان کو منہ کے بھل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھدیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کر دیتی تو کہتا، بلال! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی دہنِ مبارک سے یہی "احد، احد" نکلتا،[2]

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے طریقے ایجاد کئے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا "تمھارا خدا لات اور عزی ہے"، لیکن اس وارفتۂ توحید کی زبان سے "احد" "احد" کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی،[3]

آزادی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز حسبِ معمول وادیِ بطحا میں مشقِ ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۶۶ [2] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۶۵؛

ابوبکر صدیقؓ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا، "ابوبکر! تم مجھے بھی اس میں شریک کرلو" عرض کی "یارسول اللہ! میں آزاد کرچکا ہوں" [1]

ہجرت وہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے، حضرت ابورویحہؓ عبداللہ ابن عبدالرحمن الخثعمیؓ سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہوگئی تھی، عہد فاروقی میں حضرت بلالؓ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟" عرض کی "ابورویحہؓ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کردیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہوسکتا" [2]

موذنی مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعار اسلام و دین متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لئے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لئے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلالؓ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے [3]

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند و دلکش تھی، ان کی ایک صدائے توحید کے متوالوں کو بےچین کردیتی تھی، مرد اپنا کاروبار، عورتیں شبستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع ہوجاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہوجاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانۂ نبوت پر کھڑے ہوکر کہتے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یارسول اللہ، یعنی یارسول اللہ! نماز تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگان توحید کو بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لئے صف بصف

[1] ایضاً و بخاری [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰ [3] بخاری باب بدء الاذان

کھڑا کردیتی ہے[1]

حضرت بلالؓ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہؓ اور حضرت عمرو بن ام مکتومؓ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتومؓ دیتے تھے، چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا جب لوگ ان سے کہتے تھے کہ "صبح ہوگئی"، تو کھڑے ہوکر ندائے تکبیر بلند فرماتے تھے، اسی بنا پر رمضان میں بھی حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اکل و شرب جائز تھا، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ بلالؓ کی اذان صرف اس لئے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے ہیں وہ اب کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہوکر نماز صبح کی تیاری کریں، لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ کچھ رات باقی رہتی ہے،[2]

حضرت بلالؓ سفر و حضر ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر در پیش تھا، ایک جگہ رات ہوگئی، بعض صحابہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا، ارشاد ہوا "مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کردے گی، حضرت بلالؓ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انہوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کردیں گے، غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغول راحت ہوئے، حضرت بلالؓ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کرلیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاق وقت اس حالت میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ہشیار نہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب راحت سے بیدار ہوکر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا "بلال! تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟" عرض کی یا رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا" ارشاد ہوا

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۰ [2] بخاری باب الاذان بعد الفجر و باب اذان الاعمیٰ،

بیشک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحون پر قبضہ کرلیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم مین واپس کردیتا ہے، اچھا اٹھو اذان دو اور لوگون کو نماز کے لئے جمع کرو[1]،

غزوات

حضرت بلال تمام مشہور غزوات مین شریک تھے، غزوۂ بدر مین انھون نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور خود ان کی ایذا رسانی مین بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا[2]،

فتح مکہ مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، آپ خانۂ کعبہ مین داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا[3]، انھین حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پرعظمت صدائے تکبیر بلند کرین، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابو الانبیا، ابراہیم نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا، مدتون صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونجا[4]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال نے اپنے محسن و ولی نعمت حضرت صدیق اکبر سے عرض کی "یا خلیفۂ رسول اللہ! آپنے خدا کے لئے آزاد کیا ہے، یا اپنی مصاحبت کے لئے،" فرمایا "خدا کے لئے" بولے "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ راہِ خدا مین جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے اس لئے مین چاہتا ہون کہ پیام موت تک اسی عمل خیر کو لازمۂ حیات بنالون"۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا "بلال! مین تمھین خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہون کہ تم مجھے اس عالمِ پیری مین داغِ مفارقت نہ دو" اس مؤثر فرمان نے حضرت بلال کو عہدِ صدیقی کے غزوات مین شریک ہونے سے باز رکھا[5]،

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو انھون نے پھر شرکتِ جہاد کی اجازت طلب کی، خلیفۂ اول کی طرح خلیفۂ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوشِ جہاد کا پیمانہ لبریز

---

[1] بخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت، [2] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۷، [3] کتاب المغازی باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلی مکہ، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷، [5] بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸،

ہوچکا تھا، بعد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی، اور شامی مہم میں شریک ہوگئے، حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسرانِ فوج کے ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہمرکاب رہے، ایک روز حضرت عمرؓ نے ان سے اذان دینے کی فرمایش کی تو بولے گو میں عہد کرچکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کردوں گا، یہ کہکر اس عندلیبِ توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذو الجلال کی عظمت و شوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہوگیا، حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہدِ نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی،[2]

شام میں توطن

حضرت بلالؓ کو ملک شام کی سرسبز و شاداب زمین پسند آگئی تھی، انھوں نے خلیفۂ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہؓ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دیجائے، یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کرلی اور حضرت ابوالدرداء انصاریؓ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آکر آباد ہوگیا تھا رشتۂ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا، ہم دونوں کافر تھے، خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے، اس نے آزاد کرایا، ہم محتاج تھے اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمھارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتۂ ازدواج سے یہ آرزو پوری کروگے تو خدا کا شکر ہے ورنہ کوئی شکایت نہیں، اسلام نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تفریق مٹادی تھی، انصارؓ نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کردی،[3]

---

[1] بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸، [2] تاریخ طبری ج ۵ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸، [3] اسد الغابہ جلد اول

حضرت بلالؓ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں "بلال! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمھارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟" اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پُرلطف زمانے یاد دلادیئے، عشق ومحبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہوگئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش ومحبت کے ساتھ جگر گوشگانِ رسول یعنی حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے، گو ارادہ کرچکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہوکر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرۂ توحید نے اس کو اور بھی پرعظمت بنادیا، لیکن جب اشھد ان محمدا رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہوکر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقانِ رسول کے رخسارے آنسوؤں سے تر ہوگئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پُراثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا[1]

وفات ۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیرباد کہا، کم وبیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے[2]،

اخلاق محاسنِ اخلاق نے حضرت بلالؓ کے پایۂ فضل وکمال کو نہایت بلند کردیا تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ابوبکرؓ سیدنا واعتق سیدنا یعنی ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں، اور انھوں نے سردار بلالؓ کو آزاد کیا ہے[3]

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا، ہر وقت

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۸، [2] ایضاً ص ۲۰۹، [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۴،

بارگاہِ نبوی میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لیجاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے، عیدین واستسقاء کے مواقع پر نیزہ لے کر آگے آگے چلتے،[۱] وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس و ناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا "بلال! یہ کہاں سے؟" عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں، چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا، "اُف! اُف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے، پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے"[۲]

حضرت بلالؓ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم و مصائب کے متحمل ہوئے، اس سے انکی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوا ہوگا، تواضع و خاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی، لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے "میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا،[۳] صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے تو ہمکو بخوشی منظور ہے، حضرت بلالؓ نے کہا "میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۸ [۲] بخاری جلد اص ۳۱۱ [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹

انکار کرو"، انھوں نے کہا "بلال! تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے عار نہیں ہے"[1]

مذہبی زندگی | حضرت بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذنِ خاص تھے، اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانۂ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا، معاملاتِ دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت وشب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عملِ خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے، عرض کی میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے، البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے"[2] نماز میں سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو"[3]

ایمان کو تمام اعمالِ حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور"[4]

حلیہ | حلیہ یہ تھا قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال نہایت گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے"[5]

ازواج | حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف ومعزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، ابو بکرؓ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرادیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابو الدرداءؓ کے خاندان میں بھی رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی"[6]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳، [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۱۲، [3] اصابہ تذکرۂ بلالؓ بحوالۂ بخاری، [4] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۴، [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۷۰، [6] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹،

حضرت جعفر طیارؓ

نام، نسب جعفر نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف (ابو طالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الہاشمی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے،

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغولِ عبادت تھے، خاندانِ ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہِ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا، "جعفر تم بھی اپنے ابن عم کے ایک پہلو میں کھڑے ہو جاؤ"، حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زید بن ارقمؓ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لئے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے، اس وقت تک اکتیس بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے،

ہجرتِ حبش مشرکینِ قریش کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گرانقدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کرکے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر

له اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۶ و ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۲۲

حضور کے قلمرو سے حکومت میں چلے آئے ہیں، انھوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں، درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ "وہ کون سا نیا مذہب ہے، جس کے لئے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟"

حضرت جعفرؓ کی دربار حبش میں اسلام پر تقریر

مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لئے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انھوں نے اس طرح تقریر کی "بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقت ور کمزوروں کو کھا جاتا تھا، غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ خدا نے خود ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایہ اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا، یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔"

نجاشی نے کہا "تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہو اس کو کہیں سے پڑھ کر سناؤ، حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی، اس نے

کہا "خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہین"، اور قریش کے سفیرون سے مخاطب ہو کر کہا "واللہ! مین ان کو کبھی واپس جانے نہ دون گا"،

سفراے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار مین باریاب ہو کر عرض کی، "حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہین کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان لوگون کا کیا خیال ہے"، نجاشی نے جواب دینے کے لئے مسلمانون کو بلایا، ان لوگون کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دین، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے، ہم اس سے انحراف نہین کرین گے، غرض دربار مین پہنچے تو نجاشی نے پوچھا "حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تمھارا کیا اعتقاد ہے؟" حضرت جعفرؓ نے کہا "ہم ان کو خدا کا بندہ، پیمبر اور اس کی روح مانتے ہین" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا "واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہین ہین" یہ سنکر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے، نہایت برہم ہوئے، نتھنون سے خرخراہٹ کی آوازین آنے لگین، لیکن نجاشی نے کچھ پروا نہ کی، اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی،[1]

حبش سے مدینہ

حضرت جعفرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی مین رہے، سنہ ۷ھ مین وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اسکی خوشی منا رہے تھے، کہ مسلمانون کے اپنے ان دور افتادہ بھائیون کی واپسی کی دوہری خوشی ہوئی، حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا "مین نہین جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے"[2]

حضرت جعفرؓ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آگیا،

---

[1] مسند احمد جلد اص ۲۰۱ تا ۲۰۳ [2] طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم اول ص ۲۳ مختصراً بخاری ذکر غزوۂ خیبر مین ہے،

غزوۂ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ھ مین موتہ پر فوجکشی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہؓ کو عطا کرکے فرمایا کہ "اگر زید شہید ہون تو جعفرؓ اور اگر جعفر بھی شہید ہون تو عبد اللہ ابن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہون گے"، [1] چونکہ حضرت جعفرؓ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ شرفِ امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لئے انھون نے کھڑے ہوکر عرض کی "یا رسول اللہ میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائین گے" ارشاد ہوا "اس کو جانے دو تم نہین جان سکتے کہ بہتری کس مین ہے"، [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کے انجام ونتیجہ سے آگاہ تھے، اس لئے فرمایا کہ اگر زید شہید ہون تو جعفر علم سنبھالین، اگر وہ بھی شہید ہون تو عبد اللہ بن رواحہ ان کی جگہ لین، [3]

شہادت موتہ پہنچکر معرکۂ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیانِ دین کے مقابلہ مین غنیم کا ایک لاکھ ٹڈی دل تھا، امیرِ فوج حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ گھوڑے سے کود پڑے اور علم سنبھال کر غنیم کی صفین چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنون کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیغ وتبر، تیر وسنان کی بارش ہو رہی تھی، یہان تک کہ تمام بدن زخمون سے چھلنی ہوگیا، دونون ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے، مگر اس جانباز نے اس حالت مین بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگون ہونے نہ دیا، [4] بالآخر جب شہید ہوکر گرے تو عبد اللہ بن رواحہؓ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ مین لیا اور مسلمانون کو بچا لائے، [5]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس جنگ مین شریک تھے فرماتے ہین کہ مین نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کرکے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخمون کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا، [6]

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ۔ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۴ ص ۲۲، [3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی غزوۂ موتہ۔ [4] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸ [5] طبقات ابن سعد حصہ مغازی [6] بخاری باب غزوۂ موتہ،

لیکن اُن مین سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا،[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن و ملال

میدانِ جنگ مین جو کچھ ہو رہا تھا، خدا کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا، چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپ نے حضرت جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرما دیا، اس وقت آپ کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے، اور روے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایان تھے،[۲]

حضرت جعفرؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسمار بنت عمیسؓ فرماتی ہین کہ مین آٹا گوندھ چکی تھی، اور لڑکون کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور فرمایا جعفر کے بچون کو لاؤ، مین نے اُن کو حاضرِ خدمت کیا، تو آپ نے آبدیدہ ہو کر اُن کا پیار فرمایا، مین نے کہا میرے ماں باپ فدا ہون حضور آب دیدہ کیون ہین کیا جعفر اور ان کے ساتھیون کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے فرمایا ہان! وہ شہید ہوگئے، یہ سُن کر مین چیخنے چلانے لگی، محلہ کی عورتین میرے اردگرد جمع ہوگئین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے، اور ازواجِ مطہراتؓ سے فرمایا کہ آلِ جعفر کا خیال رکھنا، آج وہ اپنے ہوش مین نہین ہین،[۳]

سیدۂ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سُن کر بادیدۂ تر واعماہ! واعماہ! کہتے ہوئے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیشک! جعفر جیسے شخص پر رونے والیون کو رونا چاہئیے، آپ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہانتک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ خدا نے جعفر کو دو کٹے ہوئے بازوؤن کے بدلہ مین دو نئے بازو عنایت کئے ہین جن سے وہ ملائکۂ جنت کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہین،[۴] چنانچہ ذوالجناحین اور طیار ان کا لقب ہوگیا،

[۱] بخاری باب غزوۂ موتہ، [۲] ایضاً، [۳] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۸۸، [۴] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۰۹، [۵] ایضاً،

فضائل ومحاسن حضرت جعفرؓ کشادہ دست وفیاض تھے، غربا ومساکین کو کھانا کھلانے مین ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابو المساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہین کہ مین اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکریون سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگون سے پوچھتا پھرتا، کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لیجائے اور کچھ کھلائے، لیکن مین نے جعفرؓ کو مسکینون کے حق مین سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگون (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لیجاتے تھے، اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لاکر رکھدیتے تھے، یہان تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لادیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھدیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے،[1]

حضرت جعفرؓ کے فضائل ومناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمایا کرتے تھے کہ "جعفر! تم میری صورت اور سیرت دونون مین مجھ سے مشابہ ہو"[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہین ان کو صرف سات رفیق دیئے گئے تھے لیکن میرے رفقاے خاص کی تعداد چودہ ہے، ان مین سے ایک جعفر بھی ہین"[3]، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہین کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جعفر سب سے افضل ہین"[4]، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے صاحبزادہ کو سلام کرتے تو کہتے "السلام علیک یا ابن ذی الجناحین"[5]، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہین کہ بعض اوقات مین حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کردیتے، لیکن جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے،

ازواج واولاد بیویون کی صحیح تعداد نہین معلوم، آپ کی بیوی اسماءؓ سے تین صاحبزادے تھے، عبداللہ محمد اور عوف، ان مین صرف عبداللہ سے نسل چلی،

[1] صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ [2] ایضاً [3] جامع ترمذی مناقب اہل بیت، [4] جامع ترمذی مناقب حضرت جعفرؓ، [5] صحیح بخاری باب غزوہ موتہ،

حضرت زید بن حارثہؓ

نام، نسب | زید نام، ابو اسامہ کنیت، حبِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لقب، والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب ابن عبد العزیٰ بن امراؤ القیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن دبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ،

ابتدائی حالات | گذشتہ بالا نسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں اسی اثناء میں بنو قین کے سوار جو غارتگری سے واپس آرہے تھے اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا، ستارہ اقبال بلند تھا، غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت میں پیش کیا جن کی وساطت سے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شاہنشاہیاں قربان ہیں،[1]

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شرحبیل کو قدرتاً اپنے لختِ جگر کے گم ہو جانے کا شدید غم ہوا، آنکھوں سے سیلِ اشک بہائے، دل آتشِ فراق سے بھڑک اٹھا اور محبت پدری نے الفاظ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اول ص ۲۷،

کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج والم کا نقشہ کھینچا،

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل … أحیّ فیرجی ام اتی دونه الاجل

مین نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کیا ہوگیا، آیا زندہ ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آگئی،

فواللہ ما ادری وان کنت سائلا … اغالک سهل الارض ام غالک الجبل

خدا کی قسم مین نہین جانتا اگرچہ پوچھتا بھی ہون کہ، کیا تجھے نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا؟،،

فیالیت شعری هل لک الدهر رجعة … فحسبی من الدنیا رجوعک لی بجل

کاش! مین جانتا کہ آیا تیرا آنا کبھی ممکن ہے؟ پس تیرا واپس آنا ہی میرے لئے دنیا مین کافی ہے،

تذکرنیه الشمس عند طلوعها … وتعرض ذکراه اذا قارب الطفل

آفتاب اپنے طلوع ہونیکے وقت اسکو یاد دلاتا ہے، اور جب غروب کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کردیتا ہے،

وان هبت الارواح هیجن ذکره … فیا طول ما حزنی علیه ویا وجل

باد بہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کردیتی ہے، آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج والم ہے،

ساعمل نص العیش فی الارض جاهدا … ولا اسام التطواف او تسام الابل

عنقریب مین اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان مارون گا، مین اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہین تھکون گا یہان تک کہ اونٹ

حیاتی او تاتی علی منیتی … وکل امرء فان وان غره الامل

یا مجھ پر موت آجائے .... ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امید اسے دھوکا دے

واوصی به قیسا وعمرا کلیهما … واوصی یزیدا ثم من بعدهم جبل

مین قیس اور عمرو دونون کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہون، اور یزید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہون

جبل سے مراد جبلہ بن حارثہ ہین جو حضرت زید کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے اخیافی بھائی تھے،

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انھون نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کو ماجراے غم کہہ سنایا بولے یقیناً انھون نے میری فرقت مین نوحہ خوانی کی ہوگی، تم میری طرف سے میرے خاندان والون کو یہ اشعار سنا دینا؛

احن الی قومی وان کنت نائیا | بانی قطین البیت عند المشاعر
مین اپنی قوم کا مشتاق ہون گو ان سے دور ہون | مین خانہ کعبہ مین مشعر حرام کے قریب رہتا ہون،
فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم | ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر
اس لئے اس غم سے باز آجاؤ جس نے تم کو پر الم بنا رکھا ہے | اور اونٹون کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو
فانی بحمد اللہ فی خیر اسرۃ | کرام معد کابرا بعد کابر
الحمد للہ کہ مین بنی معد کے ایک معزز | اور اچھے خاندان مین ہون جو پشتہا پشت سے معزز ہے،

بنی کلب کے زائرون نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھین چمک اٹھین، اور وفوریاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا بولے "رب کعبہ کی قسم کیا میرا ہی نور نظر تھا،" ان لوگون نے جب تفصیل کے ساتھ علیہ، جاے قیام اور مربی کے حالات بیان کئے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر بصد منت و لجاجت عرض کی "اے ابن عبداللہ! اے ابن عبد المطلب!! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ!! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدون کی دستگیری کرتے ہو، قیدیون کو کھانا دیتے ہو، ہم تمھارے پاس اس غرض سے آئے ہین کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کرکے ہم کو رہین منت بناؤ، زرفدیہ جس قدر چاہو لو، ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہین،" ارشاد ہوا "وہ کون ہے" بولے "زید بن حارثہ"! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضہ کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا "کیا اس کے سوا تمھاری کوئی اور حاجت نہین؟"

عرض کی نہین،، فرمایا "بہتر زید کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمھین پسند کرے تو تمھارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم مین ایسا نہین ہون جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دون،، حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی حضرت زیدؓ بلائے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا "تم ان دونون کو پہچانتے ہو؟" عرض کی "ہان! یہ میرے باپ اور چچا ہین،، آپ نے ان کے ہاتھ مین قرعۂ انتخاب دے کر فرمایا "مین کون ہون؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہمنشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمھین اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونون کو، حضرت زیدؓ رضی اللہ عنہ کو شہنشاہِ کونینؐ کی غلامی مین جو لطف ملا تھا اس پر صدہا آزادیان نثار تھین، بولے، "مین ایسا نہین ہون جو حضور پر کسی کو ترجیح دون، آپ ہی میرے باپ مان ہین،، حضرت زیدؓ کی اس مخلصانہ وفاشعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محوِ حیرت کر دیا، تعجب سے بولے "زید! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو،، فرمایا "ہان! مجھے اس ذات پاک مین ایسے ہی محاسن نظر آئے ہین کہ مین اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہین دے سکتا،،

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفاشعاری سے آقائے شفیق کے دل مین محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ مین مقام حجر کے پاس ان کو لیجا کر اعلان فرمایا کہ "زید آج سے میرا فرزند ہے، مین اس کا وارث ہون گا وہ میرا وارث ہوگا،، اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارا نہ تھی تاہم اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوشِ عاطفت مین دیکھکر اطمینان ہوگیا، اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے،

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمدؐ کے نام سے زبان زدِ عام و خاص ہوئے، یہان تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی

الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے،[1]

اسلام — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتدا ہی میں شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے، حضرت حمزہؓ ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھائی چارہ کرا دیا، ان دونوں میں اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ حضرت حمزہؓ جب غزوات میں تشریف لیجاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے،[2]

شادی — حضرت ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا اور کنیز تھیں، آپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمن سے نکاح کرنا چاہئیے، حضرت زیدؓ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے) ان سے نکاح کر لیا، چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو اپنے والد کے بعد حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہوئے؛ ان ہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے،[3]

ہجرت — مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن حضیر انصاری جو قبیلہ عبد الاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، لیکن یہاں پہنچکر آپ نے ان کے لئے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرۂ افتخار تھا جو حضرت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۰ تا ص ۲۹، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرۂ حمزہؓ،
[3] ایضاً ص ۳۰،

زید رضی اللہ عنہ کے دستار فضل پر نصب ہوا، لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونون کے سطح مزاج مین نشیب و فراز پیدا کر دیا، حضرت زید رضؓ نے دربار نبوت مین بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضاے عدت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انھون نے کہا، جب تک خدا کی طرف سے کچھ حکم نہ آئے مین کچھ نہین کر سکتی، چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المومنین مین داخل کر دیا[1]

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا — جب زید نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا،

حضرت زیدؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ اور زید بن محمدؐ کے نام سے مشہور تھے، اس لئے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ مین شہرت دی اور کہنے لگے "محمدؐ ایک طرف تو بہو سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہین اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زید کی بیوی سے نکاح کرتے ہین لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا،

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ، — محمد تمھارے مردون مین سے کسی کے باپ نہین بلکہ وہ خدا کے رسول اور انبیاء کی مہر ہین،

اور مسلمانون کو حکم ہوا،

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ — لوگون کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے،

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے،[2]

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ۸ ق اول ص ۷۳ [2] بخاری کتاب التفسیر،

غزوات | حضرت زیدؓ تیر اندازی مین مخصوص کمال رکھتے تھے، ان کا شمار ان مشاہیر صحابہ مین تھا جو اس فن مین اپنا نظیر نہین رکھتے تھے، معرکۂ بدر سے غزوۂ موتہ تک جس قدر اہم دخونریز معرکے پیش آئے سب مین پامردی و شجاعت کے ساتھ شریکِ کارزار ہوئے، غزوۂ مریسیع مین چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ مین اپنی جانشینی کا فخر بخشا اس لئے اس مہم مین حصہ نہ لے سکے،[1]

متفرق کارنامے | مشہور معرکون کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کی سپہ سالاری مین سر ہوئین، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ جس فوج کشی مین زید شریک ہوتے تھے اس مین امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا تھا،[2] اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے،[3] ان مہمات مین سے پہلی مہم سریۂ قردہ تھی جس مین انھون نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی اور بہت سے اونٹ، مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کرکے لائے،[4]

ربیع الثانی ۶ھ مین بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم مین مسکن گزین تھے، اس مہم مین بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ، بکریان اور قیدی پکڑ کر لائے،[5]

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آرہا تھا روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ ایک سو ستر سوارون کے ساتھ یکایک مقام عیص مین اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کر لائے، مال غنیمت مین چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لئے شام سے آرہا تھا، قیدیون مین ابو العاص بن الربیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی تھے جنھون نے اپنی اہلیہ اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر نیک اختر

---

[1] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی، [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۳۱، [3] ایضاً [4] طبقات حصۂ مغازی باب سریۂ قردہ ص ۲۶، [5] ایضاً سریۂ جموم ص ۶۲

حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کرکے مخلصی پائی،[1]

اسی سال ماہ جمادی الثانی مین مقام طرف پر حملہ آور ہوئے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی، کیونکہ غنیم پہلے ہی خائف ہوکر بھاگ گیا تھا،[2] اس کے بعد مقام حسمیٰ پر فوج کشی ہوئی، پانچسو جانباز مجاہد ان کے زیر کمان تھے، حضرت زیدؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑون مین چھپ جاتے تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے، یہان تک کہ ایک روز یکایک غنیم پر جا پڑے عنیذ اور اس کے خاندان کو جس نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا، تہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیڑ، بکریان اور بہت سے قیدی گرفتار کرکے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربارِ نبوت مین ارسال کئے، چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دور اندیشی سے پہلے ہی پہنچکر اسلام قبول کرلیا تھا اس لئے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کردیئے گئے، اور مال غنیمت واپس کردیا گیا،[3] پھر اسی سال ماہ رجب مین وادی قری کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے،

ماہ رمضان المبارک ۶ھ مین حضرت زیدؓ ایک اسلامی کاروانِ تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا بہت سا سامانِ تجارت ان کے ساتھ تھا، مدینہ سے سات منزل دور وادیِ قری کے نواح مین پہنچے تو بنی بدر کی ایک رہزن وغارت پیشہ جماعت نے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویانِ توحید کو سخت اذیتین پہنچائین، حضرت زیدؓ بمشکل جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربارِ نبوت مین اس واقعہ کی اطلاع دی، چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے تھے، اس لئے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا، حضرت زیدؓ

[1] طبقات حصہ مغازی باب سریہ عیص ص ۶۳، [2] ایضاً سریہ طرف ص ۶۳، ۶۴، [3] ایضاً ص ۶۳، ۶۴،

کمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان ڈاکوؤں پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے، انھوں نے آستانۂ نبوت پر پہنچکر دستک دی تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جس حالت مین تھے اُسی حالت مین باہر تشریف لے آئے اور جوشِ مسرت سے گلے لگا کر ان کی پیشانی کا بوسہ دیا، اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے،[1]

مہم موتہ اور شہادت | موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا حضرت حارث بن عمیر ازدی رضہ جو شاہِ بصریٰ کے دربار مین سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے اسی مقام پر شرجبیل ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، یہ پہلا واقعہ تھا کہ دربارِ رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی،[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقام کے لئے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زید بن حارثہ رضہ کو لوائے قیادت عطا کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہون تو جعفرؓ اور ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہون گے،[3] حضرت جعفرؓ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کا طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزان ہوگا اس لئے انھون نے کھڑے ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائین گے" ارشاد ہوا اُس کو جانے دو تم نہین جان سکتے کہ بہتر کیا ہے؟[4]

جمادی الاولیٰ ۸ھ مین یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اس لئے ایک لاکھ کا ٹڈی دل امنڈ آیا تھا لیکن حضرت زیدؓ نے اس

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ زید الی ام القریٰ ص ۶۵، [2] ایضاً باب غزوۂ موتہ، [3] بخاری باب غزوۂ موتہ، [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۳۲،

کثرت کی پرواہ نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پا دشمن کی صف مین گھس گئے، ان کے اتباع مین دوسرے سرداران فوج نے بھی ہلہ کر دیا، دیر تک گھمسان جنگ رہی، اس حالت مین نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار فوج یعنی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، ان کے بعد یکے بادیگرے حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور شدید کشت وخون کے بعد واصل بحق ہوئے، ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ مین لیا اور غازیانِ دین کو مجتمع کر کے ایک ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤن اکھڑ گئے،[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگون کو امرائے فوج کی خبر شہادت سنادی اور وفورِ غم سے آبدیدہ ہو گئے،[۲] حضرت زیدؓ کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگین تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے اور اس قدر روئے کہ گلوگرفتہ ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ کیا ہے" فرمایا "یہ جذبۂ محبت ہے"[۳]

انتقام حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب و وفا شعار غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا، حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا، چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لئے بعضون نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی ظاہر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن وطنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو، خدا کی قسم زید سزاوارِ امارت ومحبوب ترین شخص تھا، اور اس کے بعد اسامہ مجھ کو سب سے زیادہ

---

[۱] بخاری باب غزوۂ موتہ [۲] ایضاً [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۲،

محبوب ہے،[۱]

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہین ہوئی تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہوگیا، لیکن خلیفۂ اوّل نے ہجوم مصائب وصعوبات گوناگون کے باوجود کوچ کا حکم دیدیا اور حضرت اسامہؓ اپنے پدر شفیق کے قاتلون سے انتقام لیکر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے،

اخلاق | حضرت زیدؓ کے صحیفۂ اخلاق مین وفاشعاری کا باب سب سے نمایان ہے، گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقائے نامدار کی رضا پسندی ان کا پر لطف مقصد حیات تھا، حضرت ام ایمنؓ گو ایک معمر عورت تھین تاہم انھون نے محض اس لئے ان سے نکاح کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے،[۲]

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس (جن کو انھون نے ناموافقت کے باعث طلاق دیدی تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیام لیکر گئے تو محض اس خیال سے کہ آپ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منھ پھیر کر کہا،[۳]

گو حضرت زیدؓ کے اخلاقی کارنامون کی تفصیل نہین ملتی تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ ومحاسن جمیلہ ہی تھے جس نے ان کو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مین سب سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہتے تو آپ ان ہی کو اپنا جانشین بناتے،[۴] حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد مین دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے "اگر رسول اللہ

---

[۱] بخاری ذکر اسامہ بن زیدؓ، [۲] طبقات ابن سعد تذکرۂ ام ایمنؓ، [۳] مسلم باب زواج زینب بنت جحشؓ،

[۴] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۱،

صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے ہیں[1]

حلیہ اور عمر | حضرت زیدؓ کا حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی ۵۴ یا ۵۵ برس کی عمر میں شہادت پائی،[2]

ازدواج | مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں بیویوں کے نام یہ ہیں:۔

ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش، ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دیدی اور اس کے بعد وہ امہات المومنین میں شامل کی گئیں،[3]

اولاد | دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی، لیکن حضرت اسامہؓ کے سوا موخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغِ مفارقت دیا،[4]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نام، نسب | عبداللہ نام، ابو العباس کنیت، والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہ بن العباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں،

ولادت | حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں

[1] بخاری ذکر اسامہ بن زیدؓ، [2] اصابہ تذکرہ زید بن حارثہؓ، [3] اسد الغابہ تذکرۂ زید بن حارثہؓ، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۰،

مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباسؓ ان کو بارگاہِ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر دعا فرمائی[1]

اسلام

حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبد اللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتدا ہی میں داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبد اللہؓ نے یومِ ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں[2]

کان ابن عباس مع امہ من المستضعفین ولم یکن مع ابیہ علی دین قومہ وقال الاسلام یعلو ولا یُعلی

ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے)، وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے "اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ، تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے،[3]

ہجرت

حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے،[4] حضرت عبد اللہ کی عمر اس وقت

[1] اسد الغابہ تذکرہ عبد اللہ بن عباسؓ، [2] بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰، [3] بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰، [4] اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبد المطلبؓ ۱۲،

گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت مین حاضر ہوتے تھے، ایک روز انھون نے واپس آکر بیان کیا، مین نے رسول اللہ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو مین نہین جانتا ہون، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟" حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلاکر فرط محبت سے آپنے آغوشِ عاطفت مین بٹھایا، اور سر پہ ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی "اے خدا اس مین برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا"[1]

عہد طفولیت و مصاحبتِ رسول

حضرت عبداللہ بن عباسؓ گو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انھون نے رسول اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا جس مین انسان کو کھیل، کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہین کہ مین لڑکون کے ساتھ گلیون مین کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازہ مین چھپ گیا، لیکن آپنے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پہ ہاتھ پھیر کر فرمایا "جا معاویہ کو بلا لا"، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے مین دوڑکر ان کے پاس گیا اور کہا، "چلیے رسول اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرماتے ہین، کوئی خاص ضرورت ہے"[2]

ام المومنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھین اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھین، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت مین حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہین کہ "ایک مرتبہ مین رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت میمونہؓ) کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر

[1] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ، [2] مسند جلد اص ۲۹۱

استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے، مین بھی اٹھ کر بائین طرف کھڑا ہوگیا، آپنے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا،[1]

اسی سلسلہ مین بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے بیدار ہوئے، انھون نے وضو کے لئے پانی لاکر رکھدیا، آپنے وضو فرما کر پوچھا "پانی کون لایا تھا؟" حضرت میمونہؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر دعائین دین اور فرمایا "اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل" یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا،[2]

ایک دفعہ وہ نماز مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپنے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ پیچھے ہٹ کر پیچھے ہی کھڑے رہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا "تمہارا کیا حال ہے؟" عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسولِ خدا ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ازدیادِ علم وفہم کی دعا فرمائی،[3]

خلفائے راشدینؓ کا عہد حضرت عبد اللہ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفۂ اول نے بھی داغِ مفارقت دیا، خلیفۂ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سنِ شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو جوہر قابل پاکر خاص طور سے اپنے دامنِ تربیت مین لے لیا، اور اکابر صحابہؓ کی علمی صحبتون مین شریک کیا، یہان تک کہ لوگون کو اس پر رشک ہوتا تھا

[1] بخاری جلد ۱ ص ۹۷ [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۲۸ ومستدرک جلد ۳ ص ۵۳۴، [3] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۳۰ ومستدرک جلد ۳ ص ۵۳۵،

صحیح بخاری مین خود حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگون نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیون شریک کرتے ہین، اور ہمارے لڑکون کو جو ان کے ہمسر ہین کیون یہ موقع نہین دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے"[1]،

محدث ابن عبد البر استیعاب مین تحریر فرماتے ہین "کان عمر یحب ابن عباس ویقربہ[2]" یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے، اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس مین کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبد اللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجھکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے "علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہین ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ"[3] حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے اور ان کی فطری ذہانت و طباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، انشاء اللہ علم و فضل کے بیان مین اس کی تفصیل آئے گی،

خلیفۂ ثالث کے عہد مین عبد اللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے زیر اہتمام ۲۷ھ مین افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم مین شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع پر جرجیر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت و طباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا "مین خیال کرتا ہون کہ آپ حبرِ عرب کے کوئی عالم متبحر ہین"[3]،

امارت حج | چونکہ ۳۵ھ مین حضرت عثمانؓ محصور تھے، اس لئے اس سال وہ خود امارتِ حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انھون نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا "خالد بن عاص کو

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۵، [2] ایضاً صفحہ ۶۵۱، [3] اصابہ تذکرہ عبد اللہ بن عباسؓ ۱۲،

مین نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، مین ڈرتا ہون کہ امارتِ حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کیجائے اور اس طرح خانۂ خدا مین بھی فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہو اس لئے مین تم کو اپنا قائم مقام بنا کر یہ بھیجتا ہون"۔[1]

حضرت عبد اللہؓ اس خدمت کو سرانجام دیکر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفۂ ثالث شہید ہو چکے تھے، اور حضرت علیؓ کو بارِ خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انھون نے ان سے مشورہ طلب کیا،

حضرت علیؓ۔ خلافت کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ مین خیال کرتا ہون کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہین کر سکتا،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ۔ "یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کیجائیگی اس پر خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائیگا، تاہم لوگون کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے"،

غرض اہل مدینہ کے اتفاقِ عام سے حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم و نسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے مشورہ دیا کہ سردست موجودہ عمال و حکام برقرار رکھے جائین، لیکن جب حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انھون نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی، اور کہا "امیر المومنین! مین نے رائے دینے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا"۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے "میرے خیال مین مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی لیکن دوسری دفعہ انھون نے آپ کو دھوکا دیا"۔

حضرت علیؓ۔ خیر خواہی کیا تھی؟

---

[1] طبری واقعات ۳۵ھ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دنیادار ہیں، اگر احباب ان کو برطرف کردیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش وفتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے اور اہل شام وعراق کو خلیفہ ثالث کے انتقام پر ابھار کر آپکے خلاف کھڑا کردیں گے،

حضرت علیؓ: اس میں شک نہیں کہ تمھاری رائے مصالحِ دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بد اعمالیوں سے واقف ہوں، ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں، خدا کی قسم میں کسی کو رہنے نہ دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کروں گا،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ:۔ میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر پر ینبع چلے جائیے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان مارین گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمانؓ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا،

حضرت علیؓ:۔ اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے،

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انھوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کردیا اور فرمایا "خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوسکتا[1]"،

غرض اس تشدد آمیز طرزِ عمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیرؓ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت

[1] طبری ص ۳۰۸۵،

طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ رضؓ نے مطالبۂ اصلاح و انتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا، اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں،

جنگِ جمل

حضرت علیؓ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوجِ گران کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیانِ اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لئے طرفین نے میدانِ ذی قار میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جناب امیرؓ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیانِ عرشِ خلافت کی فتح پر اس افسوسناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا،

ولایتِ بصرہ

بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیاد ان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے،

معرکۂ صفین

جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے معرکۂ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیرؓ کی حمایت میں میدانِ جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا،

چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں، اس لئے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیانِ خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا، یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰؓ اور ان کے ہواخواہوں نے اپنی فوج کو اس دام تزویر سے محفوظ رکھنے کی بے حد کوشش کی تاہم فریق کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوتِ

قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا،

ثالثی اور اس کا حشر غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیون نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، حضرت علیؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن لوگون نے اس پر اعتراض کیا اور کہا "آپ اور عبد اللہ بن عباسؓ ایک ہی ہین، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے"

دونون فریق کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لئے مقام اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیون کی جمعیت ساتھ کردی، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تھے،

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نہایت نیک طینت وسادہ مزاج تھے، وہ جب تخلیہ مین حضرت عمرو بن العاصؓ سے کسی فیصلہ پر متفق ہوکر باہر تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا "خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان مین سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہین، کیا عجب ہے کہ آپکے بیان کی مخالفت کر بیٹھین"، بولے "ہم دونون ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہین کہ اس مین اختلاف کی گنجائش نہین،" غرض دوسرے روز مسجد مین مسلمانون کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر کھڑے ہوکر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا،

صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرکے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ نہایت صحیح ثابت ہوا، عمرو بن العاصؓ نے قرارداد سے منحرف ہوکر کہا "صاحبو! بیشک علیؓ کو جیسا کہ ابوموسیٰ نے معزول کیا مین بھی معزول

کرتا ہون، لیکن معاویہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہون کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہین"

حضرت ابوموسیٰؓ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے! یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباسؓ نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا، لیکن مین نے اس پر اطمینان رکھا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانون کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دین گے، غرض اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیرؓ کے اعوان وانصار مین تفرق واختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی، اس کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین مین حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونون حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہین،[۱]

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیون کے پاس بھیجا کہ بحث ومباحثہ سے ان کی ضلالت دور کردین، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھون پر ضلالت وگمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لیے ارشاد وہدایت کی تمام کوششین ناکام رہین،

معرکۂ نہروان خارجیون نے نہروان مین مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک مین قتل وغارتگری کا بازار گرم کر دیا، حضرت علیؓ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشون کا حال سنکر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ گو نزی کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہان سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام نخیلہ مین افواج خلافت سے مل گئے اور نہروان پہونچ کر نہایت بہادری وپامردی کیساتھ سرگرم پیکار ہوئے،[۲]

---

[۱] یہ تمام واقعات طبری سے ماخوذ ہین [۲] تاریخ الطوال،

ایران کی حکومت جنگ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کردی، اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادۂ بغاوت کردیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے، اور عجمیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کردیا، حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبد اللہؓ نے کہا، "میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں"، چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنادیا۔[1]

بغاوت کا استیصال حضرت عبد اللہؓ نے بصرہ پہنچکر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان فارس اور تمام ایران میں امن وسکون پیدا کردیا۔[2]

مکہ میں عزلت نشینی ایک روایت کے مطابق ۳۸ھ یعنی حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے عہدۂ امارت سے مستعفی ہوکر مکہ میں عزلت نشینی اختیار کرلی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو الاسود دؤلی قاضیٔ بصرہ میں باہم مخالفت تھی، ابو الاسود نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انھوں نے بیت المال میں تصرف بیجا کیا ہے حضرت علیؓ نے ان سے جواب طلب کیا تو انھوں نے لکھا،

ان الذی بلغک باطل وانی لما تحت یدی ضابط قائم لہ ولہ حافظ فلا

آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا محافظ ونگہبان ہوں، آپ ان

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۴۴۹، [2] ایضاً،

تصدق الظنون، بدگمانیون کو باور نہ فرمائیں،

حضرت علیؓ نے اس کے جواب مین اُن سے بیت المال کا تمام وکمال حساب طلب کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ ناگوار گذرا، انھون نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا،

فهمت تعظيمك مرزأة ما بلغك انى رزأته من مال اهل هذا البلد فابعث الى عملك من احببت فانى ظاعن عنه والسلام [1]	مین سمجھتا ہون کہ آپ اس شکایت کو کہ مین نے اس شہر والون کے مال مین کچھ خورد برد کیا ہے زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہین، اس لئے آپ اپنے کام پر جس کو چاہئے بھیجدیجئے مین اس سے کنارہ کش ہوتا ہون،

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے جب زیادہ بازپرس کی تو انھون نے لکھ بھیجا کہ ابھی مین نے اپنا پورا حق نہین لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لیکر مکہ چلے گئے، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر مامور تھے، البتہ جب حضرت امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ مین مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی تو انھون نے بطور حفظ ماتقدم پہلے ہی امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان ومال کی امان حاصل کی اور مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے، [2]

حضرت امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کرنا

٦٠ھ مین امیر معاویہ کے بعد جب یزید مسند نشینِ حکومت ہوا تو شیعانِ علی مرتضیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنیکی دعوت دی، چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہان سے عازم کوفہ ہوئے، چونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کوفیون کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، اس لئے انھون نے حضرت امام حسینؓ کو بہ اصرار تمام کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا،

---

[1] تاریخ طبری ص ٣٤٥٣، ٣٤٥٥، [2] طبری ذکر بیعت حسن بن علیؓ

عبد اللہ بن عباسؓ :- اے ابن عم! مین اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہون لیکن وہ نہین ہوتا، اس طریقہ سے جانے مین مجھ کو تمھاری ہلاکت وتباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہین، تم ان کے قول وقرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اس لئے کوفہ جانے سے یہان مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہان! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمھارے عقیدت کیش ہین تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کرین، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہان بہت سے قلعے اور گھاٹیان ہین، ملک نہایت وسیع وفراخ ہے اور تمھارے والد کا اثر بھی خاصہ ہے، علاوہ ازین دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگون سے مراسلت ومکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک مین اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی واطمینان کے ساتھ تمھارا مقصد حاصل ہو جائیگا،

حضرت امام حسینؑ :- اے ابن عم! خدا کی قسم مین جانتا ہون کہ آپ میرے سچے خیر خواہ ومہربان ہین، لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریان ہو چکی ہین اور مین نے وہان جانے کا عزم مصمم کر لیا ہے،

عبد اللہ بن عباسؓ :- اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی، بچون کو ساتھ نہ لیجاؤ، خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہین تم بھی اس طرح نہ شہید کئے جاؤ جس طرح حضرت عثمانؓ، اپنی عورتون اور بچون کے سامنے ذبح کئے گئے،

لیکن مشیت الٰہی مین کس کو دخل تھا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے ضد واصرار کے باوجود حضرت امام حسینؑ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدان کربلا نے وہ خونین منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ وتار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آخر عمر مین نابینا ہو گئے تھے،[1]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۵،

شاید یہ اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو،

عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے انکار

اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز وعراق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لئے انھوں نے ان سے بیعت کے لئے بیحد اصرار کیا اور بصورتِ انکار آگ میں جلا دینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے، اس بنا پر انھوں نے نہایت سختی سے انکار کیا، اور ابو الطفیل کو کوفہ بھیجکر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی،

ابو طفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے غلاف کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے اردگرد لکڑیوں کا انبار لگایا جا چکا تھا، ہم نے ان سے کہا، اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوق الٰہی کو نجات دیں، بولے "نہیں! یہ حرم ہے یہاں کشت وخون جائز نہیں تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو [1]"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ درحقیقت بنو امیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، کیا آپ ابن زبیر سے لڑکر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟ بولے "معاذ اللہ! حرم میں خونریزی کرنا تو صرف بنو امیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا، میں نے کہا، لوگ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟ فرمایا "کیوں نہیں! ان کے والد زبیرؓ حواری رسول تھے، ان کے نانا ابو بکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار تھے، ان کی ماں اسماءؓ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہؓ ام المومنین

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵،

تھین، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم تھین اور ان کی دادی صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھین، پھر وہ ایک خود بھی پاکباز مومن اور قاری قرآن ہین، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کرین گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کرینگے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی [1]

طائف منتقل ہونا | لیکن اس دلی ہمدردی وجانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہوگئی تھی، اس کی بنا پر مکہ مین ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے کوفی معاندین کی حفاظت مین مکہ سے طائف منتقل ہوگئے اور بقیہ زندگی کے دن وہین پورے کئے،

وفات | ۶۸ھ مین پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے ارد گرد احباب ومعتقدین کا ہجوم تھا، بولے "مین ایک ایسی جماعت مین دم توڑونگا جو روے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، مشرف ومقرب ہے، اس لئے اگر مین تم لوگون مین مرون تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو" غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفس عنصری چھوڑا محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کرکے کہا، "خدا کی قسم! آج دنیا سے حبر امت اٹھ گیا" غیب سے ندا آئی

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً، (فجر) یعنی اے نفس مطمئن، اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ [2]

علم وفضل

فضل وکمال کے اعتبار سے ابن عباسؓ اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء مین تھے،

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۷۲ [2] اصابہ جلد ۳ ص ۹۴

ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی جس مین تمام علوم ومعارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری وغیرہ کوئی علم ایسا نہ تھا جس مین ان کو ید طولیٰ حاصل نہ رہا ہو،

تفسیر | بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر وتاویل مین جو مہارت اور آیات قرآنی کے شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کے علم مین جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ مین آئی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جو علم وفضل مین ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ عبد اللہ بن عباسؓ قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہین، شقیق تابعی راوی ہین کہ ایک مرتبہ حج کے موسم مین عبد اللہ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس مین سورۂ نور کی تفسیر بیان کی، مین کیا بتاؤن وہ تفسیر کیا تھی، اس سے پہلے نہ میر کانون نے سنی تھی، نہ آنکھون نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی،[1]

حضرت عمرؓ کی علمی مجلسون مین یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم مین وہ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ سے بازی لیجاتے تھے، ایک دن فاروق اعظمؓ کے حلقۂ مجلس مین اکابر صحابہ کا مجمع تھا، ابن عباسؓ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے اس آیۃ کا مطلب پوچھا،

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (بقرہ ۳۶)	کیا تم مین سے کوئی اس کو پسند کریگا کہ اس کا کھجور اور انگور کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہرین روان ہون، اس کے لئے ہر قسم کے پھل اس مین موجود ہون، اور اس شخص پر بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ناتوان بچے ہون، اس حالت مین اس باغ مین ایسا بگولہ آیا جسمین آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا، ہی

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۳۷،

کرتا ہے، شاید تم بچو،

لوگون نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمرؓ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آگیا، بولے اگر نہین معلوم تو صاف صاف کیون نہین کہتے کہ نہین معلوم، ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے مین کچھ عرض کرنا چاہتا ہون، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل مین ہو بیان کرو، کہا اس مین عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس مین اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہون مین مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہین[1]،

حضرت عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخِ بدر کے ساتھ مجلسون مین شریک کرتے تھے، بعض صحابہؓ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انھون نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسون مین کیون شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہین، فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد، ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگون سے پوچھا کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ الخ (نصر)	جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرو

کے بارہ مین تم لوگون کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہین، کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثنا، کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ! تمھارا بھی یہی خیال ہے، انھون نے کہا نہین، پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

[1] بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر باب قولہ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ الخ،

وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے،[1] درحقیقت حضرت ابن عباسؓ کی فہم تفسیرِ قرآن مین ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہان تک مشکل سے دوسرون کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمانِ اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہؓ مین مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس مین خدا نے فتح ونصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفاے عہد پر حمد وثنا کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہِ رسالت، محرمِ اسرارِ نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھون سے جوے اشک روان ہوگئی؛ کہ اس کی صبحِ وصل کا نور چھپتا ہوا اور شامِ فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آگئی تھی،[2]

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کوئی تعلق نہین معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصدِ حیات کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہوجاتا ہے، دنیا مین انسان ایک نہ ایک مقصد لیکر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہوجاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہین رہتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دینِ الٰہی کی تبلیغ کے لئے دنیا مین تشریف لائے تھے، وہ پوری ہوچکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آچکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق درجوق خدا کے دین مین داخل ہو رہے ہین تو اب تم خدا کی تحمید وتقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے یعنی خدا کو کچھ کام تمھارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیئے،

حضرت ابن عباسؓ تفسیر مین ہمیشہ عام، جامع اور قرینِ عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورۂ کوثر مین کوثر کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ اور متعدد اکابر صحابہؓ

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک الخ صہ ۷۴۳، [2] صحیح بخاری،

کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا، جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟ لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے فرمایا خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بے شمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت اترے گی[1]، حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ "خیر کثیر" حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے عطیہ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت میں آجاتی ہیں، اور قرآن پاک کے سلسلۂ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد "خیر کثیر" لیا جائے، تاکہ اس کے بعد کفار سے برأت (قل یا ایہا الکافرون) اور فتح و نصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے،

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى	کہہ دو اے محمد (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو،
(شوریٰ ۳)	

عام مفسرین "قربیٰ" سے مراد خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودۃ فی القربیٰ کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے یعنی آپکے اہل بیت کی قرابت، ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں[3]،

[1] مسلم، [2] بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر انا اعطیناک الکوثر [3] ایضاً باب قولہ تعالیٰ قل لا الخ

تفسیرِ قرآن اور فہمِ قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شانِ نزول اور ناسخ ومنسوخ کے بارہ مین اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور مَالَہٗ وَمَاعَلَیْہِ سے ان کو پوری واقفیت نہ ہو،

لَاتَقُولُوالِمَنْ اَلْقٰیۤ اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا، (نساء ۱۳)	اے مسلمانو! (اظہارِ اسلام کے لئے) جو تم کو سلام کرے اس کو تم خوامخواہ نہ کہو تو مسلمان نہین ہے،

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے، اس کی تفسیر بھی ابن عباسؓ کی ممنونِ احسان ہے، وہ بیان کرتے ہین کہ کسی غزوہ مین ایک شخص کچھ مالِ غنیمت لئے ہوئے تھا، مسلمانون کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگون نے (شبہہ مین) مار ڈالا، اور مالِ غنیمت چھین لیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا،[1]

اسی طریقہ سے اس آیت،

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ، (حجر ۲)	ہم نے تم مین سے بعض ان لوگون کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہین جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہین،

کے متعلق بیان کرتے ہین کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز مین شریک ہوتی تھی بعض محتاط اشخاص اگلی صف مین چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے، اور رکوع مین بغل کے راستہ سے نظر ڈال لیتے تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی،[2]

قرآن مجید کا یہ حکم

---

[1] بخاری باب قولہ تعالیٰ لاتقولوا، و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۲۹ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۰۵،

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران ۱۹)

اور جو لوگ اپنے کیئے پر خوش ہوتے ہین، اور جو نہین کیے اس پر تعریف چاہتے ہین تو ایسے لوگون کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائین گے، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے،

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے کئے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہین کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہان رہتا ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس مین نہ ہوگا، اس تہدیدی حکم کے استفسار کے لئے مروان نے اپنے دربان کو عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے جاکر پوچھو کہ ہم مین سے کون ایسا ہے، جس کے دل مین یہ جذبہ نہ ہو، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب مین مبتلا ہون گے، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگون سے کوئی تعلق نہین، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ مین نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت،

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ (آل عمران ۱۹)

جب خدا نے ان لوگون سے جن کو کتاب دی ہے یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگون کو کھول کھول کے سنائین گے،

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا، مگر انھون نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انھون نے اصل جواب جو ان کی کتاب مین تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشاء دوسرا فرضی جواب دیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا کہ انھون نے اصل جواب دیا ہے، اور پھر اس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شادان و فرحان ہوے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہین (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر

خوش ہوئے تھے) اور جو نہین کیا ہے اس پر تعریف کے خواہان ہوتے ہین (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے خواہان ہوئے تھے) تو ایسے لوگون کے لئے عذاب سے چھٹکارا نہین ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے[1]

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست، طباعی، دقیقہ سنجی، اور قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع مین سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے، تم لوگ اس سے کونسی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتوین کسی نے پانچوین، کسی نے تیسری بتائی، ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیون نہین بولتے، عرض کی اگر آپ فرماتے ہین تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا مین نے بولنے ہی کے لئے تمھین بلایا ہے، کہا مین اپنی ذاتی رائے دون گا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہون، کہا مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان، سات زمین، ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس مین غلہ، انگور، شاخ، زیتون، کھجور کے درخت، گنجان باغ، اور میوے اگائے، یہ بھی سات باتین ہین، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سنکر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہین ہوئے، یہ جواب کیون نہ دیا،[2] گو بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی، کی تعیین کی تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہین، سبھون نے ایک ایک طاق رات اپنے قیاس و فہم کے مطابق لی، کسی نے سات کی شب بھی لی، لیکن ابن عباسؓ نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی، حضرت ابن عباسؓ تفسیر مین نہایت دلیری سے کام لیتے تھے، بعض محتاط صحابہؓ اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے، لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی صداقت

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ا ص [illegible] [2] مستدرک حاکم جلد [illegible] ص [illegible]

تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا،

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے آیت کانتا رتقاً ففتقنا هما، کا مطلب پوچھا، انھون امتحان کی غرض سے ابن عباسؓ کے پاس بھیجدیا کہ ان سے پوچھکر بتاؤ، اس نے جاکر پوچھا، انھون نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی نہ برسائے، زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آکر یہ جواب حضرت ابن عمرؓ کو سنایا، انھون نے کہا ابن عباسؓ کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھ کو تفسیر قرآن مین ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے[1]، حضرت ابن عمرؓ اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباسؓ کے پاس بھیجدیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا، انھون نے کہا ابن عباسؓ سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہین ان مین سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہین[2]،

علوم قرآنی مین علم النسخ کی اہمیت بالکل عیان ہے، حضرت ابن عباسؓ اس بحر زخار کے بھی شناور تھے، اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن مین مستحضر تھے، یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے، ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہین، اس نے کہا نہین، فرمایا، "تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسرون کو بھی ہلاک کیا"[3]،

گو حضرت ابن عباسؓ قرآن کی تعلیم مین بخل نہ کرتے تھے، اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لئے کھلا ہوا تھا، تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [2] ایضاً ص ۹۳ [3] کتاب الناسخ والمنسوخ ابو جعفر نحاس،

ہوگی اور ہر کس و ناکس فہمِ قرآن کا مدعی ہو جائے گا، تو امت مین اختلاف کا دروازہ کھل جائیگا،
ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمرؓ کو بھی کرنا پڑا، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین سارے
ممالک محروسہ مین حافظِ قرآن مقرر کر دیئے تھے کہ وہ مسلمانون کو قرآن کی تعلیم دین، ایک دن
ابن عباسؓ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والون نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا،
حضرت عمرؓ نے یہ مژدہ سنکر تکبیر کا نعرہ لگایا، لیکن ابن عباسؓ بولے کہ اب ان مین اختلاف کا
تخم پڑ گیا، حضرت عمرؓ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا، اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے لیکن
حضرت عمرؓ کے دل مین ان کا کہنا کھٹکتا رہا، چنانچہ آدمی بھیجکر ان کو بلا بھیجا، انھون نے عذر کر دیا، دوبارہ
پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا، اس تاکید پر یہ چلے آئے، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر
کی تھی، انھون نے کہا پناہ بخدا اب مین کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کرون گا، حضرت عمرؓ نے کہا
مین طے کر چکا ہون کہ جو تم نے کہا تھا اس کو کہلوا کر رہون گا، اس اصرار پر انھون نے کہا کہ آپ نے
جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے کہ کوفہ والون نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا، اس پر مین نے کہا کہ
ان لوگون مین اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا، انھون نے سورۂ بقر کی یہ آیتین
پڑھ کر سنائین،

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ	اے محمد! لوگون مین سے بعض ایسے آدمی بھی ہین
الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ	جن کی باتین تم کو دنیاوی زندگی مین بھلی معلوم ہوتی
اَلَدُّ الْخِصَامِ، وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ	ہین، اور وہ اپنی دلی باتون پر خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ
لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ	وہ دشمنون مین بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمھارے
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ، وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ	پاس لوٹ کر جائے تو ملک مین پھرے تاکہ اس مین
اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ	فساد پھیلائے، اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ،

(بقرہ ع ۲۵)

اللہ فساد کو پسند نہین کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزتِ نفس گناہ پر آمادہ کرے، ایسے شخص کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، اور لوگون مین کچھ ایسے بھی ہین جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہین اور اللہ بندون پر شفقت کرنے والا ہے،

یہ آیتین سنکر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے تم نے سچ کہا[1]

حدیث

حضرت ابن عباسؓ ان مخصوص صحابہؓ مین ہین جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہین، اگر حدیث کی کتابون سے ان کی روایتین علٰحدہ کر لی جائین تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائین گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۱۶۶۰ ہے، ان مین ۹۵ متفق علیہ ہین، یعنی بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان کے علاوہ ۱۲۰ روایتون مین بخاری منفرد ہین اور ۴۹ مین مسلم[1]"

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش وجستجو کا نتیجہ ہین، گو بہت سی روایتین براہِ راست خود زبانِ وحی والہام سے لی ہین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر مین علم کا اتنا سرمایہ کہان سے حاصل کر سکتے تھے، ان کے ذوقِ علم اور تلاش وجستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۴۰ شرط شیخین [2] تہذیب الکمال ص ۲۰۲

علیہ وسلم وفات پاگئے، مگر آپ کے اصحاب زندہ ہین چلو ان سے تحصیل علم کرین، انھون نے کہا ابن عباسؓ! مجھکو تم پر حیرت ہوتی ہے تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم مین خود تمھارے محتاج ہین، پھر تم دوسرون کے پاس جاتے ہو، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہان کہین سراغ ملتا کہ فلان شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکل آتا اور کہتا کہ ابن عم رسولؐ! آپ نے کیسے تکلیف کی، یہ اپنا مدعا بیان کرتے کہ مین نے سنا ہے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا ابن عم رسولؐ! آپ نے کیون زحمت گوارا کی، کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہین یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چن کر خرمن علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل و کمال کا چرچا زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنھون نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ "ابن عباسؓ ہم سے زیادہ عقل مند تھے"[1]

ابو سلمہؓ روایت کرتے ہین کہ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو مین خود اس کے مکان پر جاکر حاصل کرتا، حالانکہ اگر مین چاہتا تو راوی کو اپنے یہان بلوا سکتا تھا،[2]

ابو رافعؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، اس لئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباسؓ ان کے پاس کاتب لیکر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلان فلان دن کیا کیا کیا، ابو رافعؓ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا،[3]

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل ابن عباسؓ سعی ابن عباسؓ فی طلب العلم [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵ [3] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲

اسی تلاش وجستجو نے ان کو اقوال و افعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا، اکثر اکابر صحابہؓ کو جو عمر اور مرتبہ مین ان سے کہین زیادہ تھے، ان کے مقابلہ مین اپنے قصورِ علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کئے بغیر لوٹ جائے، حضرت زید بن ثابتؓ انصاری کاتبِ وحی کو معلوم ہوا تو انھون نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو، انھون نے کہا ہان، زید بن ثابتؓ نے کہا یہ فتویٰ نہ دیا کرو، انھون نے کہا مین تو یہی دون گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلان انصاریہ سے جاکر پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہین، زید بن ثابتؓ نے جاکر پوچھا تو ابن عباسؓ کا فتویٰ صحیح نکلا چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا،[1]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان مین اور مسور بن مخرمہ مین محرم کے سر دھونے کے بارہ مین اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے محرم سر دھو سکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے، اس پر عبداللہ بن عباسؓ نے عبداللہ بن حنین کو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے پاس تحقیق کے لئے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کئے ہوئے کنوین پر نہا رہے تھے، عبداللہ نے سلام کیا، انھون نے پوچھا کون ہو، کہا مین ہون عبداللہ بن حنین، ابن عباسؓ نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت مین کس طرح سر دھوتے تھے، ابوایوبؓ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا،[2]

جب صحابۂ کرامؓ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل کے بارہ مین اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے، اس بارہ مین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہان سے احرام باندھا، صحابہؓ مین بہت اختلاف ہے، سعید بن جبیر نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ابوالعباس مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ مین آپ کے احرام باندھنے کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۲۲۶ [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب المحرم یغتسل (راسہ)

جگہ کی تعیین مین بہت زیادہ اختلاف ہے، انھون نے کہا میرے معلومات اس بارہ مین سب سے زیادہ ہین، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے، اس لئے لوگون مین اختلاف پیدا ہوگیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد مین دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع کیا، جو لوگ اس وقت موجود تھے، انھون نے اسی کو یاد رکھا، پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا، اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہین ابتدا کی ہے، چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہوکر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا، اس کے بعد جب آپ بلند مقام پر چڑھے تب لبیک کہا جو لوگ اس وقت آکر ملے، وہ یہان سے ابتدا سمجھے چنانچہ وہ کہتے ہین کہ جب آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا، لیکن مین خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ آپ نے مسجد مین احرام باندھا، اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب، اور جب بلند مقام پر چڑھے تب، دونون مرتبہ لبیک کہا[1]

روایتون مین احتیاط

عموماً کثیر الروایت راویون کے متعلق یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے مین محتاط نہین ہوتے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہین رکھتے، لیکن ابن عباسؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک وشبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہان اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تھے، جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگون نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثین

[1] ابو داؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام،

بیان کرنا شروع کردیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا[1]، لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ،[2] اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیتے تھے[3] کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے،

حلقۂ درس

حضرت ابن عباسؓ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا سینکڑوں طلبگار روزانہ ان کے خرمنِ کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کیلئے وقف تھا، کبھی کوئی شخص ان کے چشمۂ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکرون کے لیے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابو صالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ "میں نے ابن عباسؓ کی ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جا کر اس اژدحام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انھوں نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں، ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دیکر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا، اور جن کو جو سوالات کرنا تھے پیش کئے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے

---

[1] مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات [2] ایضاً باب ماتیقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] مسند احمد ابن حنبل جلد اول ص ۳۵۰،

سوالات سے زیادہ جواب دیکر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمھارے دوسرے بھائیون کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلون کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروون کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے سائلون کو بلاؤ، چنانچہ مین نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگون نے جو سوالات کئے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابو صالح یہ واقعہ بیان کرکے کہتے ہین کہ مین نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہین دیکھی تھی،[۱]

درس کے ان مستقل حلقون کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے، عبد اللہ بن شقیق بیان کرتے ہین کہ ایک دن ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہم لوگون کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہوگیا، اور تارے نکل آئے، لوگون نے نماز نماز کی آوازین بلند کرنا شروع کین، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ جھنجھلا کر بولے لا امّ لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی نمازین ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبد اللہ بن شقیق کے دل مین یہ بات کھٹکتی رہی، انھون نے جاکر حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہان صحیح ہے[۲]

حضر کے علاوہ سفر مین بھی ان کا یہ چشمۂ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنون کے لئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لیجاتے تھے، اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبانِ علم کی درسگاہ بنجاتی،[۳]

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۸ [۲] مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرہا باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر [۳] استیعاب جلد اوّل ص ۳۵۳

ترجمان کا تقرر | اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران ومصر وغیرہ میں پھیلا، تو وہ قومیں اسلام کے حلقۂ اثر میں آئیں جنکی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباسؓ نے ان کی آسانی کے لئے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو،[1]

تلامذہ | ان کی اس فیض رسانی وعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے،

بیٹوں میں محمد اور علی، پوتوں میں محمد بن علی، بھائیوں میں کثیر، بھتیجوں میں عبد اللہ ابن عبید اللہ، اور عبد اللہ بن معبد، عام لوگوں میں عبد اللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ ابو الطفیل، ابو امامہ بن سہل، سعید بن مسیب، عبد اللہ بن حارث، عبد اللہ بن عبد اللہ، عبد اللہ بن شداد، یزید بن اصم، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، ابو جمرہ ضبعی، ابو مجلز لاحق بن حمید، ابو رجاء عطاردی، قاسم بن محمد، عبید بن اسباق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبید اللہ ابن عبد اللہ بن عتبہ، عکرمہ، عطاء، طاؤس، کریب، سعید بن جبیر، مجاہد، عمرو بن دینار، ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ ربعی، ابو الشعثاء، جابر بن زید، بکر بن عبد اللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابو الجویریہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف، رفیع ابو العالیہ، مقسم، ابو صالح السمان، سعد بن ہشام، سعید بن ابو الحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابو البختری سعید بن یسار، سلیمان بن یسار، ابو زمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبد اللہ بن عوف، عامر الشعبی، عبد اللہ بن ابی ملیکہ، عبد اللہ بن کعب ابن مالک، عبد اللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبد الرحمٰن بن مطعم، عبد الرحمٰن بن وعلہ،

[1] مسلم جلد اول

عبدالعزیز بن رفیع، عبدالرحمن بن عابس نخعی، عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ثور، عبیداللہ بن یزید الملکی، علی بن ابوطلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح، مسلم القریر، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نضر بن انس، یحییٰ بن یعمر، ابوالبختری الطائی، ابوالحسان الاعرج، یزید بن ہرمز، ابوحمزہ قصاب، ابوالزبیر مکی، ابوعمر البہرانی، ابوالمتوکل الناجی، ابونضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم [۱]

فقہ وفرائض | حضرت ابن عباسؓ کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لئے ایک دفتر چاہیے، اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پروتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کئے تھے [۲]

مکہ میں فقہ کی بنیاد انہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ ومجتہد کے لئے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کرکے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ

---

[۱] تہذیب التہذیب [۲] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳

ہوتی، تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ نہ حل ہوتا، تو پھر اجتہاد کرتے[1] مگر اسی کے ساتھ وہ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ "جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں نہیں ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا"[2]

حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علیؓ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباسؓ کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کے بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، پھر فرمایا کہ "جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو" یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباسؓ پر افسوس ہے،[3]

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبلؓ زید بن ثابتؓ، اور عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباسؓ ممتاز درجہ رکھتے تھے،[4]

دیگر علوم ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمۂ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباسؓ نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ[5]

---

[1] اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۳ [2] ایضاً [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳

ین نمونہ کے طور پر نقل کئے ہین،

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتی   واعمل فکر اللیل واللیل عاکر

جب رات کے آنے والے غم کسی جوانمرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہین اور شب کے آخر حصہ مین تفکرات اپنا عمل کرتے ہین،

وباکرنی فی صاحبة لم یجد بها   سوای ولا من نکبة الدهر ناصر

اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت مین اپنی حاجت لیکر آتا ہے کہ اس مین اور اسکی زمانہ کی بدبختیون مین اسکا کوئی مددگار نہین ہوتا

فرجت بمالی همه من مقامه   وزائله همّ طروق مسامر

تو مین اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہون اور اس کے رات کی آنے والے تفکرات دور ہو جاتے ہین،

وکان له فضل علی بظنّه   بی الخیر انی للذی ظنّ شاکر

اور مین اسی کا ممنون ہون کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو اسکا مین مشکور ہوتا ہون

شعر گوئی کے ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انھون نے کوئی شہرت نہین حاصل کی، تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباسؓ گفتگو کرتے تھے تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے،[1] حضرت حسینؑ کی وفات کے بعد ان مین اور امیر معاویہؓ مین جو گفتگو ہوئی ہے، وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے،[2]

معاویہ: اجرك الله ابا العباس فی ابی محمد الحسن بن علی	معاویہؓ: ابو العباس خدا تمھین ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے،
فقال ابن عباس: انا لله وانا الیه راجعون وغلبه البکاء فرده ثم	ابن عباسؓ:- ابن عباسؓ نے انا للہ وانا الیه راجعون پڑھا اور آنسو ضبط کر کے بولے خدا کی قسم انکی

[1] کتاب العمدہ ص ۵ [2] استیعاب جلد اول ص ۳۸۴ [3] کتاب البیان والتبیین جاحظ جلد ۲ ص ۱۸۰،

قال لا یسد الله مکانه حفرتك ولا یزید موته في اجلك والله لقد اصبنا بمن هو اعظم منه فقد فما ضیعنا الله بعده

معاویةؓ:- کم کانت سنه

ابن عباسؓ:- مولده اشهر من ان تعرف سنه

معاویةؓ:- احسبه ترك اولادا اصغارا

ابن عباسؓ:- کان کلنا صغیرا فکبر ولئن اختار الله لابي محمد ما عنده وقبضه الی رحمته لقد ابقی الله ابا عبد الله وفي مثله الخلف الصالح،

موت سے تمھاری قبر پٹ نہ ہو جائیگی اور نہ انکی موت سے تمھاری زندگی مین کچھ اضافہ ہوگا خدا کی قسم ہم ان سے بڑے کی موت کا صدمہ اٹھا چکے خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا،

معاویہؓ:- ان کی عمر کتنی تھی،

ابن عباسؓ:- ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہین،

معاویہؓ:- میرا خیال ہو کہ انھون نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے

ابن عباسؓ:- ہم سب چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے، اگر خدا نے ابو محمد (حسنؑ) کو اپنی رحمت کی طرف بلالیا تو ابھی اس نے ابو عبد اللہ (حسینؑ) کو زندہ رکھا ہے اور ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہین،

تقریر اس قدر شیرین ہوتی تھی کہ بے ساختہ سننے والون کی زبانون سے مرحبا نکل جاتا، ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہین نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے کہ "ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ حج کے موسم مین سورۂ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانون نے سنی تھی، نہ آنکھون نے دیکھی تھی، اگر اس کو فارس وروم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہ روک سکتی"، ابن ابی شیبہ کی روایت مین اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابن عباسؓ کی شیرین بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لون،"[1]

ابن عباسؓ کی جامعیت

اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا، عبید اللہ بن عبد اللہ

[1] اصابہ بحوالہ ابن ابی شیبہ تذکرہ عبد اللہ بن عباسؓ،

کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابتِ رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویلِ قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویلِ قرآن پر روشنی ڈالتے، کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے، کسی دن ایامِ عرب کی داستان سناتے، کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا، غرض ان کا چشمۂ فیض ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمالِ علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا[۱]!

معاصرین کا اعتراف — حضرت ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے، مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے، ان کے فضل و کمال کے معترف تھے،

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ "میں نے ابن عباسؓ کے فتاوی سے بہتر کسی شخص کا فتوی نہیں دیکھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے"، طاؤس کہتے تھے کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانسو اصحابؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ ہی کی رائے

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳-۱۹۴؛

پر فیصلہ ہوتا۔[۱]

عبید اللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ مین نے عبد اللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے، ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہین دیکھا، حضرت عمرؓ باوجود اپنے ملکۂ اجتہاد اور مسلمانون کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لئے تیار کرتے تھے، قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ "ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس مین کبھی کوئی باطل تذکرہ نہین سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سنتِ نبوی کے مشابہ نہین دیکھا"[۲] طاؤس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابو سلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم اس چھوکرے سے کیون چمٹے رہتے ہو؟ انھون نے کہا مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر اصحابؓ کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ مین گفتگو کرتے تھے تو آخر مین ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا،[۳] حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباسؓ کو ان کا قائم مقام بنائے گا،[۴] مشہور عالم صحابی ابی بن کعبؓ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہین کہ ابن عباسؓ ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ اٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر زبر دست عالم ہو گا،[۵] حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور ابن عباسؓ اپنے کثرت علم کی وجہ سے حبر الامۃ کہلانے لگے،[۶]

معاصرین کی عزت

اس ذاتی علم و فضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان سے نہایت تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہوئے

---

[۱] یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہین جلد اول ص ۳۸۴ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۴ [۳] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [۴] ایضاً ص ۹۱ [۵] مستدرک حاکم فضائل ابن عباسؓ،

تو ابن عباسؓ نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابتؓ نے کہا اے ابن عم رسول! ایسا نہ کیجئے!
فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیئے، زید بن ثابتؓ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا، ہم کو اپنے
نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیئے[1]

بدعت سے نفرت

عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی
بنیادیں ہل جاتی ہیں، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنی افراط
وتفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہؓ کے آخر زمانہ میں نومسلم عجمیوں کے
ذریعہ سے خیر وشر اور قضا وقدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ
کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت ان کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی
تھی، پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھکو اس شخص تک پہنچادو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا
طرز عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا، اور اگر گردن ہاتھ
میں آگئی تو اس کو توڑدوں گا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ
"میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خزرج کا طواف کر رہی ہیں، اور سب کی سب
اعمالِ شرک میں مبتلا ہیں"، تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، میں اس ذات کی قسم
کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بری رائے یہیں تک نہ محدود
رہے گی، بلکہ جس طرح انھوں نے خدا کو شر کی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اسکی خیر کی
تقدیر سے منکر ہو جائیں گے[2]

رسول کی محبت

حضرت ابن عباسؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی اور گرویدگی تھی،
آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بیقرار ہو جاتے، سعید بن جبیر تابعی

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [2] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۳۰

روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا "پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ" اتنا کہنے پائے تھے، ابھی مبتدا کی خبر بھی نہ نکلی تھی کہ زار وقطار رونے لگے، اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ ریزے ان کے آنسوؤں سے تر ہوگئے، ہم لوگوں نے کہا ابو العباس! پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی، بولے اسی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپنے فرمایا "دوات لاؤ میں تم لوگوں کو ایک پرچہ پر لکھ دوں کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ" اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبیؐ کے پاس جھگڑنا مناسب نہیں ہے اور کہنے لگے کہ "بیماری کی تکلیف سے ہذیان ہو گیا ہے، اور آپسے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ تو اس کی حالت میں دے رہے ہیں، یا ہذیان ہے، آپنے فرمایا میرے پاس سے ہٹ جاؤ، میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف مجھے بلانا چاہتے ہو[۱]۔

رسول کی خدمت | ام المومنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ تھیں، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتوں کو بھی رہ جاتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری کا بھی انھیں موقعہ ملتا رہتا تھا، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے، ابن عباسؓ نے آپکے لئے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابن عباسؓ نے آپکے لئے وضو کا پانی رکھا ہے، آپنے دعا دی "خدایا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"،

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جائے ضرور سے فارغ ہو کر تشریف لائے، تو ایک طشت میں پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کس نے رکھا ہے، ابن عباسؓ نے عرض کی میں نے، فرمایا "خدایا ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"[۲] کبھی کبھی آپ خود

---

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۲۲۔ [۲] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴ و ۵۳۷ بشرط شیخین۔

بھی ان سے کام لیا کرتے تھے، ایک دفعہ یہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہیں، بچپن کا زمانہ تھا، بھاگ کے ایک مکان کے دروازے کی آڑ میں چھپ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت سے آکر پکڑ لیا، اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، معاویہ اس وقت آپکے کاتب تھے، ابن عباسؓ نے جاکر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھاری ضرورت ہے، فوراً چلو[1]

رسول کا احترام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز میں بھی آپکے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آخر شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، ابن عباسؓ آکر پیچھے کھڑے ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہو گئے، مگر جیسے ہی آپنے نماز شروع کی، ابن عباسؓ ہٹ کر اپنی جگہ پر آگئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپنے پوچھا کہ "میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیوں ہٹ گئے،" عرض کی، کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ کے بہ شانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لئے فہم وفراست کی دعا فرمائی،[2]

امہات المومنین کا احترام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضا یہ تھا کہ وہ امہات المومنین کے ساتھ بھی اس عزت وتکریم سے پیش آتے تھے، جب حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام سَرِف میں جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے تو انھوں نے کہا کہ، لوگو! یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم کا جنازہ ہے، نعش آہستہ اٹھاؤ، ہلنے نہ پائے،[3]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴ و ۵۳۵ بشرط الشیخین [2] ایضاً [3] مسلم کتاب الرضاع باب جواز ہبتہا لضرتہا،

یہ احترام حضرت میمونہؓ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المومنینؓ کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشون کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بدمزگی ہو گئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے درِ دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی،

ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے مرض الموت مین ابن عباسؓ آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی، مین نے حضرت عائشہؓ سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے، عبداللہ بن عبدالرحمن ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، انھون نے بھی کہا کہ ابن عباسؓ آنے کی اجازت چاہتے ہین، بولین ان کو آنے کی ضرورت نہین، عبداللہ بن عبدالرحمن نے کہا، امان! ابن عباسؓ آپ کے سعادت مند بیٹے ہین، وہ سلام کرتے ہین، اور رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہین ان کو اجازت دیجئے، فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلا لو، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی، آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا چاہتی ہین،) حضرت عائشہؓ نے جواب مین فرمایا "تم کو بھی بشارت ہو"، اس خوش آیند سلسلۂ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپ کے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اعزہ و احباب سے ملنے مین صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کیے،[1]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲۷۶،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نام، نسب عبداللہ نام، ابو عبدالرحمن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:- عبداللہ بن مسعودؓ بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر،

حضرت عبداللہؓ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے،[۱]

ابتدائی حالات ایام جاہلیت میں زمانۂ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا، یہاں تک کہ شرفاء و امراء کے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درسگاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی، وفاشعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا،

مکہ میں جب دعوتِ توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اسی درسگاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں،[۲]

اسلام ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس و ہمدم حضرت ابوبکر صدیقؓ کیساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا، "صاحبزادے! تمھارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ، بولے "میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے،" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تمھارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں، عرض کی "ہاں"، اور ایک بکری پیش کی، آپ نے

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [۲] ایضاً،

تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہان تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو علٰحدہ لیجا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینون آدمیون نے یکے بادیگرے خوب سیر ہوکر نوش فرمایا[۱]، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن سے فرمایا خشک ہوجا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا،

اس کرشمۂ قدرت نے حضرت عبد اللہؓ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہوکر عرض کی "مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے،" آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "تم تعلیم یافتہ بچے ہو،" غرض اس روز سے وہ معلّمِ دینِ مبین کے حلقۂ تلمذ مین داخل ہوئے، اور بلا واسطہ خود مہبطِ وحی و الہام سے ستر سورتون کی تعلیم حاصل کی جن مین کوئی ان کا شریک وسہیم نہ تھا،[۲]

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت مین حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا، انشاء اللہ آگے ایک خاص باب مین خدمت گذاریون کی تفصیل آئے گی،

جوشِ ایمان حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس زمانہ مین ایمان لائے تھے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کی جرأت نہین کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانون نے باہم مجتمع ہوکر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا "خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہین سنا،" لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پُرخطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا،

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ [۲] مسند احمد بن حنبل،

لوگون نے کہا کہ تمھارا خطرہ مین پڑنا مناسب نہین، اس کام کے لئے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو، اور وہ اس کی حمایت مین مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبد اللہ رضؓ نے جوشِ ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا "مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے"!

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکینِ قریش اپنی انجمن مین حاضر تھے، اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر سازِ توحید پر مضراب لگائی اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد علم القرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا، مشرکین نے تعجب اور غور سے سنکر پوچھا "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟"، کسی نے کہا کہ محمدؐ پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ و غضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہین، اسی طرح حضرت عبد اللہ رضؓ کا شعلۂ ایمان اس ظلم و تعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی،

حضرت عبد اللہ رضؓ جب اس فرض کو انجام دے کر خستگی و شکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب مین واپس آئے تو لوگون نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے، بولے "خدا کی قسم! دشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظر مین کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل مین پھر اسی طرح ان کے مجمع مین جا کر قرآن کریم کی تلاوت کرون، لوگون نے کہا "بس جانے دو، اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانون تک پہنچا دیا"[1]

[1] اسد الغابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ،

ہجرت — حضرت عبد اللہؓ کے جوش و غیرتِ ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا، یہان تک کہ ان کی مسلسل و پیہم ایذا رسانیون سے تنگ آکر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرا نوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کرکے یثرب کی راہ لی اور یہان پہنچکر حضرت معاذ بن جبلؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونون مین بھائی چارہ کرا دیا، اور مستقل سکونت کے لئے حضرت عبد اللہؓ کو مسجد نبوی کے متصل ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا[1]

غزوات — حضرت عبد اللہؓ تمام مشہور و اہم جنگون مین جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار رہے، غزوۂ بدر مین دو انصاری نوجوانون نے سرخیل کفار ابوجہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لاتا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ گئے، ابھی کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑکر کہا کہ ابوجہل تو ہی ہے،[2]

غزوۂ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ مین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ مین غزوۂ حنین پیش آیا، اس جنگ مین مشرکین اس طرح یکایک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہوگئے اور دس ہزار کی جماعت مین سے صرف اسّی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت کے ارد گرد پروانہ وار اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ان ہی جان نثارون مین تھے، فرماتے ہین کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسّی قدم تک پسپا ہوئے لیکن پھر تھم کر کھڑے ہوگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا، اسی حالت مین آپ ایک دفعہ زین سے جھکنے مین نیچے گر گئے اور آپ چہرہ بلند کر کے خدا نے آپ کو

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ تذکرۂ عبد اللہ بن مسعودؓ [2] بخاری جلد اول ص ۵۶۵

رفعت عطا فرمائی ہے" فرمایا "مجھے ایک مٹھی خاک اٹھادو"، مین نے خاک اٹھا کر دی، تو آپ نے مشرکین کے منھ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھین غبار آلود ہوگئین، پھر ارشاد ہوا "مہاجرین و انصار کہان ہین؟"، مین نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انھین آواز دے کر بلاؤ، مین نے چیخ کر پکارا تو یکایک سب کے سب پلٹ پڑے، اس وقت ان کی تلوارین نورِ ایمان سے اس طرح چمک رہی تھین، جس طرح شعلہ دہکتا ہے، غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بن گیا، مشرکین مغلوب ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانون کے ہاتھ رہا،[۱]

جنگ یرموک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے، لیکن عہدِ فاروقؓ مین جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگِ شجاعت مین بھی ہیجان پیدا کیا، ۱۵ھ مین گوشۂ خلوت سے نکلکر رزمگاہِ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور میدانِ یرموک کی فیصلہ کن جنگ مین سرگرمِ پیکار ہوکر خوب دادِ شجاعت دی،[۲]

عہدۂ قضاء ۲۰ھ مین کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، عہدۂ قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری، مسلمانون کی مذہبی تعلیم، اور والیِ کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمانِ تقرری کے الفاظ یہ ہین،

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا و ابن مسعود معلما و وزیرا و قد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم و انھما لمن النجباء من اصحاب محمد من اھل بدر، فاسمعوا لھما واطیعوا و اقتدوا بھما و قد آثرتکم	مین نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ دونون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ذی عزت اصحاب مین سے ہین جو معرکۂ بدر مین شریک تھے، اس لئے ان کو سمعًا و طاعۃً کہو اور اتباع

[۱] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۵۳ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۷،

یا ابن ام عبد علی نفسی لہ — کرو، حقیقت یہ ہے کہ مین نے تمھارے لئے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے، اس طویل عرصہ مین بساط سیاست پر گوناگون انقلاب ہوئے، خلیفۂ دومؓ نے وفات پائی، خلیفۂ ثالثؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا، اور خاص کوفہ کی عنان حکومت اہل کوفہ کی شکایت و احتجاج پر یکے بادیگرے مختلف والیون کے ہاتھ مین آئی، لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی،

فطری رحم دلی، نرمی اور لطف کے باعث عفو و درگذر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہِ عدالت مین جب کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگذر سے پیش آنا درحقیقت نظامِ حکومت کے ارکان و اساطین کو متزلزل کر دیتا ہے، اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد رتی برابر بھی نرمی و شفقت سے باوجود قانونِ معدلت کے اجراء مین کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادر زادہ کو شراب خواری کے جرم مین پیش کیا، حضرت عبداللہؓ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دے دیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت و سماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انھون نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے، اس کو حدِ شرعی کا مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جو اب ممکن نہین، اسلام مین سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

لہ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۸،

اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ تم لوگون کو اعراض وچشم پوشی سے کام لینا چاہیئے کیا تم اسے پسند نہین کرتے کہ خدا تمہین بخشدے"

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرمون کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤن کا مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبد اللہ رضؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے متبعین مین سے کچھ لوگ اب تک موجود ہین جو اس کو رسولِ خدا کہتے ہین، حضرت عبد اللہ رضؓ نے چند سپاہی بھیجکر ان کو گرفتار کرایا اور سب کی توبہ قبول کرکے چھوڑ دیا، لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لئے قتل کی سزا تجویز کی، لوگون نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمۂ کذاب کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین سفیر بنکر گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انھون نے کہا ہان، آپ نے فرمایا کہ "اگر تم سفیر نہ ہوتے تو مین تمھین قتل کرا دیتا"، اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہین آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا،

حضرت عثمان رضؓ کے آخری عہدِ خلافت مین جب کوفہ سازش، فتنہ پردازی اور بدامنی کا مرکز ہوگیا تو عہدۂ قضا کے لحاظ سے قدرۃً حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ کو بھی غیر معمولی دشواریان پیش آئین، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دورِ امارت مین ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا، جو امیرِ کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھارہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نام ایک شخص نے اس کو قتل کرڈالا، چونکہ یہ صریحًا معاملاتِ حکومت مین مداخلتِ بیجا تھی، اس لئے انھون نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دیکر دربارِ خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہان سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ وتعزیر کے بعد اس کو چھوڑدو اور لوگون کو سمجھاؤ کہ

پھر آیندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، حضرت عبد اللہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا، صاجو! صرف شک وشبہہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ مین نہ لو، مجرمون اور خطاکارون کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس مین مداخلت کی ضرورت نہین[1]۔

اسی سال ولید بن عقبہ والیِ کوفہ پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تخلیہ مین شراب پیتا ہے، انھون نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہین ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو مین اس کی پردہ دری کے درپے نہین ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ مین چھپکر کون کام کرتا ہون، یہ تو اس شخص کے لئے کہا جا سکتا ہے جو مشکوک ہو، غرض اسی سوال و جواب مین بات بڑھ گئی اور دونون ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر ہو گئے[2]۔

خزانہ کی افسری

حضرت عبد اللہؓ منصب قضاء کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ کی عظمت، وسعت وکثرتِ محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھون روپیے کے وظائف جاری تھے، فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزارون سپاہیون کی تنخواہین مقرر تھین، اور خراسان، ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوجکشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کئے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی انتظامی قابلیت، بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۴۵ [2] ایضاً،

کارنامہ ہے،

ذاتی حیثیت سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ زہد و بے نیازی کے اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے، لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ، احباب، افسر اور والیِ ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والیِ کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا، اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہان تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونون ہاتھ اٹھا کر کہا، "اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے"،

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لئے حضرت عبد اللہؓ نے خوف زدہ ہو کر کہا، "دیکھو میرے لئے بد دعا نہ کرنا"، بولے "خدا کی قسم! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو مین تمھارے لئے سخت بد دعا کرتا، حضرت عبد اللہؓ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانۂ امارت سے باہر نکل آئے،

اس واقعہ کی رپوٹ دربارِ خلافت مین پہنچی تو امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے سخت ناراضی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبد اللہؓ بھی گو اس ناراضی سے مستثنیٰ نہ تھے، تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے،[1]

معزولی | حضرت عثمانؓ کے اخیر عہدِ حکومت مین جب سازش و مفسدہ پردازی کا بازار

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۱۱،

گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیون نے حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کو بھی زیادہ دنون تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا، اور یکایک معزول کردیئے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنادیا، احباب معتقدین، تلامذہ اور اعیانِ شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہوکر اس فرمانِ عزل پر سخت ناراضی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مصر ہوئے کہ آپ کوفہ سے تشریف نہ لیجائین، اگر اس کی پاداش مین کوئی مصیبت پیش آئے گی تو ہم سب اپنی جانین قربان کرنے کو حاضر ہین، بولے "امیرالمومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، مین نہین چاہتا کہ فتنہ وفساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کرکے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہوگئے، [1]

حضرت ابوذرؓ کی تجہیز وتکفین

جب مقام ربذہ مین پہنچے تو وسط راہ مین ایک عورت کو سرگردان وپریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز وتکفین کیجئے، پوچھا کون؟ کہا ابوذرؓ صحابیِ رسولؐ، آپ فدیتہ بابی وامی کہہ کر مع اپنے ساتھیون کے اتر پڑے، حضرت ابوذرؓ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد ومتقشف صحابی تھے، وہ دار الخلافت کی روز افزون تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل مین اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لئے اپنا آغوشِ شوق پھیلادیا، یہ لوگ حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچے، ان کا دم واپسین تھا، اپنی تجہیز وتکفین کے متعلق ضروری ہدایات دیکر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہؓ نے حضرت ابوذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز وتکفین کرکے نماز جنازہ پڑھا کر سپردِ خاک کیا، [2]

حضرت عبداللہؓ نے مکہ پہنچکر امیرالمومنین کو حضرت ابوذرؓ کی وفات کی اطلاع دی، اور

[1] اصابہ تذکرۂ عبداللہ بن مسعودؓ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶، اس روایت مین عبداللہؓ کے نام کی تصریح نہین ہے لیکن مستدرک حاکم مین صراحت کے ساتھ نام موجود ہے،

عمرہ سے فارغ ہوکر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی و عبادت الٰہی مین بسر ہون،

علالت

۳۲ھ مین جب کہ حضرت عبد اللہؓ کا سن بمبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا، ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر عرض کی، خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، مین نے گذشتہ شب کو خواب مین دیکھا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہین اور آپ سامنے حاضر ہین، اسی حالت مین ارشاد ہوتا ہے "ابن مسعودؓ! میرے بعد تمھین بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ،، فرمایا خدا کی قسم تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا ہان،، فرمایا تم میرے جنازہ مین شریک ہوکر مدینہ سے کہین جاؤگے،،

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہوکر پیش آیا، چند ہی دنون کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگون کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، امیر المومنین حضرت عثمانؓ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انھون نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کردیا تھا، اس لئے وہ اس آخری لمحۂ حیات مین عفو خواہی و عیادت کے لئے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی،

حضرت عثمانؓ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبد اللہؓ: اپنے گناہون کی،

حضرت عثمانؓ: آپ کیا چاہتے ہین؟

حضرت عبد اللہؓ: خدا کی رحمت،

حضرت عثمانؓ: آپ کے لئے طبیب بلاؤن؟

حضرت عبد اللہؓ: مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا،

حضرت عثمانؓ: آپ کا وظیفہ جاری کردون؟

حضرت عبداللہؓ:- مجھے اس کی ضرورت نہین،

حضرت عثمانؓ:- آپ کی صاجزادیون کے کام آئے گا،

حضرت عبداللہؓ:- کیا آپ کو میری لڑکیون کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟ مین نے انھین حکم دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرین، کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا"[1]

مذکورۂ بالا سوال و جواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت مین بھی دونون ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے، لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو خواہی کے صیقل نے دونون کے آئینۂ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے،[2]

وفات حضرت عبداللہؓ کو جب سفرِ آخرت کا یقین ہو گیا تو انھون نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاجزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر اپنے مال و اسباب اور اولاد نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتین فرمائین اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر ۳۲ھ مین داعیِ اجل کو لبیک کہا، مستند و صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو مین سپرد خاک کیا،[3] انا للہ وانا الیہ راجعون،

[1] یہ تمام تفصیل، اسد الغابہ سے ماخوذ ہے،

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جلد ۳ ص ۱۱۳،

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جلد ۳ ص ۱۱۳،

علم و فضل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان صحابہ کرام میں ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گئے ہیں، تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلم ربانی کی نگاہ انتخاب نے گلہ بانی کی درسگاہ سے نکال کر اپنے حلقۂ تلمذ میں داخل کر لیا، اور علم و فضل کے آسمان پر مہر منیر بنا کر چمکایا،

علم کا شوق

حضرت عبداللہؓ ابتدا ہی سے علم کے شائق تھے، قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انھوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے"! بشارت ملی

انك غلام معلم[1] تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو،

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمۂ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر حضر، غرض ہر موقع پر ساقئ معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طالبِ صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہاں تک کہ آپ جب داخلِ حرم ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبدؓ کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں[2]،

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و صحبت کا اثر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گذاری

[1] مسند ابو داؤد طیالسی و مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۹ و ابن سعد و دلائل ابی نعیم و اسد الغابہ جلد ۳ ص

[2] مسند اعظم صفحہ ۱۹۴،

کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم وہمراز بھی تھے[1] مخصوص صحبتون مین شریک کئے جاتے، بلا اذن تخلیہ کے موقعون پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتین سن سکتے تھے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی نے ان کو حضور کے بستر، مسواک اور وضو کے پانی والے کا معزز خطاب دے رکھا تھا،[2]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی فرماتے ہین کہ "ہم یمن سے آئے اور کچھ دنون تک (مدینہ مین) رہے، ہم نے عبد اللہ بن مسعود رض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو (عرصہ تک) خاندانِ رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے"[3]، غرض اس خدمت گذاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ خرمنِ کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا،

قرآن — قرآنِ کریم جو اصل اصولِ اسلام ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رض اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہین کہ "ستر سورتین مین نے خاص مہبطِ وحی والہام کے دہنِ مبارک سے سنکر یاد کی تھین"[4]، ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید مین کوئی آیت ایسی نہین جس کی نسبت مین یہ نہ جانتا ہون کہ کب، کہان اور کس بارہ مین اتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو مین اس کے پاس سفر کرکے جاتا، ایک دفعہ انھون نے مجمع عام مین دعویٰ کیا کہ "تمام صحابہ جانتے ہین کہ مین قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہون، گو سب سے بہتر نہین ہون"، شقیق اس جلسہ مین موجود تھے وہ کہتے ہین کہ اس واقعہ کے بعد مین اکثر صحابہ رض کے حلقون مین شریک ہوا مگر کسی کو عبد اللہ بن مسعود رض کے دعویٰ کا منکر نہین پایا،

[1] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۳۱۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۰۹ [3] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۳

[4] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۸

ابوالاحوص فرماتے ہین کہ ایک روز ہم اور عبداللہ بن مسعودؓ اپنے چند احباب کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکان مین تھے، حضرت عبداللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابومسعود نے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا، "مین نہین جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے" ابوموسیٰؓ نے کہا، "کیون نہین! یہ اس وقت بارگاہِ رسالت مین حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعون مین باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے"، حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرمایا کرتے تھے کہ مین عبداللہ بن مسعودؓ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہون جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو" اور سب سے پہلے ابن ام عبدؓ کا نام لیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب وفات پائی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابومسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا "کیا عبداللہؓ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟" دوسرے نے کہا "نہین وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگون کے لئے یہ ممکن نہ تھا،[1]

حضرت عبداللہؓ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کردینے کا حکم دیا تو انھون نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی،

چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت حضرت زید بن ثابتؓ نے انجام دی تھی، اس لئے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے، شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ انھون نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، ستر سے کچھ زیادہ سورتین مین نے خاص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنکر یاد کی تھین، حالانکہ زید بن ثابتؓ اس وقت لڑکے تھے،

---

[1] مسلم باب من فضائل عبداللہ بن مسعودؓ،

اور لڑکون کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے،[1] اس سے بڑھ کر اُن کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ خود حضور پر نور صلعم نے ایک موقع پر لوگون سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیون سے سیکھو، عبد اللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ،[2]

تفسیر قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعون پر برجستہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت مین خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث تھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا، حضرت عبد اللہؓ نے اس حدیث کی تصدیق مین برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی،[3]

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ،	بیشک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسمون کے معاوضہ مین نفع قلیل حاصل کرتے ہین ان کے لئے آخرت مین کوئی حصہ نہ ہوگا،

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقۂ درس مین بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "شرک، پھر قتلِ اولاد، پھر اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا" اس حدیث کو بیان کر کے انھون نے برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرما دی،[4]

وَالَّذِیْنَ لَایَدْعُوْنَ مَعَ اللہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ	جو لوگ خدا کے ساتھ کسی، دوسرے خدا کو نہین پکارتے اور ناحق جان نہین مارتے کہ اللہ نے اسکو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہین

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹ [2] بخاری باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] مسند جلد ۱ ص ۳۷۷، و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۲ [4] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۰،

اور جو شخص ایسا کریگا وہ ان گناہوں کا خمیازہ اٹھائے گا۔

یلق آثاما، (سورہ فرقان ع ۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی تفسیریں حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے،

تفسیر بالرائے سے احتراز

محض اپنی رائے و قیاس سے آیات قرآنی کی تشریح و تفسیر کرنا علماے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، حضرت عبد اللہؓ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد میں یوم تاتی السماء بدخان مبین، کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے،" بولے "دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہو جائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، خداے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنیوالا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے،[1]

قرأت

قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرآت میں ابن ام عبد یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی پیروی کیجائے، ایک مرتبہ وہ نماز میں سورۂ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ حضرت خیر الانامؐ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد تشریف لائے اور انکی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا

[1] مسند جلد ۱ ص ۳۸۱ و بخاری جلد ۲ ص ۷۱۰،

اسئل تعطه اسئل تعطہ (جو کچھ سوال کرو پورا کیا جائے گا، دجو کچھ سوال کرو پورا کیا جائے گا،

پھر ارشاد ہوا کہ "جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تر و تازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس کو قرآۃ ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہئے"

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے، اور پوچھا کہ "رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی ہے"، بولے "مین نے کہا اے خدا! مجھے ایسا ایمان عطا کر جسکو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو، اور خلد برین مین (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی دائمی رفاقت نصیب کر"[۱]

وہ تلاوتِ قرآن کے نہایت شائق تھے، اور تنہائی کے موقع مین عموماً اس سے دل بہلایا کرتے، بسا اوقات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے قرآن کی کوئی سورہ پڑھوا کر سنتے اور محظوظ ہوتے، خود کہتے ہین کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ، مین نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر نازل ہوا اور آپ کو مین سناؤن! ارشاد ہوا "کیون نہین! لیکن مین دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہون"، غرض مین نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا (فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا) آپ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے،[۲]

روایت مین خوف و احتیاط

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ کو بارگاہِ نبوت مین جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت مین وہ حد درجہ محتاط تھے ابو عمر شیبانی کہتے ہین کہ مین ابن مسعودؓ کی صحبت مین کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انھون نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم

[۱] مسند جلد ۱ ص ۴۵۴ [۲] ایضاً ص ۴۳۷ و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۹،

مین رعشہ آگیا، اور کہنے لگے آپ نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ[1]

عمرو بن میمون فرماتے ہین کہ تقریباً ایک سال تک عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین میری آمد و رفت رہی، لیکن مین نے کبھی ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہین سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا، اور خوف و ہراس سے عرق عرق ہوگئے[2]

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت

شاگردون کو بھی عموماً روایت حدیث مین احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مقدس، پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے[3]

کثرت روایات کی وجہ

لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ وہ مطلقاً حدیثین روایت نہین کرتے تھے، کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانام کی تعلیمات وارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی مین داخل تھا یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح و مسانید مین ان سے بکثرت روایات منقول ہین، چنانچہ آپ کے جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے، ان مین سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری مین ہین اور ۳۵ مسلم مین ہین،[4]

مذاکرۂ حدیث کا شوق

بسا اوقات وہ مذاکرۂ حدیث کے شوق مین تلامذہ و احباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر مذکور رہتا، وابصہ اسدی فرماتے ہین کہ مین کوفہ مین دوپہر کے وقت اپنے گھر مین تھا کہ یکایک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، مین نے

[1] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴ [2] ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰ [3] مسند احمد جلد اول ص ۴۰۵

[4] تہذیب الکمال ص ۲۳۴،

جواب دیا اور باہر نکل کر دیکھا، تو عبد اللہ بن مسعودؓ تھے، مین نے کہا ابو عبد الرحمن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے "آج بعض مشاغل ایسے پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتین کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کرون"، غرض وہ بیٹھ کر حدیثین بیان فرمانے لگے، اور دیر تک پر لطف صحبت رہی،[1]

آداب روایت حضرت عبد اللہؓ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب، متین اور سنجیدہ بنجاتے تھے، اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انھون نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس مین قیامت، جنت اور مومنین و سبحان رب العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کر کے متبسم ہوئے اور فرمایا "تم پوچھتے نہین کہ مین کیون ہنستا ہون؟" لوگون نے کہا آپ کیون ہنستے ہین؟ بولے "اس لئے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا"[2]

فقہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ان افاضل صحابہؓ مین ہین جو فقہ کے موسس اور بانی سمجھے جاتے ہین، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہی کے سنگِ اساس پر تعمیر ہوئی،

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانون مین مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج و اشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطۂ عراق، فقہ مین حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا پیرو ہوگیا، اور ان کی درسگاہ سے

---

[1] مسند احمد جلد اول ص ۴۴۴ [2] ایضاً مسند عبد اللہ بن مسعودؓ،

بڑے بڑے اہل کمال سندِ فضیلت لیکر نکلے،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ مین سے علقمہ اور اسود نے فقہ مین خاص شہرت حاصل کی، پھران کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہان تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا،

ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے فتاوی کا نہایت کافی ذخیرہ تھا، جوان کو تمامتر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ مین آیا، جنھون نے اپنے علم و اجتہاد سے اسکو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیاے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے،

اصولِ فقہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہین، اور یہی اصولِ فقہ کے موضوعِ فن بھی ہین، ان مین سے دونون مؤخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آئی، کیونکہ مہبط وحی والہام کی موجودگی مین اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی،

اجماع اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ کا خاص طغراے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا،

ما رای المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن وما راوا سیئًا فھو عند اللہ سیئ[1]	جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے،

---

[1] مسند احمد جلد اول ص ۳۷۹،

قیاس اصولِ فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے، جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیعِ فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں، اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لئے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیاتِ غیر منصوصہ کو احکامِ منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی وہ موقع ہے جہاں اس کی قوتِ اجتہاد، تفریعِ مسائل و استنباطِ احکام کا امتحان ہوتا ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لیکر آیندہ نسلوں کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کردی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کردیئے جو آج ہمارے علم اصولِ فقہ کی بنیاد ہیں، ہم یہاں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جن سے ان کی قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا،

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدِ راہ ہوجانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کرسکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیجکر احرام کھولدے، اور آیندہ جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ "مجبوری" کو علتِ مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لئے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "میں عمرہ کے لئے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی" بولے "تم صرف قربانی بھیجکر احرام کھول دو، اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو"[1]

[1] موطا امام محمد ص ۲۳۲:

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہین (۱) اشتراکِ علت اشتراکِ حکم کا باعث ہے (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہین ڈالتا،

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی، اوس کو وراثت مین ترجیح دیجائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لئے ترجیح ہے کہ اوّل الذکر کو مان اور باپ دونون کی طرف سے قرابت ہے، برخلاف اس کے دونون مؤخر الذکر مین صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس اصول کو دوسرے قرابت دارون مین بھی پیش نظر رکھتے ہین، مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچازاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس صورت مین از دیاد قربت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہین، لیکن جمہور علماے اہلِ سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونون مین کوئی تفریق نہین کرتے،[1]

اجتہاد مذکورہ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیان صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ناخنِ اجتہاد سے حل ہوئین، آپ استنباطِ احکام و تفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ مین ناسخ و منسوخ، موقت و مؤبد کی تفریق کرکے صحیح استنباطِ حکم کی راہ پیدا کرلیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لئے جس کا شوہر مرگیا ہو، عدت کیا ہے؟ چونکہ قرآن مجید مین عدت کے متعلق مختلف احکام ہین، سورۂ بقرہ مین عام حکم یہ ہے،

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ — تم مین سے جو لوگ مرجائین، اور بیویان چھوڑین

أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ — تو وہ (عورتین) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن

[1] التوضیح والتلویح،

وَّعَشۡرًا | تک روکے رکھیں

اور سورۂ نسار میں خاص حاملہ عورتوں کے لئے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے،

وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ | اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں،

اس بنا پر حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس کا زمانۂ عدت قرار دیا دے، تاکہ دونوں آیتوں کا توافق پیدا ہو جائے، لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے حاملہ عورت کے حق میں سورۂ بقرہ کی آیت کو سورۂ نسار کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضعِ حمل عدت قرار دی، اور فرمایا کہ میں اس کے لئے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورہ بقرہ سورۂ نسار کے بعد نازل ہوئی ہے[۱]،

یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہئے، یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر فرقِ اسلامیہ کے درمیان ایک معرکۃ الآرا بحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا، حضرت عبد اللہؓ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتا، اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا، انھوں نے جواب دیا،

انصت فان فی الصلوٰۃ شغلا سیکفیک قراءۃ الامام[۲] | خاموش رہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی، امام کا پڑھنا تمھارے لئے کافی ہے،

اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے جو آج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے،

(۱) اذا قرئ القراٰن فاستمعوا | جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو اور خاموش رہو،

---

[۱] التوضیح والتلویح [۲] موطا امام محمد جلد ۱ ص ۹۶،

له وانصتوا،

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز مین توجہ قلب باقی نہین رہتی،

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من کان له امام فقرأة الامام قرأة له"

یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے،

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ مین ایک لڑکی، ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی" انھون نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہین، اور پوتی محروم الارث ہے، حضرت ابوموسیٰؓ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین آیا، انھون نے فرمایا کہ "اگر مین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ابوموسیٰ کے قول کو ترجیح دون تو مین گمراہ ہون گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی، لیکن دو ثلث پورا کرنے کے لئے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا، اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے"؎ یہ جواب حضرت ابوموسیٰؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا "جب تک یہ بڑا عالم ہم مین موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہین"

چنانچہ آج یہی فتویٰ تمام مسلمانون کا معمول بہ ہے،

| معاصرین فضل وکمال کے معترف تھے | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تبحر علمی و ملکۂ اجتہاد کے تمام |

صحابۂ کرامؓ معترف تھے، حضرت عمرؓ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہوجاتا اور فرماتے،

کیف ملی علماً؎ (مستدرک حاکم، مناقب) ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے،

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے چند کوفیون نے ان کے تقویٰ، حسنِ خلق اور تبحر علمی کی بہجد تعریف کی، انھون نے پوچھا کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟، بولے "ہان" فرمایا "تم لوگون نے

؎ مسند احمد جلد ۱ ص ۴۲۸، بخاری جلد ۲ ص ۹۹۷ ؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۱۰،

عبداللہ بن مسعودؓ کی جو کچھ تعریف کی ہے، مین ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہون[1]

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ فرو ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے، انھون نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائیگی حضرت عبداللہؓ موجود تھے، انھون نے (روک کر) کہا آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہین؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے، حضرت ابوموسیٰؓ نے خوش ہو کر اعترافِ فضل کے لہجہ مین لوگون سے کہا، جب تک یہ حبر (یعنی عالمِ متبحر) تم مین موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جو تہ بند ٹخنون سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا، کہا، تہ بند ذرا اوپر کر کے باندھو،، اس نے کہا ابن مسعود تم بھی تہ بند اوپر کرو، بولے مین تمھارے جیسا نہین ہون، میری ٹانگین تپلی ہین،، حضرت عمرؓ نے اس رد وقدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعودؓ جیسے شخص سے منھ زوری کی[3]،

نامعلوم مسائل مین رائے زنی سے احتراز

ایک طرف تو ان کی قوتِ اجتہاد و جلالتِ شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل مین کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردون کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے، یا میرا خیال یہ ہے، بلکہ صاف کہدیا کرو کہ مین نہین جانتا ہون[4]

مسروق جو ان کے خاص تلامذہ مین ہین بیان کرتے ہین کہ عبداللہ بن مسعودؓ اکثر حسرت وافسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے، جب کہ علما باقی نہ رہین گے اور لوگ ایسے جاہلون کو سردار بنالین گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل ورائے سے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اجزء ۳ ص ۱۱۰ [2] موطا امام مالک ص ۲۲۳ [3] اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۰
[4] اعلام الموقعین ص ۶۴

قیاس کرین گے[1]

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتار آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس مین مہر کا کوئی تذکرہ نہین کیا گیا، یہان تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اس کے لئے کیا حکم ہے، وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہین؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے لوگون کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے "میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت مین بیٹھنا چاہئیے"، پھر فرمایا "اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہے"، اس وقت حاضرین مین دو صحابی حضرت جراحؓ اور حضرت ابو سنانؓ موجود تھے، انھون نے اٹھ کر کہا "ہم گواہی دیتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے حق مین بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا" اس توافق سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی[2]

فتوی سے رجوع کرنا

اگر وہ کبھی کوئی فتوی دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہوجاتا تو فوراً اس سے رجوع کرلیتے، ایک مرتبہ کوفہ مین ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی مان سے نکاح کرسکتا ہے؟" حضرت عبد اللہؓ نے جواز کا فتوی دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیون کے سوا اور تمام صورتون مین ناجائز ہے، چنانچہ انھون نے کوفہ واپس آکر براہ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتوی سے رجوع کرکے فسخ نکاح کا حکم دیا[3]

معاصرین سے استفادہ

نامعلوم مسائل مین ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے مین

---

[1] اعلام الموقعین ص ۴۴، [2] ابوداؤد باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا، [3] موطا امام مالک ص ۱۹۳،

عارنہ تھا، ایک مرتبہ انھون نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خرید کی اور شرطیہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل مین تامل تھا، اس لئے انھون نے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا، انھون نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہین ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ،[۱]

امام محمد نے کتاب الآثار مین روایت کی ہے کہ "صحابۂ کرامؓ مین سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے تھے، اور وہ باہم مسائلِ فقہیہ مین بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علیؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ ایک ساتھ"، امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہین،

ارباب علم کی قدرشناسی | حضرت عبد اللہؓ اربابِ علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ مین رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ مین تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا،" وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا مین سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہون،[۲]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے "ابن عباسؓ بہترین ترجمانِ قرآن ہین، اگر وہ (عہدِ رسالت مین) ہم لوگون کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کرسکتا،"[۳]

علقمہ ان کے شاگرد تھے، انھون نے محض اپنی ذہانت و کثرتِ معلومات کے باعث ان کے حلقۂ درس مین ممتاز عزت حاصل کر لی تھی، حضرت عبد اللہؓ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "علقمہ کے معلومات سے میرے معلومات زیادہ نہین ہین،"[۴]

---

[۱] موطا امام محمد ص ۲۴۳ [۲] استیعاب تذکرہ عمر فاروقؓ [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۵ [۴] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۷۸

احترامِ خلافت | منصبِ خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، اور کبھی خلیفۂ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنتِ ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امتِ مرحومہ میں تفریق و انتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمان رضؓ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں، حضرت عبداللہ رضؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں، اب یہ کیا انقلاب ہے؟[1] لیکن عملاً انھوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں، لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے،[2]

درس و تدریس | حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کوفہ میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درسگاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں سے علقمہؒ، اسودؒ، مسروق، عبیدہ، حارث، قاضی شریحؒ اور ابو وائل نہایت نامور ہوئے، خاص کر علقمہ ان کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعود رضؓ کو دیکھ لیا،

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے، اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضرِ خدمت رہیں، عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضؓ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا، علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کروں،[3]

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ نے ان کے وسیع حلقۂ درس کو دیکھ کر کہا، "ابو عبدالرحمٰن کیا آپکی

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۱۴۷، [2] مسند اعظم ص ۸۶، [3] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۶۱

طرح آپکے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کرسکتے ہین؟ بولے اگر آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دون، حضرت خبابؓ نے کہا کیون نہین؟ حضرت عبداللہ نے علقمہؒ کی طرف اشارہ کیا انھون نے تقریباً پچاس آیتون کی ایک سورہ پڑھ کر سنائی، حضرت عبداللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھکر کہا "کیسا اسے ہے؟" انھون نے نہایت تعریف کی[۱]

تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا، شقیق	معتقدین کا ہجوم

کا بیان ہے کہ "ہم لوگ مسجد مین بیٹھکر عبداللہ بن مسعودؓ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے"[۲]

طارق بن شہاب کہتے ہین کہ "ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتے تھے، ایک روز حسب معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبدالرحمن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرا، انھون نے جواب دیا، صدق اللہ ورسولہ یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے"، یہ کہکر داخلِ حرم ہوئے، ہم لوگون کو اس جواب پر سخت حیرت تھی، باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے؟ مین نے کہا کہ مین پوچھون گا، غرض وہ تشریف لائے اور مین نے پوچھا بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیون کو سلام کرنا، تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قربِ قیامت کی نشانی ہے"[۳]

تقریر و خطابت مین خاص مہارت رکھتے تھے، ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیر	قوتِ تقریر اور وعظ و پند

ان کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر تقریر فرمائی، پھر حضرت ابوبکرؓ کو اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کو تقریر کا حکم دیا، ان دونون نے باری باری

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۰ [۲] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۷ [۳] ایضاً ص ۴۰۷

اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا، تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو حکم ہوا، انہون نے کھڑے ہو کر حمد ونعت کے بعد کہا،

ایھا الناس ان اللہ ربنا وان الاسلام دیننا وان ھذا نبینا واومأ بیدہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رضینا ما رضی اللہ لنا ورسولہ، والسلام علیکم۔

صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے، اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے) ہمارے نبی ہیں، خدا اور اس کے رسول نے جو کچھ ہمارے لئے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا، السلام علیکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا "ابن ام عبد نے سچ کہا"[۱]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے مواعظ حسنہ مین عموماً توحید، نماز با جماعت اور خوفِ خدا کی تلقین فرماتے، اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے، مثلاً ایک وعظ مین انہون نے فرمایا کہ "ایک شخص نے جس کے نامۂ اعمال مین توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی، مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی مین پیس کر سمندر مین ڈال دینا، لوگون نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا، تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیون کیا؟ بولا "خدایا تیرے خوف اور ڈر سے" اس گذارش پر دریائے رحمت جوش مین آیا اور وہ بخشدیا گیا"[۲] اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیتِ باری تمام اعمالِ حسنہ کی روح ہے،

کثرتِ وعظ سے احتراز

وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ وپند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے، اس بنا پر لوگون کے ضد واصرار کے باوجود بہت کم منبرِ وعظ پر تشریف لے جاتے

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۳ [۲] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۹۸،

اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف وسادہ لیکن موثر الفاظ مین فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرا نہ اٹھین، ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق مین معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی، لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے بر آمد ہوئے اور فرمایا، صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہین، لیکن مین اس ڈر سے باہر نہین آیا کہ کثرتِ بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگون کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے[1]،

یون تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبانِ علم کا مرجع رہتا تھا لیکن طلوعِ آفتاب کے بعد کا وقت مسئلہ مسائل کے لئے مخصوص تھا، ابو وائل بیان کرتے ہین کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح و تہلیل مین مصروف تھے، طلوعِ آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا مین نے رات نماز مین پوری مفصل پڑھین، عبداللہؓ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہون گی، ہم نے قرائن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرائن یاد ہین، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، آپ دس مفصل اور دو سورتین آل حٰم کی پڑھتے تھے[2]،

اخلاق سنتِ نبوی کی پیروی کے شوق نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخلاق وطرزِ معاشرت مین ایک گونہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم ومحامد کی جھلک پیدا کر دی تھی، عبدالرحمن ابن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر کہا، آپ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق وہدایت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو تا کہ ہم اس سے

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۴۳، [2] مسلم جلد اول ص ۴۴، مطبوعہ مصر اس حدیث مین اور واقعات بھی ہین، مگر ان کو تعلیم سے تعلق نہین ہے اس لئے ہم نے حذف کر دیئے،

کچھ حاصل کرین،" بولے "عبد اللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، حسن خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستون مین سے جو لوگ موجود ہین وہ جانتے ہین کہ بارگاہِ نبوت مین تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے"۔[1]

حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علیؓ نے امتحاناً حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے، سب نے بالاتفاق تعریف کی اور کہا "امیر المومنین! ہم نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے زیادہ متقی، پرہیز گار، خلیق، نرم دل اور بہتر ہمنشین نہین دیکھا، حضرت علیؓ نے فرمایا، "بیشک میرا بھی یہی خیال ہے، بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی ہین ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہون" انھون نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے"۔[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے، انھون نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لئے پانی مانگا، گھر مین پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہان سے لانے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت و سست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبد اللہؓ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے، دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات ہوئی تو انھون نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی، بولے "خادمہ نے جب پانی لانے مین دیر کی تو تمھاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے، مین نے

[1] جامع ترمذی مناقب عبد اللہ بن مسعودؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اجلد ۳ ص ۱۱۰،

خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ مین اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہون گا[۱]

ایک بار انھون نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخبر ہوگیا، حضرت عبد اللہؓ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہوکر ایک ایک، دو دو درہم کرکے اس کی طرف سے صدقہ کردیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آئے گا تو قیمت ادا کردونگا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا[۲]،

تمیم بن حرام فرماتے ہین کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمنشینی کا فخر حاصل ہے، لیکن مین نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا[۳]،

حضرت عثمانؓ نے دو برس تک ان کا وظیفہ بند کردیا تھا، وفات کے وقت انھون نے ان کی اولاد کے لئے جاری کردینا چاہا، لیکن حضرت عبد اللہؓ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کردیا، بولے کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہوجانے کا اندیشہ ہے؟ مین نے انھین حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کرین، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا[۴]،

حضرت عبد اللہؓ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا، انھون نے کوفہ مین موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانون کے لئے خالی کردیا تھا[۵]،

مذہبی زندگی

عبید اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیٹھکر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے[۶]، رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتین شبِ قدر کی تلاش مین بسر ہوتی تھین، ابو عفر

۱؎ مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۸ ۲؎ بخاری جلد ۲ ص ۷۵۰، ۳؎ اصابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ، ۴؎ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹، ۵؎ تاریخ طبری ص ۲۸۴۲، ۶؎ اسد الغابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ،

کہتے ہین کہ مین رمضان مین ایک روز علی الصباح ان کی خدمت مین حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہین خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا، مین نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ مین ہے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس مین شعاع نہین ہوتی، چنانچہ آج مین نے اپنی آنکھون سے دیکھ لیا،[1]

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت مین مشغول ہو جاتا تھا، خود صبحِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک تسبیح و تہلیل مین مصروف رہتے تھے،

ابو وائل راوی ہین کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے مین لونڈی نے آکر کہا، آتے کیون نہین، ہم لوگ گھر مین گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگون کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگون نے کہا کسی نے نہین، خیال ہوا ممکن ہے بعض اہل بیت سو رہے ہون، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح مین مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح مین مشغول ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمکو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہین کہ میرے خیال مین یہ بھی کہا تھا اور ہمارے گناہون کے بدلے مین ہم کو ہلاک نہین کیا،[2]

---

[1] مسند جلد ۵ ص ۱۳۰۔ ۔ ۔ ۔ [2] مسلم جلد اول ص ۳۰۵ باب ترتیل القرأۃ و اجتناب الہذ،

نمازین نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، فرماتے ہین کہ ایک دفعہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بہتر عملِ خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا مین نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا "والدین کے ساتھ نیکوکاری" مین نے کہا "پھر؟" حکم ہوا "راہ خدا مین جہاد کرنا" اس کے بعد خاموش ہوگیا، ہان اگر مین اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے[1] غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والیِ کوفہ کو پہنچنے مین دیر ہوگئی، حضرت عبد اللہ رضؓ نے بغیر توقف وانتظار نماز پڑھا دی، ولید نے برہم ہوکر کہلا بھیجا، آپنے ایسا کیون کیا؟ کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انھون نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل مین مصروف رہو اور لوگ نماز مین تمھارے منتظر ہین[2]

رمضان کے علاوہ ہفتہ مین دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزون کے لئے مخصوص تھے، عاشورے کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، باوجود اس کے عبد الرحمن ابن یزید کہتے ہین کہ مین نے عبد اللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہین دیکھا، چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیون نہین رکھتے؟ بولے "مین روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہون، اگر روزے رکھون گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہوسکے گی"[3]

خشیتِ الٰہی اور خوفِ قیامت سے حضرت عبد اللہ رضؓ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے "کاش! مین مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا"[4]

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۷۶، ۳۰۵ [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۵۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۰۹

[4] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۰، ۱۱۱

خانگی زندگی بیوی بچون سے محبت رکھتے تھے، گھر مین داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے، تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائین، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینبؓ فرماتی ہین کہ ایک روز عبد اللہؓ کھنکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڑھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی، مین نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا، عبد اللہؓ آکر میرے پاس بیٹھ گئے، اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا، یہ دھاگا کیسا ہے؟ مین نے کہا تعویذ ہے، انھون نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا، عبد اللہ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مین نے سنا ہے کہ تعویذ اور گنڈے شرک مین داخل ہین، مین نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہین؟ میری آنکھین جوش کر آتی تھین تو مین فلان یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا، بولے یہ سب عمل شیطانی ہے، تمھارے لئے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کافی ہے،[۲]

اذھب الباس رب الناس اشف وانت	خوف دور کر اے پروردگار، شفا دے تو ہی شفا دینے
الشافی لاشفاء الاشفاءک شفاء لا	والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا نہین، وہ شفا ایسی ہے
یغادر سقما	جو کسی بیماری کو نہین چھوڑتی،

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ مین ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی،[۲] جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پرتکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہارون کا شربت) استعمال فرماتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا، خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے مقتدا و پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہین، بولے، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر مین آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا،[۳]

---

[۱] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۱ و ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۸۶، [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۲، [۳] مسند اعظم ص ۲۰۱،

وظیفہ | حضرت عبداللہؓ کے لئے بیت المال سے پانچزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفۂ ثالث کے حکم سے بند کردیا گیا تھا، لیکن حضرت زبیرؓ نے سفارش کرکے ان کی اولاد کے لئے واگذار کرادیا، اس طرح ان کے پسماندون کو یکمشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انھون نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے[1]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گون، اور سر پر کانون تک نہایت نرم وخوبصورت زلف، حضرت عبداللہؓ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہین پاتا تھا،

ٹانگین نہایت پتلی تھین، حضرت عبداللہؓ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگین دیکھکر لوگون کو بے اختیار ہنسی آگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم انکی پتلی ٹانگون پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزانِ عدل مین کوہِ احد سے بھی زیادہ بھاری ہون گی"[2]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

نام، نسب، خاندان | عبداللہ نام، ابوموسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے:- عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز ابن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجماہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن یشجب،

حضرت ابوموسیٰؓ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلۂ اشعر یین سے تعلق

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳ [2] ایضاً ص ۱۱۰،

رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان کی والدہ طیبہ بنت وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائیں، اور مدینہ پہنچکر وفات پائی،[1]

اسلام — ساقیِ توحید کے صلائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لئے تھے، لیکن تشنہ کامانِ حق دور دراز ممالک سے دشوار گذار منزلیں طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابوموسیٰؓ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادۂ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہوگئے، وہ مکہ میں قبیلۂ عبد شمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر مراجعت فرمائے وطن ہوئے[2] کہ اپنے اعزہ اور احباب کو بھی یہ مژدۂ جانفزا سنائیں،

ہجرت — حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوتِ حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشانِ اسلام کی ایک جماعت لیکر بحری راستہ سے بارگاہِ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن طوفان و باد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کے بجائے حبش پہنچا دیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگانِ اسلام جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابوموسیٰؓ بھی اس قافلہ میں شریک ہوگئے، اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدینِ اسلام خیبر فتح کر کے واپس آرہے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰؓ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا،[3]

غزوات — حضرت ابوموسیٰؓ فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین میں شریک تھے، بنو ہوازن رزمگاہ حنین سے بھاگ کر وادیِ اوطاس میں پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعامرؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ان کے استیصالِ کامل پر مامور فرمایا، انھوں نے اوطاس پہنچکر بنو ہوازن

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۴۵، [2] ایضاً [3] بخاری جلد ۲ ص ۶۰۸،

کے سردار دُرید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیون کو شکست فاش دی، لیکن اتفاقاً جشمی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ اس مہم مین شریک تھے، فرماتے ہین کہ مین نے بڑھ کر اُن سے پوچھا "یا عم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟" انھون نے اشارہ سے بتایا تو مین اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھکو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن مین تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، "کیا تجھے شرم نہین آتی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا؟" غرض وہ ان غیرت انگیز جملون سے جوش مین آکر پلٹ پڑا اور تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے، یہان تک کہ مین نے اس کو قتل کیا، اور ابو عامرؓ کو آکر بشارت دی کہ خدا نے آپکے دشمن کو مار ڈالا،

حضرت ابو عامرؓ کا زخم نہایت مہلک تھا، انھون نے حالتِ نزع مین حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا "جانِ برادر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لئے دعاے مغفرت فرمائین"، اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو سپردِ خاک کر کے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہِ نبوت مین حاضر ہو کر میدانِ جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامرؓ کی وصیت بیان کی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا، پھر دونون ہاتھ اٹھاکر دعا کی "اے خدا! ابو عامر کو بخشدے، اے خدا تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما"، حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی، "یا رسول اللہ! میرے لئے بھی" فرمایا، "خدایا عبداللہ ابن قیس کی خطائین بخشدے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما"[1]

سنہ ۹ھ مین غزوہ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰؓ کو ان کے ساتھیون نے بھیجا کہ دربارِ نبوت سے ان کے لئے سواریون کا انتظام کرین، اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۱۹،

اس وقت حالتِ غیظ مین تھے لیکن حضرت ابوموسیٰ رضی اس کا اندازہ نہ کر سکے، اور عرض کی "یا رسول اللہ! میرے ساتھیون نے مجھکو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریان مرحمت فرمائین،، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غصہ مین بیٹھے ہی تھے برہم ہو کر فرمایا "واللہ! تمھین کوئی سواری نہ دون گا،، حضرت ابو موسیٰ رضی کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہین، نہایت غمزدہ واپس آکر اپنے ساتھیون کو اس کی اطلاع دی لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلال رض پکارتے ہوئے آئے "عبد اللہ بن قیس! کہان ہو؟ چلو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرماتے ہین،، وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹون کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیون کے پاس لیجاؤ، حضرت ابوموسیٰ رض ان کو لئے ہوئے اپنی قوم مین آئے اور کہا کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو اونٹ تمھاری سواری کے لئے مرحمت فرمائے ہین، لیکن خدا کی قسم! چند آدمیون کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہوگا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنی تھی، تاکہ یہ خیال کرو کہ مین نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ دل سے گڑھ کر کہا تھا،، لوگون نے کہا "خدا کی قسم ہم آپ کو سچا سمجھتے ہین، آئندہ جو آپ کی خوشی ہو،، غرض انھون نے چند آدمیون کو ساتھ لیجاکر لوگون سے تمام واقعہ کی تصدیق کرادی،[1]

ولایت یمن

تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کو اپنے ساتھ لیکر دربار نبوت مین حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی خواہش کی، آپ مسواک فرما رہے تھے، اس سوال پر دفعتہ مسواک رک گئی، اور حضرت ابوموسیٰ رض کی طرف دیکھ کر فرمایا "ابوموسیٰ! ابوموسیٰ!" انھون نے عرض کی "یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳

آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ نہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کی خواہش کرین گے،، ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کرون گا، لیکن ابو موسیٰ تم یمن جاؤ مین نے تم کو وہان کا عامل مقرر کیا[۱]،

یمن دو حصون پر منقسم تھا، ایک اقصائے یمن جس مین جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے، اور دوسرا یمن ادنیٰ یا زیرین یمن، اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبل رضؓ کا تقرر ہوا، اور دوسرے پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مامور ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونون کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی،

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا	یعنی ملک والون سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا، لوگون کو خوش رکھنا، متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا،

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ملک مین جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کو "مزر" کہتے ہین نیز شہد سے ایک طرح کی شراب ہوتی ہے جو "تبع" کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ "ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے"[۲]،

حضرت ابو موسیٰؓ چونکہ اپنے وطن مین گورنر ہو کر آئے تھے جہان پہلے سے ان کا اثر موجود تھا اس لئے قدرۃً انھون نے اپنے خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے حضرت معاذؓ ابن جبل سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا، بسا اوقات یہ دونون بزرگ سرحد پر آکر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلۂ خیالات فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت معاذؓ

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۳، [۲] بخاری کتاب المغازی،

ابن جبلؓ حضرت ابوموسیٰؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگون کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونون ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہین، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ "عبد اللہ بن قیس! یہ کون ہے؟" بولے "یہ مرتد ہو گیا ہے" انھون نے اس کے قتل کا مشورہ دیا، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ "یہ اسی لئے گرفتار ہو کر آیا ہے" آپ گھوڑے سے اترآئے بولے "جب تک وہ قتل نہ ہوگا، مین نہ اترون گا" حضرت ابوموسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی، حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ "آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہین" بولے کہ "رات، دن مین جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھ لیتا ہون" پھر پوچھا کہ "آپ کس طرح تلاوت کرتے ہین؟" بولے کہ "مین رات کو ایک نیند سو کر اٹھ بیٹھتا ہون اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہون"[1]

حجۃ الوداع مین شرکت ۱۰ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج فرمایا، حضرت ابوموسیٰؓ یمن سے شرکت کے لئے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، عبد اللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟ عرض کی "ہان! یا رسول اللہ!" فرمایا نیت کیا تھی؟ بولے "مین نے کہا تھا، کہ جو رسول اللہ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے" ارشاد ہوا کہ "قربانی اپنے ساتھ لائے ہو؟" عرض کی "نہین" حکم ہوا کہ "تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو" یہ اس وجہ سے کہ حج قران کی صورت مین قربانی لانا ضروری تھا،[2]

یمن مین فتنہ و فساد حضرت ابوموسیٰؓ حج سے فارغ ہو کر پھر یمن واپس آئے، لیکن یہان اسود عنسی کے ادعاے نبوت نے بہت جلد تمام ملک مین شورش و بغاوت پھیلا دی، یہان تک کہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے مرکز حکومت "مارب" چلے آنے پر مجبور ہوئے، لیکن

---

[1] بخاری باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن۔ [2] بخاری جلد ۲ ص ۶۲۳ [3] ایضاً ص ۷۲،

یہ بھی زیادہ دنون تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخر ان دونون کو حضرموت مین پناہ لینی پڑی[1]،

گو ابن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود عنسی کا قصہ تمام کر دیا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دفعۃً پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی نے ایک زبردست مہم بھیجکر از سرِ نو تسلط قائم کر دیا، اور اس طرح یمن کے امراء اور حکام پھر اپنے اپنے عہدون پر واپس آ گئے، حضرت ابو موسیٰ رضی بھی حضرموت سے اپنے دار الحکومت "مارب" واپس آئے اور خلیفۂ دوم کی ابتداے خلافت تک نہایت تدبر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے،

فتح نصیبین | حضرت عمر رضی کے عہدِ خلافت مین جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد وقاص رضی کی زیرِ قیادت رزمگاہِ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی بھی شوقِ جہاد مین عہدۂ امارت سے مستعفی ہو کر اس فوج کشی مین شریک ہوئے،

عراق کا اکثر حصہ فتح کر لینے کے بعد حضرت سعد وقاص رضی نے ۱۷ھ مین دریاے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا، اور حضرت ابو موسیٰ رضی کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا، انھون نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سر انجام دی[2]،

ولایتِ بصرہ | اسی سال دربارِ خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی کو معزول کر کے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی کو بصرہ کا والی مقرر کیا، اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے،

اما بعد فانی قد بعثت ابا موسی امیرا علیکم لیاخذ لضعیفکم من قویکم ولیقاتل

مین نے ابو موسیٰ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کا حق دلائین، تمھارے دشمنون سے لڑین

[1] تاریخ طبری ص ۱۸۵۴ [2] ایضاً ص ۲۵۰۶،

بکم عدوکم ولیفح عن ذمتکم فتحمی لکم فیئکم ثم لیقسمہ بینکم ولینقی لکم طرقکم[۱]

ذمیون کی حفاظت کرین، تمھاری آمدنی کا تم کو حساب دین، پھر اس کو تم مین تقسیم کرین اور تمھارے راستون کو تمھارے لئے صاف رکھین،

فتح خوزستان

بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملی ہوئی تھی اور وہ اب تک ایرانیون کے قبضہ مین تھا، ۱۶ھ مین حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے اہواز پر فوج کشی کی تو یہان کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی، اور حضرت مغیرہ رضؓ وہین رک گئے ۱۷ھ مین ان کی جگہ پر حضرت ابوموسیٰ رضؓ آئے، اس انقلاب مین اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی، اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً انھون نے لشکر کشی کی اور اہواز کو فتح کر کے مناذر کا رخ کیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجر بن زیاد رضؓ جو ایک معزز افسر تھے، یہان ایک معرکہ مین شہید ہوئے، اور قلعہ والون نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا، حضرت ابوموسیٰ حضرت مہاجر رضؓ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے، ربیع نے مناذر کو سر کر لیا، اور حضرت ابوموسیٰ رضؓ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی، قلعہ مین کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیسِ شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائین، حضرت ابوموسیٰ رضؓ نے منظور کیا، رئیس نے ایک ایک کر کے سو آدمیون کو پیش کیا، اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے، لیکن بدقسمتی سے اس نے شمار مین خود اپنا نام نہین لیا، چنانچہ جب سو آدمیون کی تعداد پوری ہو گئی، تو انھون نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا،

سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا، اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہو گئی، یزدگرد

[۱] تاریخ طبری ص ۲۵۳۲،

نوجوان شہنشاہِ ایران اس وقت قم مین مقیم تھا، اس کو حضرت ابوموسیٰؓ کی فتوحات کی خبرین پہنچین تو اس نے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لئے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچکر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک مین جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، حضرت ابوموسیٰؓ نے ان حالات سے دربارِ خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی، وہان سے حضرت عمار بن یاسرؓ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ایک ہزار سپاہیون کے ساتھ مدد کو بھیجین، لیکن غنیم کی کثرت اور سروسامان کے مقابلہ مین یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابوموسیٰؓ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب مین حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ سے ایک بڑی فوج لیکر آئے اور دوسری طرف جریر بجلی ایک جرار لشکر لیکر جلولا پر حملہ آور ہوئے، غرض حضرت ابوموسیٰؓ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گیا،

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابوموسیٰؓ کی تمام کوششین بے نتیجہ رہین لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو مین شہر پر قبضہ کرا دون، حضرت ابوموسیٰؓ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا، ساتھ لیا، اور نہر وجیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ خاص شہر مین داخل ہوا، اشرس کے منہ پر چادر ڈال دی، اور کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کوچون سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل مین آیا، شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر، حضرت ابوموسیٰؓ کی خدمت مین حاضر ہوا، اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی، اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہون تو شہر فوراً فتح ہو جائے، حضرت ابوموسیٰؓ نے فوج کی طرف دیکھا، دو سو

بہادروں نے بڑھ کر کہا خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی نہ خانہ کی راہ شہر میں داخل ہوئے اور پہرہ والوں کو تہِ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھولدیئے، ادھر حضرت ابو موسیٰ رضی تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں، اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ ڈھیر ہو جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو، حضرت ابو موسیٰ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انس رضی کے ساتھ مدینہ بھیجدیا[1]

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا، اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والوں نے خود شہر کے دروازے کھولدیئے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے، مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے، حضرت ابو موسیٰ رضی نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے، بالآخر دربار خلافت سے استصواب کیا گیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے، اور جس کو اس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے[2]

اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ (جہاں حضرت ابو موسیٰ رضی عہدۂ

[1] طبری ص ۲۵۵۵ [2] ایضاً ص ۲۵۶۸،

امارت پر سرفراز تھے) دشمنوں سے بالکل محفوظ ہو گیا،

معرکۂ نہاوند خوزستان کی شکست سے متاثر ہو کر ۲۱ھ میں ایرانیوں نے نہاوند میں ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں، حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک بڑی جمیعت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائیں، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کر کے واپس آئے،[1]

تبادلہ بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہلِ بصرہ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی وساطت سے دربارِ خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ میں سے رامہرمز، ایذج اور ماہ یا ماسپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں؛ لیکن اہل کوفہ اس علاقہ کی فتح میں برابر کے شریک تھے، انھوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ والیِ کوفہ سے درخواست کی کہ وہ اس علاقہ کو کوفہ میں شامل کرنے کی کوشش کریں، لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانب داری اختیار کر لی، اور فرمایا کہ "مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے"،

غرض حضرت ابوموسیٰؓ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے، اور اہلِ کوفہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتوں کے بعد ان کو معزول کرا دیا، حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والوں کی حمایت کی تھی، اس کے لحاظ سے انھوں نے حضرت ابوموسیٰؓ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ میں بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے،

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۰۱،

لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ مین پھر بصرہ منتقل کیے گئے،[۱]

الزام اسی سال ضبہ نام ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف دربارِ خلافت مین حسب ذیل شکایتین پیش کین،

(۱) ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ مین سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہین،

(۲) انھون نے عنانِ حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر دی ہے، اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے،

(۳) انھون نے حطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے،

(۴) عقیلہ نام ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونون وقت نہایت عمدہ غذائین بہم پہنچائی جاتی ہین، حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانون کو میسر نہین،

حضرت عمرؓ نے ان تمام شکایتون کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ کو دارالخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی، چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا، دوسرے الزام کا انھون نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحبِ تدبیر و سیاست ہے، اس لئے مین نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو بلا کر کے امتحان لیا تو حقیقت مین قابل آدمی تھا، اس لئے انھون نے خود حکامِ بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائین، تیسرے الزام کے جواب مین حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ حطیہ کو مین نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ میری ہجو نہ کہے، لیکن چوتھے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عمرؓ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کر دیا،[۲]

فتحِ اصفہان حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ مین اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالکِ محروسہ مین داخل کر دیا،[۳]

---

[۱] تاریخ طبری ص ۲۶۰۸، [۲] ایضاً ص ۲۷۱۱، [۳] ایضاً ص ۲۷۱۳،

اصفہان فتح کر کے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کر دیا، لیکن کچھ دنون کے بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہو کر آ گئے،

تعمیر نہر ابی موسیٰ بصرہ مین لوگون کو پانی کی سخت تکلیف تھی، دربار خلافت مین اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا کہ دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے، وہ شہر سے تقریباً دس میل دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابوموسیٰؓ نے خود مستعد ہو کر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جو اب تک "نہر ابی موسیٰ" کے نام سے مشہور رہے،

آخر ذی الحجہ ۲۳ھ مین خلیفۂ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اس انقلاب مین عہد فاروقی کے اکثر عمال وحکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہو گئے، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ۲۹ھ تک بصرہ مین عہدۂ امارت کے فرائض انجام دیتے رہے، بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی تھی،[1]

معزولی ۲۹ھ مین کردون نے بغاوت کر دی، حضرت ابوموسیٰؓ نے مسجد مین ان کے خلاف جہاد کا وعظ کہا، اور راہ خدا مین پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے، لیکن حضرت ابوموسیٰؓ کے چند مخالفین نے کہا کہ "ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے، دیکھین ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے"، غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰؓ گھوڑے پر سوار ہو کر برآمد ہوئے، لوگون نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اس پر اعتراض کیا،

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہون وہ راہ خدا مین ان سے کام نہ لین، لیکن درحقیقت خلیفہ سومؓ کے عہدِ خلافت کا نصفِ اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازون نے اسی وقت دار الخلافہ کی راہ لی اور دربارِ خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کرکے ایک کمسن نوجوان عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور فرمایا،[1]

امارت کوفہ ۳۴ھ مین اہلِ کوفہ کی درخواست پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پھر سعید بن العاصؓ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کئے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، اور ملک مین ہر طرف سازش و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابوموسیٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لئے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیون کا سلسلہ شروع ہوگا، وہ عموماً اپنے وعظ مین اہل کوفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سناتے اور اس آنے والے دورِ فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ ۳۵ھ مین حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آگیا،

خانہ جنگی سے اجتناب حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے خلیفۂ ثالثؓ کے قصاص اور مطالبۂ اصلاح کا علم بلند کرکے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علیؓ ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے چلکر مقام ذی قار مین آئے اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہان لوگون کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کرین، حضرت امام حسنؓ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسجد مین ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کررہے تھے کہ "سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۲۸، ۱

نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لئے اسلحہ بیکار کردو اور غلت نشین ہو کر بیٹھ جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے[1] اسی اثنا میں حضرت امام حسنؓ داخلِ مسجد ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا، آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے،، وہ نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤں میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے،

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اہل کوفہ کو بارہا جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جنگِ جمل میں عرب کے ہزاروں گھر بے چراغ ہوگئے، اور میدانِ صفین میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی آویزش نے بیشمار مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہادیا،

حکم مقرر ہونا | معرکۂ صفین میں جب امیر معاویہؓ کے حامیوں نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزوں پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کر کے عجیب وغریب طریقہ پر مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیرؓ اس پر راضی نہ تھے تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی، انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دو ثالث پر محوّل ہوا، امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مانا اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، دومۃ الجندل مقامِ اجلاس قرار پایا، اور دونوں حکم ایک مقررتاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علٰحدہ علٰحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں کسی امر پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر ایک طرف کمال

[1] بخاری کتاب الفتن،

غیر جانبداری و بے لوثی ہے تو دوسری طرف شدید خود غرضی و پاسداری،

غرض دونون حکم باہم مشورہ کے لئے گوشۂ خلوت مین مجتمع ہوئے، حضرت ابو موسیٰ رض نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانون کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، ان کی رائے تھی کہ عنانِ خلافت کسی غیر جانبدار کے ہاتھ مین دیدی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا، چنانچہ دونون مین حسب ذیل گفتگو ہوئی،

ابو موسیٰ رض: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونون میسر آئے؟

عمرو بن العاص رض: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰ رض: عبداللہ بن عمر کو منصبِ خلافت پر متمکن کرنا چاہئے، کیونکہ انھون نے ان خانہ جنگیون مین کسی طرح حصہ نہین لیا ہے،

عمرو بن العاص رض: معاویہ مین کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہین کہ عثمان رض مظلوم شہید ہوئے، معاویہ ان کے قصاص کے دعویدار ہین، ام المومنین ام حبیبہ رض ان کی بہن ہین، اور خود ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے،

ابو موسیٰ رض: معاویہ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا، وہ استحقاقِ خلافت کے لئے کافی نہین، اگر فضل و شرف ہی پر معیار ہو تو علی رض سے بڑھ کر کون ہے، رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لئے معاویہ کو خلافت کے معاملہ مین مہاجرین اولین پر ترجیح نہین دیجا سکتی، ہان اگر تم مجھ سے اتفاق کرو، تو فاروقِ اعظم رض کا عہد لوٹ آئے، اور فاضل و عالم عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کردے،

عمرو بن العاص رض: میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظرِ انتخاب کیون نہین پڑتی؟

فضل ومنقبت مین تو وہ بھی کچھ کم نہیں،،

ابوموسیٰ رضؓ:"بیشک وہ صاحبِ فضل ومنقبت ہین، لیکن ان خانہ جنگیون مین شریک کرکے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ کا لباسِ تقویٰ تمام دھبون سے محفوظ ہے،

عمروبن العاصؓ:"ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی مین ہوسکتی ہے جس کے دو داڑھ ہون ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے،

ابوموسیٰ رضؓ:"عمرو! تمھارا برا ہو، شدید کشت وخون کے بعد مسلمانون نے ہمارا دامن پکڑا ہے، اب ہم ان کو پھر فتنہ وفساد مین مبتلا نہین کرین گے"،

عمروبن العاصؓ:"پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰ رضؓ:"ہمارا خیال ہے کہ علی اور معاویہ دونون برطرف کئے جائین، اور مسلمانون کی مجلسِ شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے

عمروبن العاصؓ:"مجھے بھی اس سے اتفاق ہے،

اس قرارداد کے بعد دونون ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آکر کہا "خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان مین سبقت نہ کیجئے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھین، حضرت ابوموسیٰ رضؓ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، اونھین دنیا کی فریب کاریون کی کیا خبر تھی، بولے "ہم دونون ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہین کہ اس مین اختلاف کی گنجائش ہی نہین"، غرض دوسرے روز مسجد مین مسلمانون کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ رضؓ اشعریؓ نے عمروبن العاصؓ سے فرمایا کہ "منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنادو"، بولے "مین آپ پر سبقت

نہین کرسکتا، آپ فضل ونتقبت اور سن وسال مین مجھ سے افضل اور بڑے ہین"؛ حضرت ابوموسیٰؓ پر ان کا یہ افسون چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہو گئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا "صاحبو! ہم نے علی اور معاویہ دونون کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلسِ شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے"؛ ابوموسیٰؓ اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا، "صاحبو! علی کو ابوموسیٰ کی طرح مین بھی معزول کرتا ہون، لیکن معاویہ کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہون، کیونکہ وہ امیرالمومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہین"؛

حضرت ابوموسیٰؓ نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے، اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمھاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے (انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث او تترکہ یلہث الایہ) عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا، اور آپ پر چارپایہ بر و کتا بے چند کی مثل صادق آتی ہے، (مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا)

وفات	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی

وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور پھر کسی چیز مین حصہ نہ لیا، وفات کے سنہ اور مقام مین مختلف روایتین ہین، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہین، اور بعض کوفہ، لیکن مرجح مکہ کی روایت ہے، بہرحال باختلافِ روایت سنہ ۴۲ھ ۴۴ھ ۵۲ھ مین بیمار پڑے، اور بروایت صحیحہ ذیحجہ سنہ ۴۴ھ مین وفات پائی،[1] آخر وقت تک احکام نبوی کا لحاظ رہا، جب حالت زیادہ

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۱،

ناذک ہوئی اور غشی طاری ہوگئی، تو جس عورت کی گود میں سر تھا، اس نے گریہ وزاری شروع کردی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ و بکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپنے براءت ظاہر کی ہے، [1]

اس کے بعد کفن و دفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا، جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور میں نوحہ و بین کرنے والی، جیب و گریبان چاک کرنے والی اور سر نوچنے والی عورتوں سے بری ہوں [2]، وصیت سے فراغت ہوئی کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرکے اپنے اصلی نشیمن میں پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۲ سال کی عمر تھی،

حلیہ پستہ قد اور لاغر اندام تھے،

اولاد وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں، نام یہ ہیں، ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ [3]،

ذریعۂ معاش ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا، متعدد مہمیں ان کی افسری میں سر ہوئیں، مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے،

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ص ۳۹۷، [3] تہذیب التہذیب جلد ۵ص ۳۶۲،

فضل و کمال

حضرت ابوموسیٰؓ ان مخصوص صحابہؓ میں تھے جن کو بارگاہِ رسالت میں خاص تقرب اور شرفِ پذیرائی حاصل تھا، اس لئے وہ نبوت کے چشمۂ فیض سے پوری طرح سیراب تھے، وہ ان چھ آدمیوں میں سے ایک تھے، جن کو خود عہدِ رسالت میں مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی،[1]

اسود تابعی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ سے زیادہ کسی کو صاحبِ علم نہیں دیکھا، حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ "ابوموسیٰ سرتاپا علم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں"[2]

اہلِ علم سے اکثر ان کی علمی صحبتیں اور علمی بحثیں رہتی تھیں، جس نے ان کے علم کو اور چمکا دیا تھا، یوں تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث ومناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہوجاتی برابر جاری رہتی،

ایک مجلس میں تیمم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابوموسیٰؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے، اور اس کو ایک مہینہ تک پانی نہ ملے، تو کیا تیمم کرکے نماز پڑھ لے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا نہیں، خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہ کرے، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا تو پھر سورۂ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۱ [2] ایضاً ص ۲۰،

فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً — پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو،

حضرت عبد اللہ رضؓ نے کہا، "اگر لوگون کو تیمم کی اجازت دیدی جائے تو سردیون کے موسم مین جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفاء کرنے لگین گے،" اس پر شقیق (راوی) بولے وہ کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمم کو برا سمجھتے ہین، حضرت عبد اللہ رضؓ نے کہا ہان، حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے کہا، تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انھون نے حضرت عمر رضؓ سے بیان کیا تھا نہین سنا، کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے بھیجا تھا، اتفاق سے ان کو راہ مین غسل کی ضرورت پیش آگئی، اور پانی نہ ملا تو انھون نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمم کیا، اور واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپنے ان کو تیمم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا، اس پر عبد اللہ رضؓ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہین معلوم کہ حضرت عمر رضؓ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا،[1]

ایک مرتبہ دونون مین حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے کہا، "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا، اور قتل وغارت کی گرم بازاری ہوگی،"[2]

اشاعتِ علم علم کی اشاعت اور اس سے دوسرون کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسرون کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے، ایک مرتبہ خطبہ مین لوگون سے خطاب کر کے کہا کہ "جس شخص کو خدا علم دے، اس کو چاہئے کہ اپنے دوسرے بھائیون کو بھی اس کی تعلیم دے، اسی کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو، اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے،"[3]

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقۂ درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگون

[1] بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربۃ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۲ [3] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۸۱،

کو جمع کر کے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا،

"لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے"[1]

جہاں کہیں چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے، ان کے کانوں تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنو ثعلبہ کے چند آدمی کہیں جا رہے تھے، ان کو راہ میں ایک حدیث سنا دی،[2]

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو ہم لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی تھی، لوگوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے ضرور سنائیے، بولے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قرب میں "ہرج" زیادہ ہوگا، لوگوں نے پوچھا "ہرج" کیا؟ کہا قتل اور جھوٹ، لوگوں نے کہا کیا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟ فرمایا اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں ہے، بلکہ باہمی خونریزی ہے، حتی کہ پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو، بھتیجا چچا کو، اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا، لوگوں نے کہا سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟ کہا عقل و ہوش کہاں عقل و ہوش تو اس زمانہ میں باقی نہ رہے گا، حتی کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن درحقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا، یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم میں تم میں سے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی سے نہ نکل سکے گا، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کئے ہوئے اس طریقہ سے پاک و صاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے[3]

حضرت ابو موسیٰ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا، اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبد اللہ الرقاشی

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳ [2] ایضاً ص ۴۰۷ [3] ایضاً ص ۴۰۶

روایت کرتے ہیں کہ "میں ایک مرتبہ ابو موسیٰ رض کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک ایسا فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں میں سے نہ تھا، ابو موسیٰ رض نماز ختم کر چکے، تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا، لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی، لوگ پھر چپ رہے، تو بولے حطان شاید تم نے کہا ہوگا، انھوں نے کہا میں نے نہیں کہا، مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ ہی پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدنیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی، ابو موسیٰ رض نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتادیا،[1]

قرآن پاک قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رض کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبل رض القرآن سے ملنے آتے، اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انھوں نے پوچھا، آپ قرآن کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں،[2]

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے"[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا، جہاں ان کو قرأت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رض کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے، ابو موسیٰ رض کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا، وہیں کھڑے ہو گئے اور سنکر آگے بڑھے، صبح کو جب ابو موسیٰ رض حاضر ہوئے، تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کل تم قرآن پڑھ رہے تھے، ہم نے تمہاری قرأت سنی تھی، عرض کیا اے

---

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ [2] بخاری [3] ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۸۰،

خدا کے رسول اگر مجھکو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا، تو مین آواز مین اور دلکشی پیدا کرتا،[۱]

ایک مرتبہ مسجد نبوی مین بلند آواز سے عشا کی نماز پڑھ رہے تھے، آواز سنکر ازواج مطہرات رضی اپنے اپنے حجرون مین پردون کے پاس آکر کھڑی ہوکر سننے لگین، صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر اس وقت مجھکو معلوم ہوجاتا تو مین ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا،[۲]

ابوعثمان نہدی بیان کرتے تھے کہ ابوموسیٰ رض ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط مین بھی وہ دلکشی نہین،[۳]

کبھی کبھی حضرت عمر رض فرمایش کرتے کہ ابوموسیٰ رض خدا کی یاد دلاؤ، یہ قرآن پڑھکر سناتے، ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رض نے انس بن مالک رض کو حضرت عمر رض کے پاس بھیجا، انھون نے پوچھا، ابوموسیٰ کا کیا حال ہے، کہا لوگون کو قرآن پڑھاتے ہین، فرمایا وہ بلند مرتبہ آدمی ہین، مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہنا،[۴]

ان کی غیر معمولی قرأت دانی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبل رض کے ساتھ ان کو بھی نومسلمون کی تعلیم قرآن کیلئے یمن بھیجا تھا،[۵]

حدیث — قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصرون مین امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ مین مستقل حلقۂ درس تھا جس سے بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے، ان کے نام آیندہ آئین گے، ان کی مرویات کی تعداد ۳۶۰ تک پہنچتی ہے، ان مین ۵۰ متفق علیہ ہین، ان کے علاوہ ۴ بخاری اور ۲۵ مسلم مین ہین،[۶]

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۶۶۔ [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۸۰، [۳] ایضاً، [۴] ایضاً، [۵] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷، [۶] تہذیب الکمال،

ان مین سے اکثر روایات خود صاحب حدیثؐ کی زبان سے سنی ہوئی ہین، ان کے بعد پھر حضرت ابوبکر، عمر، علی، ابن عباس، ابی بن کعب، عمار بن یاسر، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے روایتین کی ہین، تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے مختصر فہرست یہ ہے،

ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ، انس بن مالکؓ، ابوسعید خدریؓ، طارق بن شہاب، ابو عبدالرحمن سلمی، زر بن حبیش، زید بن وہب، عبید بن عمیر، ابوالاحوص، عوف بن مالک، ابو الاسود دیلی، سعید بن مسیب، ابوعثمان نہدی، قیس بن ابی حازم، ابورافع صائغ، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود، مسروق بن اوس حنظلی، ہزیل بن شرجیل، مرہ بن شرجیل، اسود بن یزید، عبدالرحمن بن یزید، حطان بن عبداللہ رقاشی، ربعی بن خراش، زہدم بن مضرب، ابووائل شقیق ابن سلمہ، صفوان بن محرز وغیرہم،[۱]

اس فضل وکمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسرون کے کمال کے اعتراف مین بخل نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے لڑکی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انھون نے جواب دیا لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے جاکر یہ جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو سنایا اور ان سے بھی فتویٰ دریافت کیا، انھون نے کہا، اگر مین اس کی تائید کرون تو گمراہ ہون، مین اس مسئلہ مین وہی فیصلہ کرون گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، لڑکی کو آدھا ملے گا، پوتی کو دوتہائی پورا کرنے کے لئے چھٹا حصہ ملے گا، باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے یہ جواب جاکر ابوموسیٰؓ کو سنایا، انھون نے کہا جب تک یہ عالم تم مین موجود ہے، اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہین،[۲]

---

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳،

[۲] بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابنہ ابن مع ابنۃ،

اخلاق وعادات

خشیتِ الٰہی اور رقتِ قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابوموسیٰؓ مین یہ دونون وصف موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسرون کو بھی رُلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ مین ایک مرتبہ خطبہ دیا، کہ "لوگو! خوب روؤ اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی (جنھون نے دنیا ہنس کر گذاری) اس قدر روئین گے کہ آنسو خشک ہو جائین گے، پھر خون کے آنسو روئین گے، آنسوون کی فراوانی کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس مین کشتیان چلائی جائین تو بہ نکلین"[1]

اتباع سنت

ابوموسیٰؓ کی پوری زندگی حیاتِ نبوی کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل و حرکت، قول و فعل بلکہ ہر ہر ادا ذاتِ نبویؐ کا نمونہ بن جائے، ایک موقعہ پر انھون نے اپنی حرص کا ان الفاظ مین ذکر کیا ہے،

ابومجلز راوی ہین کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰؓ مکہ سے مدینہ آرہے تھے، راستہ مین عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہوکر سورۂ نساء کی ۱۰۰ آیتین ایک رکعت مین پڑھین، لوگون نے اس پر اعتراض کیا، انھون نے کہا میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رکھا ہے وہین مین بھی قدم رکھون، اور جو کام آپ نے کیا ہے وہی مین بھی کرون[2]،

رمضان کے روزون کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لئے رکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے، عاشورہ کا روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر رکھا کرتے تھے، یہ لوگون کو

---

[1] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۱ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۹،

ہدایت کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو،

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل وعیال سے پابندی کراتے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، حضرت ابو موسیٰؓ لڑکیوں تک کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کریں[1]

احکام نبوی کا لحاظ ہر آن وہر لمحہ رہتا تھا، کسی موقع پر فروگذاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہاں جائے تو اجازت لے کر گھر میں داخل ہو، اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے تو لوٹ جائے، حضرت ابو موسیٰؓ اس فرمان نبوی پر اس سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً کسی کام مین مشغول تھے، اس لئے کوئی توجہ نہ کی، انھون نے ۳ مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ آئے، دوسرے وقت حضرت عمرؓ نے کہا تم کیون واپس ہوگئے تھے، کہا مین نے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب نہ ملی، تو لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو ۳ مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، شاہد لاؤ تمھارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے، یہ گھبرائے ہوئے انصاری اصحاب کی مجلس مین آئے، ابی بن کعبؓ کو یہ حکم معلوم تھا انھون نے جاکر شہادت دی[2]

یہی پاس ولحاظ زندگی کے آخر لمحہ تک رہا،

مرض الموت مین اپنے گھر کی کسی عورت کی گود مین سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت مین غشی طاری ہوگئی، عورت نے گریہ وزاری شروع کر دی، اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برائت ظاہر کی ہے، اس سے

[1] بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحتہ [2] بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلثاً،

ین بھی بری ہون، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ و بکا کرنے والی، سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتون سے آپنے برأت کی ہے،[۱]

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتون کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے جیب اور گریبان نہ چاک کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے مین بری ہون،[۲]

تقویٰ | ابو موسیٰ کا دامن عفاف کبھی معصیت کی آلودگیون سے داغدار نہ ہوا، وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتون کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتون کی لپٹ سے مجھکو سڑے ہوئے مردار کی عفونت زیادہ خوش آیند ہے،[۳]

طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی مین پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے، دوسرے صحابہؓ اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے، خذیفہ نے لوگون سے کہا کہ کاش تمھارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے،[۴]

توکل | خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضا و قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وبائی مقامات سے الگ نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی، ابو بردہؓ نے کہا یہان سے ہٹ کر دابق چلے چلیئے، کہا مین خدا کے پاس جاؤن گا، دابق نہ جاؤن گا،[۵]

خدمتِ رسول | خطرناک سے خطرناک موقعون پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور آپ کی حفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، راستہ مین رات گذارنے کے لئے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک مین

[۱] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب [۲] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷، [۳] ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۸۴ [۴] مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین، [۵] ابن سعد قسم اول جزء ۴ ص ۸۲،

رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش میں نکلے، راستہ میں ایک اور صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے، دونوں آگے بڑھے، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہوئے دکھائی دیئے، ان دونوں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں، آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لئے جب آپ کو کوئی ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دیدیا کیجئے وہ ساتھ ہو جایا کرے[۱]"

شرم وحیا الحیاء شعبة من الایمان، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ میں ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا، رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت میں ستر نہ کھل جائے، ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہیں، تو بولے مجھکو بار بار مر کر زندہ ہونا پسند ہے مگر یہ فعل پسند نہیں ہے[۲]،

سادگی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا، مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا، ان کی عسرت میں کمی آتی گئی، متعدد مہمیں ان کی ماتحتی میں سر ہوئیں، برسوں تک مختلف صوبوں کے حاکم رہے، لیکن ان دونوں حالتوں میں ان کی ظاہری زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، نہ مال و دولت جمع کیا، نہ نخوت و رعونت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، ابوذر رضی اللہ عنہ فقیر منش آدمی تھے، دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر لپٹ گئے، لیکن ابوذر رضی اللہ عنہ بار بار یہ کہکر ہٹاتے تھے اب تم میرے بھائی نہیں ہو اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لپکے، انہوں نے کہا ابھی ہٹے رہو، پہلے میرے سوالات کے جوابات دیدو، پھر پوچھا تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا

---

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۵، [۲] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۲،

ہان، کہا عمارتین تو نہین بنوائین، زراعت تو نہین کی، جانور تو نہین پالے؟ انھون نے سب کی نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کر ملے،[۱]

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے، ابوبردہؓ روایت کرتے ہین کہ ابوموسیٰؓ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم ۶ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ مین نکلے، ان چھ مین صرف ایک اونٹ تھا، اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤن پھٹ پھٹ گئے اور ناخن گر گر گئے، تو ہم لوگون نے چیتھڑے لپیٹ لئے، اسی لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع (چیتھڑے والا) کہتے ہین، راوی کا بیان ہے کہ ابوموسیٰؓ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد مین اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا،[۲]

امت مسلمہ کی خیر خواہی امت مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، اس کے مقابلہ مین وہ بڑی سے بڑی منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے، جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہؓ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاص نے میری بیعت کرلی ہے، اگر تم بھی بیعت کرلو، تو مین حلفیہ وعدہ کرتا ہون کہ تمھارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کردون گا، اور تمھاری ضروریات کے لئے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا، مین اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہون، امید ہے کہ تم بھی اپنے دست و قلم سے اس کا جواب دوگے، اس خط کو پڑھکر انھون نے یہ جواب لکھا "تم نے امت محمدی کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے، جو چیز تم نے میرے سامنے پیش کی ہے اس کی مجھ کو حاجت نہین ہے"[۳]

۱؎ ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۱۰۹، ۲؎ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ ذات الرقاع ۳؎ ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۳،

جنگِ جمل اور جنگ صفین دونون مین غیر جانبدار رہے، اور دوسرون کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے، جب حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والون کو حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کرین، تو ابو موسیٰؓ اور ابو مسعودؓ نے ان سے جا کر کہا کہ "جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہین کیا"[1]

ان کے بھائی ابو رہم بہت ہنگامہ پسند تھے، اور شورشون اور ہنگامون مین نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، اور ابو موسیٰؓ فتنہ و فساد سے سخت متنفر تھے، وہ ان کو برابر سمجھاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائین گے اور ایک دوسرے کو قتل کرین گے تو دونون جہنم مین جائین گے،[2]

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگِ صفین مین حضرت علیؓ نے ان کو ثالث مقرر کیا، اس وقت رفعِ فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشۂ عزلت سے نکلنا پڑا اور نہایت نیک نیتی سے مصالحِ امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؓ اور معاویہؓ دونون کو معزول کرکے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاص کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا،

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ مسترد کر دیتے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج مین شریک ہو چکے تھے، آپ نے بیت اللہ کے طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوا دیا تھا، آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، ابو موسیٰؓ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمرؓ اپنے زمانہ مین حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ

---

[1] بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳،

حج کے موقع پر لوگون نے ابوموسیٰؓ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے مین اتنی عجلت نہ کیجئے، امیر المومنین نے اس مین ترمیم کردی ہے، اگرچہ ابوموسیٰؓ اس فتویٰ مین حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کردیا، لوگو جس جس کو مین نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہرجانا چاہیئے، امیر المومنین آتے ہین انکی اقتدا کرنی چاہیئے،[1]

مخصوص فضائل ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لئے طغرائے امتیاز ہین، ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ محمدؐ جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کرو، آپنے فرمایا ابشر یعنی بشارت ہو، اس نے کہا، "بشارت ہوچکی" کچھ دلواؤ، اس جاہلانہ جواب سے چہرۂ مبارک پر برہمی کے آثار نمایان ہوگئے، پھر حضرت بلالؓ اور ابوموسیٰؓ سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کردیا تم دونون قبول کرو، عرض کیا زہے نصیب، پھر ایک برتن مین پانی منگا کر اس مین ہاتھ منھ دھویا اور کلی کرکے ان دونون کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو، اور سینہ اور چہرہ پر ملو، انھون نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا، حضرت ام سلمہؓ پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھین، آواز دی تھوڑا میرے لیے بھی، چنانچہ اس شراب طہور کے چند جرعے انکو بھی ملے،[2] بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی ہے، مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور مین کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہیئے،

غزوۂ حنین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا، ابوموسیٰؓ کو بھی ان کی شمولیت کا حکم ملا، اوطاس مین مشرکین کا مقابلہ ہوا، ابو عامر سخت زخمی ہوئے، ابوموسیٰؓ نے قاتل کا تعاقب کرکے اس کو قتل کیا، پھر لوٹ کر ابو عامر کے

---

[1] مسلم کتاب الحج باب فی نسخ التحلل من الاحرام والامر بالتمام

[2] مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی موسیٰؓ،

گھٹنے سے تیر نکالا زخم سے خون جاری ہوگیا، زخم کاری تھا بچنے کی امید نہ تھی، ابو موسیٰؓ سے کہا میری طرف سے حضور انور کی خدمت میں سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا، یہ کہا ابو عامر واصل بحق ہوگئے حضرت ابو موسیٰؓ نے لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا پیام پہنچا دیا، آپ نے وضو کر کے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی، حضور میرے لئے بھی دعا فرمائیں، آپ نے دعا فرمائی، خدایا عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ) کے گناہوں کو بخشدے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ

نام، نسب، خاندان عمار نام، ابو الیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الوذیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی[2]،

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈالدی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کرکے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ نام سے شادی کرلی جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا[3]،

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ اوطاس [2] اسد الغابہ تذکرۂ عمار بن یاسرؓ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷،

اسلام

ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب ابن سنانؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقمؓ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا، "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو،" میں نے کہا "محمدؐ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں،" بولے "میرا بھی مقصد یہی ہے،" غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقیٔ اسلامؐ کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمارؓ جس وقت ایمان لائے، تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا،[2] یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا،[3]

حضرت عمارؓ گو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنا لیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریگ میں لٹایا، دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷، [2] بخاری باب فضائل الصدیقؓ، [3] فتح الباری جلد ۷ ص ۷، و اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۴

تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود وہ ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے[1]

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بھی اسی گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے[2]

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "اے آگ! تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہوجا"، اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندانِ یاسرؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے "اے آلِ عمارؓ تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے"[3]

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا، "صبر کرو! صبر کرو!" پھر دعا فرمائی "اے خدا! آلِ یاسر کو بخشدے"[4]

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیے کہ بالکل بدحواس ہوگئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفاکاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلوخلاصی ہوگئی، تاہم غیرتِ ملی نے غرق غرق کردیا، دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، "عمار! کیا خبر ہے؟" عرض کی، "یارسول اللہ! نہایت ہی بری خبر ہے، آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۷ [2] اصابہ تذکرہ سمیہؓ ام عمار [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۸

[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۸

مین کلماتِ خیر استعمال نہ کئے" ارشاد ہوا "تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟" عرض کی "میرا دل ایمان سے مطمئن ہے" سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھون سے آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا "کچھ مضائقہ نہین اگر یہ پھر ہو تو پھر ایسا ہی کرو" اس کے بعد ہی قرآن پاک مین یہ آیت نازل ہوئی، [1]

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (نحل - ۱۴)

جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہین)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ "کیا قریش مسلمانون کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائین؟" بولے "خدا کی قسم ہان! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہان تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت مین وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے" [2] غرض حضرت عمارؓ بھی انھین گرفتارانِ مصائب مین تھے جنھون نے راہِ خدا مین صبر و استقامت کے ساتھ گوناگون مصائب اور مظالم برداشت کئے، لیکن آئینۂ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم مین جن لوگون نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی وہ بیان کرتے ہین کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیرین، تپتی ہوئی ریگ اور دہکتے ہوئے انگارون کے داغ ان کی پیٹھ مین موجود تھے، [3]

ہجرت ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق اربابِ سیر مین اختلاف ہے، بعضون کا خیال ہے کہ

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۷ [2] اسد الغابہ تذکرہ عمارؓ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷،

وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبد المنذرؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہؓ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرا دیا، اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا[1]،

تعمیر مسجد | مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبویؐ کی بنا ڈالی گئی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو جوش دلانے کیلئے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمارؓ اینٹ گارا لالا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا،

نحن المسلمون نبتنی المساجدا[2] — ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں،

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کرکے فرمایا افسوس عمار! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا[3]، تم اسے خدا کی طرف دعوت دوگے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا[4]،

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اٹھے "آج عمار مر جائیں گے، آج عمار مر جائیں گے" وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالایطاق کی شکایت کرچکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینکدیں اور فرمایا، "افسوس! ابن سمیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا"[5]،

غزوات | غزوۂ بدر سے غزوۂ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے، سب میں وہ جانبازی

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۹۷، [2] ایضاً، [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷، [4] بخاری جلد ۱

[5] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۸۱،

وشجاعت کیساتھ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، عہدِ صدیقی کی اکثر خون ریز جنگون مین بھی خوب دادِ شجاعت دی، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہین کہ یمامہ کی جنگ مین ان کا ایک کان شہید ہو گیا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پروا ہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رخ کرتے تھے صفین کی صفین تہ وبالا کر دیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانون کے پاؤن پیچھے پڑنے لگے، انھون نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا، "اے گروہِ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ مین عمار بن یاسر ہون، آؤ میرے پاس آؤ"[1] اس صدا نے سحر کا کام کیا اور جنت کے شیدائی یکایک سنبھل کر ٹوٹ پڑے،

کوفہ کی حکومت | خلیفۂ دومؓ نے ۲۱ھ مین ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہلِ کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا،

امابعد فانی بعثت الیکم عمار بن	امابعد، مین عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعودؓ کو
یاسرٍ امیرًا وابن مسعود معلمًا ووزیرًا،	معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہون، خزانہ کا اہتمام
وقد جعلت ابن مسعود علی بیت	وانصرام بھی ابن مسعود کے متعلق کیا ہے، یہ دونون
مالکم وانھما لمن النجباء من اصحاب	(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان شریف اصحاب
محمد من اھل بدر فاسمعوا لھما	مین سے ہین جو غزوۂ بدر مین شریک تھے، اس لئے
واطیعوا واقتدوا بھما وقد اثرتکم	ان دونون کی فرمان برداری، اطاعت اور
بابن ام عبد علی نفسی وبعثت عثمان	پیروی کرو، مین نے ام عبد کے بیٹے (عبد اللہ بن
بن حنیف علی السواد ورزقتھم کل	مسعودؓ) کو اپنے سے الگ کر کے تمھارے پاس
یوم شاۃ فاجعل شطرھا وبطنھا	بھیجکر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۱،

لعماروالشطر الباقی بین ھو لاء | منیف کو عراق (کی پیمایش) پر مامور کرکے بھیجتا
الثلاثۃ[1] | ہون اور ان کے رسد کے لیئے روزانہ ایک بکری
| مقرر کرتا ہون جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے
| لئے مخصوص رہیگا، اور باقی حصے ان تینون
| مین منقسم ہونگے،

حضرت عمارؓ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدارمغزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثنا مین اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسون کو ان سے ناراض کر دیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے،

بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والون کی طرف سے دربار خلافت مین درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا ماسبذان کا پرگنہ بصرہ مین شامل کر دیا جائے، کوفہ والون کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسرؓ والی کوفہ سے خواستگار ہوئے کہ وہ اس کی مخالفت کرین اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کرین، کیونکہ ان دونون کو اہل بصرہ کی اعانت وامداد کے بغیر ہم لوگون نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمارؓ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹالدیا، اور فرمایا مجھے ان جھگڑون کی کیا ضرورت ہے؟" اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضبناک ہو کر کہا "دو اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمارؓ صرف یہ کہکر خاموش ہو رہے، "افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی"[2]،

غرض حضرت عمارؓ نے اس معاملہ مین بالکل غیر جانبداری اختیار کرلی، اور کوفہ والون کے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۲، [2] تاریخ طبری ص ۲۶۷۲،

اجماع کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا اور امیر المومنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے، انجام کار دارالخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کئے گئے،[1] حضرت عمرؓ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے "جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں"[2]

تحقیقات پر مامور ہونا

خلیفہ ثالثؓ کے عہد حکومت میں تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کا آماجگاہ ہوگیا، ۳۵ھ میں خلیفہ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمار بن یاسرؓ بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبۂ مصر کی طرف روانہ کئے گئے،

خلیفہ ثالثؓ سے اختلاف

تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آکر قابل اطمینان رپورٹ پیش کر دی، لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی، اور دارالخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی، اس خط کے فقرے یہ ہیں:

ان عمارا قد استماله قوم بمصر وقد انقطعوا	عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنا لیا ہے،
الیه منهم عبد الله بن السوداء وخالد	اور ان میں سے عبداللہ بن السوداء، خالد بن ملجم،
بن ملجم وسودان بن حمران وکنانه بن بشر	سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۷۰، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳

جاملے ہین؛

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات مین نمایان تھا[1]، عام مجمعون مین علانیہ حضرت عثمانؓ کے طرزِ حکومت اور عمال کی بے اعتدالیون پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہان تک کہ اسی حالت مین کبھی کبھی طرف دارانِ خلافت سے جھڑپ بھی ہوگئی، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلامون نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا، شکم مین خراش آگئی، اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت مین حلف وموالات کا تعلق تھا یہ سنکر کاشانۂ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر اس صدمہ سے جانبر نہ ہون گے تو ہم ضرور انتقام[2] لین گے،

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہان تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کر دین تو انھون نے صاف انکار کر دیا،[3] بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کارروائی مین شریک تھے،

سفارتِ کوفہ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بارگران حضرت علیؓ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمارؓ کو ان سے جو خاص انس وخلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہماتِ امور مین وہ ان کے دست وبازو ثابت ہوئے، حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریون کے لیے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفۂ چہارمؓ کے حکم سے وہ حضرت امام حسنؓ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہلِ کوفہ کو خلافت کے تحفظ وحمایت پر آمادہ کرین،

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۹۲۳ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۳۴ [3] طبری

حضرت عمارؓ کوفہ پہونچے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان کر رہے تھے، حضرت امام حسنؓ نے ان سے فرمایا "تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ"، اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی،[1] حضرت عمارؓ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا "صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ عائشہؓ دنیا اور آخرت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمایش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمان برداری کرتے ہو یا عائشہؓ کا ساتھ دیتے ہو،[2] حجر بن عدی نے حضرت عمارؓ کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گران حضرت عمارؓ کے ساتھ ہوگئی،[3]

جنگ جمل | ماہ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں، حضرت زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمارؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حق عمار کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اسی وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے،

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی، حضرت عمارؓ میسرہ پر متعین تھے، چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے غیر معمولی جوش سے لڑے، یہاں تک کہ حامیانِ خلافت کی فتح پر اس افسوسناک جنگ کا خاتمہ ہوا،[4]

جنگ صفین | جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمارؓ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے، اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایتِ حق کے

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۴۶، [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۵ [3] اخبار الطوال ص ۱۴۷، [4] ایضاً ص ۱۴۹،

جوش نے اکانوے۹۱ برس کے بڈھے کو شجاعت وجانبازی کا مجسم پتلا بنادیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے صفین کی صفین درہم برہم کردیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ مین حضرت امیر معاویہؓ کے علمبردار حضرت عمرو بن العاصؓ پر نظر پڑی تو بولے "مین اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت مین لڑچکا ہون، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کردین جب بھی مین یہی سمجھونگا کہ ہم لوگ حق پر ہین، اور وہ غلطی پر۔"

شہادت ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کرکے بولے "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لیئے دنیا کا آخری توشہ ہے" اور کہتے ہوئے غنیم کی صف مین گھس گئے کہ "آج مین اپنے دوستون سے ملون گا، آج مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملون گا"[1][2] کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرا صاف ہوگیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، لیکن اسی حالت مین ابن الغاویہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کرکے زمین پر گرادیا، اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سر تن سے جدا کردیا، یہ دونون قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار مین پہنچے، کیونکہ ان مین کا ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ حاضر دربار تھے، انہون نے کہا، "خدا کی قسم یہ دونون جہنم کے لیئے جھگڑ رہے ہین،" امیر معاویہؓ نے برہم ہو کر کہا "عمرو! تمھاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لیئے اپنی جانین قربان کر رہے ہین، ان کو ایسا کہتے ہو" بولے خدا کی قسم ایسا ہی ہے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۱۸۴

کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی[1]"

حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہوگئے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے یہ کہکر تسلی دی کہ عمارؓ کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدانِ جنگ میں لائی[2]،

حضرت عمارؓ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہوگیا، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگِ جمل اور معرکۂ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی حضرت عمارؓ کی شہادت نے ثابت کردیا کہ انھیں حیدر کرارؓ کا ساتھ دینا چاہئیے، چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچکر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی،[3] اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہؓ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے طرفدار ہوگئے،

تجہیز و تکفین

حضرت علیؓ نے اپنے مونس و جان نثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچکر فرمایا "خدا نے عمارؓ پر رحم کیا جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا جس دن شہید ہوئے اور خدا ان پر رحم کرے گا جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہؓ کو اعلانِ ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کرسکتا، عمارؓ اور حق لازم و ملزوم تھے، اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا"، اس کے بعد تجہیز و تکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی، اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامیِ حق کو زیرِ زمین نہان کردیا، انا للہ وانا

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۱۸۰ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۷ [4] ایضاً ص ۱۸۷،

الیہ راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابیِ رسول کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا،[1]

اخلاق | حضرت عمارؓ کا معدنِ اخلاق گرانمایہ جواہر سے لبریز تھا، جفاکشی، استقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں، ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و کم سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنا دیا،[2]

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ فرشِ خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوۂ ذات العشیرہ کے موقع میں بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا، "ابو الیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، غرض وہاں پہنچکر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے،[3]

عہدِ فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جاکر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیرہن میں پیوند ٹانک رہا تھا برہم ہو کر کہا "اے فاسق کیا تو امیر المومنین کی مذمت کر رہا ہے؟" میرے دوست نے عفو خواہی کرکے کہا "ابو الیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں" اس وقت میں نے پہچانا کہ عمار بن یاسر یہی ہیں،[4]

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۲، [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۸۳، [3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳، [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۸۲

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدائے پاک کی خوشنودی و رضامندی کی راہ مین اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوۂ صفین مین بھی درحقیقت اسی مطمحِ نظر نے حضرت علیؓ کے زیرِ علم لاکر کھڑا کیا، صفین کی فوجکشی مین ساحلِ فرات کی راہ سے میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے اور بار بار کہتے جاتے تھے "اے خدا! اگر مین جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ مین جلکر یا پانی مین ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، مین لڑنے جاتا ہون لیکن اس مین بھی تیری رضاجوئی مقصود ہے، امید ہے کہ تو مجھے اس مقصد مین ناکام نہ رکھے گا،" [1] آپ کی اخلاقی عظمت اور قوتِ ایمانی کا ضامن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "عمار کے رگ وپے مین ایمان سرایت کئے ہوئے ہے،" اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے، [2]

مذہبی زندگی حضرت عمارؓ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش مین خاص لطف حاصل ہوتا تھا، رات رات بھر نماز اور وظائف مین مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہین کہ یہ آیت

امن ھو قانت اٰناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الاخرۃ ویرجو رحمۃ ربہ (زمر)	کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کرکے اور کھڑا ہوکر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندون کے برابر ہوسکتا ہے)

حضرت عمارؓ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے، [3] خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کرکے بیٹھ رہے، لوگون نے پوچھا کہ آپنے اس قدر عجلت کیون کی؟ بولے اس وقت مجھے شیطان

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۴ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۲ [3] ایضاً جلد ۳ ص ۳۸۷،

سے مسابقت کرنا پڑی[1]، معذوری کی حالت مین بھی نماز قضا نہین ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لئے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا "ایسی حالت مین بھی صرف تیمم کافی ہے[2]"

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورۂ یٰسین تلاوت فرماتے تھے[3]، خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس مین ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے[4]"

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، نرگسی آنکھین، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گو ان کی عمر نوے اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے[5]،

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرو بن العاصؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو محمد اور ابو عبدالرحمن کنیت، والد کا نام عمرو بن العاصؓ اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:- عبداللہؓ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی،

اسلام حضرت عبداللہؓ اپنے والد حضرت عمرو بن العاصؓ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے[6]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۲ [4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳ [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۹ [6] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳

مصاحبتِ رسول وہ دربارِ نبوت مین اکثر حاضر رہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگون نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ غیظ و انبساط مین خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہین، آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے"، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا کہ "تم لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے کہ میری زبان سے صرف حق ہی نکل سکتا ہے"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یادِ حق مین صرف ہوتا تھا، دن عموماً روزون مین بسر ہوتا، اور رات عبادت مین گذر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے دربارِ نبوت مین ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا، "عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچون کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہین ہے"[2]

غزوات عہدِ نبوت کے بعض غزوات مین شریک تھے، جہاد و فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و باربرداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا "ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہین جہان درہم و دینار کا چلن نہین، مویشی اور جانور ہمارے مال و اسباب ہین، ہم آپس مین بکریون کے عوض اونٹ، گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑون کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہین، اس مین کوئی مضائقہ تو نہین؟ فرمایا تم

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۲ [2] ایضاً ص ۱۵۸

ایک واقف کار شخص کے پاس آئے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر کے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس کوئی سواری نہ تھی، میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی "یا رسول اللہ! تمام سواریاں تقسیم ہو گئیں لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی،" ارشاد ہوا کہ "ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو، تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ خرید لو" چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کر لئے،[1]

جنگ یرموک یرموک کی عظیم الشان جنگ میں نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس جنگ میں اپنا علم قیادت ان کے ہاتھ میں دیدیا تھا،[2]

واقعۂ صفین حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے، اس لئے جب واقعۂ صفین پیش آیا تو انھوں نے حضرت عبداللہؓ کو امیر معاویہؓ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا، لیکن درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور بار بار اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا،[3]

حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت علیؓ کی طرف سے سرگرم پیکار تھے، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا "کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ افسوس! ابن سمیہ کو گروہ باغی قتل کرے گا" حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کی طرف دیکھ کر کہا، آپ نہیں سنتے، عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں، امیر معاویہؓ نے تاویل کرتے ہوئے کہا، یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہیں، کیا عمار

[1] دار قطنی، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۴۸، [3] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،

کو ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا[1]
حضرت عمار بن یاسرؓ پر دو آدمیون نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ دونون جھگڑتے ہوئے
امیر معاویہؓ کے دربار مین آئے کیونکہ ان مین سے ہر ایک اس کارنامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب
کرتا تھا حضرت عبد اللہ بن عمروؓ حاضر دربار تھے، انھون نے کہا، تم مین سے کسی کو بخوشی اپنے
فریق کا دعویٰ تسلیم کر لینا چاہئے، کیونکہ مین نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عمار کو
گروہ باغی قتل کرے گا، امیر معاویہؓ نے برہم ہو کر ان کے والد سے کہا، عمرو! تم اپنے اس مجنون کو
مجھ سے الگ نہین کر دگے؟ اور خود ان سے کہا، اگر ایسا ہے تو تم کیون میرے ساتھ ہو؟ حضرت
عبد اللہ بن عمروؓ نے جواب دیا، مین صرف اس لئے آپ کے ساتھ ہون کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع و فرمان
بردار رہنا،[2]

گو اس خانہ جنگی مین حضرت عبد اللہؓ کا دامن قتل و خون ریزی سے ملوث نہین ہوا تاہم
وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان تھے، نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا
کرتے تھے "مین اور صفین مین، اور مسلمانون کی خونریزی، کاش! اس سے بیس سال پہلے مین
دنیا سے اٹھ گیا ہوتا،[3]

اعتذار

حضرت رجاؓ فرماتے ہین کہ مسجد نبوی مین ایک مرتبہ مین ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا
ہوا تھا، عبد اللہ بن عمروؓ اور ابو سعید خدریؓ بھی موجود تھے، عبد اللہ بن عمروؓ نے (حضرت امام)
حسین بن علیؓ کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا، کیا تمھین اس شخص سے آگاہ نہ کرون جو آسمان والون
کے نزدیک دنیا مین سب سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگون نے کہا "کیون نہین؟" فرمایا "وہ یہ ہے

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۶۱ [2] ایضاً ص ۲۰۶ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴

جو تمھارے سامنے ٹہل رہا ہے، واقعۂ صفین کے بعد سے اس سے مجھ سے کوئی گفتگو نہین ہوئی، حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے، ابوسعید خدریؓ نے کہا دو کیا آپ ان سے مل کر عذر خواہی نہ کرین گے؟، بولے کیون نہین؟، دوسرے روز ابوسعید خدریؓ کو ساتھ لیکر عذر خواہی کے لئے تشریف لے گئے، حضرت امام حسینؓ کو ان سے ملنے مین پس و پیش تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اصرار کے بعد اندر آنے کی اجازت حاصل کی اور واقعۂ صفین مین اپنی شرکت کی عذر خواہی کرتے ہوئے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق مین اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن خدا کی قسم! مین نے اس جنگ مین نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر چلایا[1]،

وفات	۶۵ھ مین حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فسطاط مین وفات پائی، لوگون نے ان کو

گھر ہی مین دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ مین مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجون مین نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا،

حلیہ	یہ تھا قد بلند بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر مین سر اور داڑھی کے بال

سفید ہو گئے تھے،

علم و فضل	حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے طبقۂ صحابہؓ مین خاص امتیاز

رکھتے تھے، انھون نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی مین بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت و انجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبوی کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ تک کو اعتراف تھا کہ عبداللہ بن عمروؓ کو مجھ سے زیادہ حدیثین یاد تھین، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،

لکھ لیتے تھے اور مین لکھتا نہ تھا۔[1]

مجموعۂ حدیث کے پہلے مدون انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا جس کا نام صادقہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انھین زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو وہ اس مین دیکھکر جواب دیتے تھے، ابو قبیل فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مین نے پوچھا کہ "قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟"، ان کو زبانی یاد نہ تھا، انھون نے صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے کہ کسی نے یہی سوال کیا، ارشاد ہوا کہ "ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا۔"[2]

حضرت عبد اللہؓ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، مجاہد بیان کرتے ہین کہ ایک مرتبہ مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انھون نے منع کیا، مین نے کہا "آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟" فرمایا "یہ وہ صحیفۂ حق ہے جس کو مین نے تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر جمع کیا تھا، پھر فرمایا "اگر یہ صحیفۂ، قرآن اور وہط کی جاگیر مجھکو دیدیجائے تو پھر مجھکو دنیا کی کچھ پروا نہ ہو۔"[3]

مرویات کی تعداد حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جس مین ۱۷ بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان متفق علیہ حدیثون کے علاوہ ۸ بخاری مین ہین اور ۲۰ مسلم مین۔[4]

حلقۂ درس حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کرکے تحصیلِ حدیث کے لئے ان کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے، اور وہ جہان پہنچ جاتے

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [2] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۷۶ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [4] تہذیب ص ۳۰۸

تھے شایقینِ علم کا ایک مجمع ان کے گرد وپیش ہو جاتا تھا، ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ مین ایلیا، کی مسجد مین جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو مین آکر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ یہی ہین"[1]

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگون نے روکا تو فرمایا "اس کو آنے دو،" غرض وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور بولا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے، فرمایا "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مُسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہین، اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتون کو چھوڑ دے"[2]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے خرمنِ علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ چینی کی کیونکہ ان کے حلقۂ درس مین نسبتہً بصرہ والون کا زیادہ ہجوم رہتا تھا،[3]

اربابِ علم کی قدر شناسی وہ اپنے ذی علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے "تم لوگون نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو مین اس دن سے بہت دوست رکھتا ہون جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا،"[4]

اخلاق حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے زہد و تقویٰ اور کثرتِ عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزون مین بسر ہوتا اور رات عبادت مین گذر جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا "عبداللہ!

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۸، [2] ایضاً ص ۱۹۲، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲، [4] مسلم باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ،

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت مین بسر کرو گے، بولے "ہان! یارسول اللہ (بابی انت وامی) فرمایا کہ "تم اس کی طاقت نہین رکھتے، روزہ رکھو اور افطار کرو، نمازین پڑھو اور آرام کرو، مہینہ مین صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے" عرض کی "یارسول اللہ! مین اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہون" ارشاد ہوا کہ "ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو" بولے "مین اس سے بھی زیادہ رہ سکتا ہون" حکم ہوا کہ "ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، داؤد (علیہ السلام) کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزون کی بہترین صورت ہے" عرض کی "مین اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہون" ارشاد ہوا کہ "اس سے بہتر کوئی روزہ نہین"[1]

اسلام کا مطمح نظر رہبانیت نہین، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی عبداللہ بن عمرو بن العاص رض کے پاس تشریف لیجاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوقِ عبادت مین حقوقِ عباد کو بھول نہ جائین، فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر پر تشریف لاکر فرمایا کہ "روزے رکھو اور افطار کرو، نمازین پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمھارے جسم کا، تمھاری آنکھون کا، تمھارے اہل وعیال کا اور تمھارے دوستون کا تم پر حق ہے" مین نے عرض کی "داؤد (علیہ السلام) کا روزہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا کہ "نصف عمر"[2]

غرض انھون نے تمام عمر روزون مین حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی، اور رات کا اکثر حصہ عبادت مین بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے

[1] بخاری باب صوم الدہر [2] ایضاً باب حق الجسم فی الصوم،

تھے، لیکن اخیر عمر میں جب کہ قویٰ مضمحل ہوگئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی، فرمایا کرتے تھے "کاش! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت قبول کر لیتا"[1]

ذریعۂ معاش

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت سے خدم و حشم ملے تھے، طائف میں وہط کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی جس کی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا،[2] حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی،[3] ایک مرتبہ عنبسہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہوگیا تھا، یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت و خون کی تیاریاں ہوگئی تھیں، خالد بن العاصؓ حضرت عبداللہؓ کو سمجھانے کے لئے آئے تو انہوں نے جواب دیا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔[4]

حضرت صہیب بن سنانؓ

نام، نسب

صہیب نام، ابویحییٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، صہیب بن سنان بن مالک بن عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناۃ بن النمر بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربعی النمری،[5]

ابتدائی حالات

حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو باختلاف روایات موصل کے قریب لب دجلہ یا الجزیرہ میں واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے عامل تھے،

---

[1] بخاری باب حق الجسم فی الصوم [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [4] مسند احمد جلد ۲ ص ۲۰۶ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰

انھون نے ابھی دنیا کی صرف چند بہارین دیکھی تھین کہ رومی فوجون نے ابلہ پر چڑھائی کی، اور دوسرے مال واسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے، ان کے چمن زار پر اس گلِ سرسبد کے فقدان سے خزان آگئی، ان کی بہن امیمہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش وجستجو مین دنیا کی خاک چھان ڈالی، تمام مجامع، میلون اور موسمی بازارون کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہین سراغ نہ لگا،[1]

وہ رومیون ہی مین پرورش پاکر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور ان سے عبداللہ بن الجدعان نے لے کر آزاد کر دیا[2] لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے، اور عبداللہ سے صرف حلیفانہ تعلق تھا، غرض وہ مکہ مین اس کی زندگی تک اس کے ساتھ رہے،[3]

اسلام مکہ مین اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش وتحقیق کے خیال سے آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انھون نے ان کو دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو"، انھون نے کہا "مین محمدؐ سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہون" بولے "میرا بھی یہی مقصد ہے" غرض دونون ایک ساتھ حاضرِ خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے،[4] حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنھون نے صدائے توحید کو لبیک کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ صہیب روم کا پہلا پھل ہے، آپؐ اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین تھے، اور تیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ اس دائرہ مین داخل ہو چکے تھے جن مین اکثرون نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہین کیا تھا،[5]

[1] اصابہ جلد ۳ تذکرہ صہیب بن سنانؓ، [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۷، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۱

[4] اسد الغابہ جلد ۴ تذکرہ عمار بن یاسرؓ [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲،

ابتلاؤ واستقامت حضرت صہیبؓ گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمینِ کفر مین ان کا کوئی حامی ومعاون نہ تھا، تاہم غیرتِ ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انھون نے ابتدا ہی مین اپنے تبدیلِ مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا مین گوناگون مصائب ومظالم برداشت کئے لیکن استقامت، صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا[1]،

ہجرت حضرت صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے، انھون نے رختِ سفر درست کرکے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکینِ قریش نہایت سختی کے ساتھ سدِ راہ ہوئے اور بولے "تم ہمارے یہان مفلس ومحتاج آئے تھے، مکہ مین رہ کر دولت وثروت جمع کی، اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لئے جاتے ہو، خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا"، حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا، "اے گروہِ قریش! تم جانتے ہو کہ مین تم لوگون مین سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہون، خدا کی قسم جب تک اس مین ایک تیر بھی ہے تم میرے قریب نہین آسکتے، اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کرونگا، ہان اگر مال ودولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دوگے"؟ مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت صہیبؓ اپنے مال ومنال کے عوض متاعِ ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے[2]، حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم قبا مین حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے، حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی حاضرِ دربار تھے، کھجورون کا نقل ہو رہا تھا کہ حضرت صہیبؓ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر مین ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا، "یا رسول اللہ! آپ صہیب کو ملاحظہ نہین فرماتے کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجورین کھا رہے ہین"، آپ نے فرمایا، "صہیب! تمھاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجورین کھاتے ہو؟"، مزاج نہایت بذلہ سنج تھا، بولے، "مین صرف اپنی ایک تندرست

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲ [2] ایضاً ص ۱۶۳

آنکھ سے کھاتا ہوں"، اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار ہنس پڑے،[1]

جب بھوک کی شدت کسی قدر رفع ہوئی تو شکوہ وشکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگے کہ آپنے باوجود وعدہ مجھے شریکِ سفر نہ فرمایا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! آپنے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا، بالآخر تمام دولت وثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا،[2] ارشاد ہوا "ابویحییٰ! تمھاری تجارت پُرمنفعت رہی"، اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دی،[3]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ، (بقرہ)

لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کیلئے اپنی جانیں بیچدیتے ہیں،

حضرت صہیبؓ مدینہ میں حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن الصمہ انصاریؓ سے مواخات ہوئی،[4]

غزوات | تیراندازی میں کمال رکھتے تھے، غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کرکے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے،

سہ روزہ خلافت | حضرت عمرؓ ان سے نہایت حسنِ ظن رکھتے تھے اور خاص لطف ومحبت کے ساتھ پیش آتے تھے، انھوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلۂ خلافت کا فیصلہ نہ کریں، وہ امامت کا فرض انجام دیں چنانچہ انھوں نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۹ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۶۳ [3] ایضاً مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۳،

انجام دیا،[۱]

وفات | ۳۸ھ میں پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا، ۷۰ برس کی عمر میں وفات پائی اور بقیع کے گورِ غریبان میں مدفون ہوئے،[۲]

اخلاق | حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سر چشمۂ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی سے پہلے ہی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا،[۳] اس بناپر ان میں تمام اوصاف حسنہ مجتمع ہوگئے تھے، حسن خلق، فضل و کمال کے ساتھ حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پُر لطف بنادیا تھا،[۴]

مہمان نوازی، سخاوت و غربا پروری میں نہایت کشادہ دست تھے، یہان تک کہ لوگون کو اسراف کا دھوکا ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "صہیب! تمھاری باتین مجھے ناپسند ہین، اوّل یہ کہ تم نے ابو یحییٰ اپنی کنیت قرار دی، جو ایک پیغمبر کا نام ہے اور اس نام کی تمھاری کوئی اولاد نہین، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے کو عرب کہتے ہو" بولے "یہ کنیت میری نہین بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس مین میرا اساس عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے خیارکم من اطعم الطعام ورد السلام (یعنی تم لوگون مین سب سے بہتر وہ ہے جو لوگون کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے) امر سوم کا جواب یہ ہے کہ مین درحقیقت عرب ہون چونکہ رومیون نے بچپن ہی مین مجھے غلام بناکر اہل و عیال سے جدا کردیا اس لئے مین اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا،[۵]

حلیہ | حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے

---

[۱] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۳ [۲] ایضاً [۳] استیعاب تذکرہ صہیب رضی اللہ عنہ [۴] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲، [۵] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۶،

بال گھنے، زمانۂ پیری میں مہندی کا خضاب کرتے تھے،[1] زبان میں لکنت تھی، ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں یحنس غلام کو نیاس، نیاس کہہ کر پکار رہے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی وہ لوگوں کو نہیں پکارتے بلکہ اپنے غلام یحنس کو پکار رہے ہیں، لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔[2]

حضرت مصعب بن عمیرؓ

نام، نسب | مصعب نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام خناس بنت مالک تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی القرشی۔[3]

ابتدائی حالات | حضرت مصعبؓ مکہ کے ایک نہایت حسین و خوشرو نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت رکھتے تھے، خصوصاً ان کی والدہ خناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز و نعم سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں میسر آ سکتی تھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے، "مکہ میں مصعب سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت نہیں ہے۔"[3]

اسلام | خدائے پاک نے حسن ظاہری، سلامتِ ذوق اور طبعِ لطیف کے ساتھ آئینۂ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خط و خال نے اس کو متنفر کر دیا اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدائیوں میں داخل ہو گئے، یہ وہ زمانہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۱ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۲ [3] اسد الغابہ تذکرۂ مصعب بن عمیرؓ، طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۲،

تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم رضؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کردی، انھوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدل ہو گئی اور مجرمِ توحید کے لئے شرک کی عدالت نے قیدِ تنہائی کا فیصلہ سنایا[۱]

ہجرت حبشہ

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترکِ وطن پر مجبور کردیا، اور متلاشیانِ امن وسکون کے ساتھ سرزمینِ حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم و نازک کپڑوں کی حاجت تھی نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تنعم کی فکر تھی، صرف جلوۂ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز و سامان سے بے نیاز کردیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے ہجرت کے مصائب سے رنگ و روپ باقی نہ رہا تھا، تو خود ان کی ماں کو اپنے نورِ نظر کی پریشان حالی پر رحم آگیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آگئی،[۲]

تعلیم دین و اشاعتِ اسلام

اس اثنا میں خورشیدِ اسلام کی ضیا پاش شعاعیں کوہِ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادیِ یثرب تک پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کرلیا تھا، انھوں نے دربارِ نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم و تلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ جوہر شناس نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا اور چند زرین نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا،[۳]

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۲ [۳] ایضاً ص ۸۳،

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچکر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن و اشاعتِ اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح رفتہ رفتہ جب کلمہ گویون کی ایک جماعت پیدا ہوگئی تو نماز و تلاوتِ قرآن کے لئے کبھی حضرت اسعدؓ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مصعبؓ حسب معمول بنی ظفر کے گھر مین چند مسلمانون کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلۂ عبد الاشہل کے سردار (حضرت) سعد بن معاذؓ نے اپنے رفیق (حضرت) اُسید بن حضیرؓ سے کہا، اس داعیِ اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو جو یہان آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے، اگر اسعد (میزبانِ حضرت مصعبؓ) سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو مین تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا،" یہ سن کر حضرت اسیدؓ نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعبؓ و اسعدؓ کے پاس آکر خشم آلود لہجہ مین کہا، تمھین یہان کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والون کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانین عزیز ہین تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہان سے چلے جاؤ" حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا، بیٹھ کر ہماری باتین سنو، اگر پسند آئے، قبول کرو ورنہ ہم خود چلے جائین گے، حضرت اُسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے، حضرت مصعبؓ نے چند آیاتِ کریمہ تلاوت کرکے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسنِ اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی ہی دیر مین حضرت اسیدؓ کا دل نورِ ایمان سے چمک اٹھا اور بیتاب ہوکر بولے، کیسا اچھا مذہب ہے، کیسی بہتر ہدایت ہے!! اس مذہب مین داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت مصعبؓ نے فرمایا پہلے نہا دھوکر پاک کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو، انھون نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا، میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ مین داخل ہوگیا تو تمام قبیلۂ عبد الاشہل اس کی پیروی کرے گا، مین ابھی اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہون"!

حضرت اسیدؓ غیظ و غضب کے عوض عشق و محبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ مین واپس آئے تو حضرت سعد بن معاذؓ نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا "خدا کی قسم اس شخص کی حالت مین ضرور کچھ انقلاب ہوگیا ہے"، اور جب قریب آئے تو پوچھا "کہو کیا کر آئے؟" بولے "خدا کی قسم وہ دونون ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے، مین نے ان کو منع کیا تو وہ بولے کہ ہم وہی کرین گے جو تم پسند کروگے، لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس وجہ سے اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہین کہ وہ تمھارا خالہ زاد بھائی ہے تاکہ اس طرح تمھاری تذلیل ہو"، چونکہ بنی حارثہ اور عبدالاشہل مین دیرینہ عداوت تھی اس لئے حضرت اسیدؓ کا افسون کارگر ہوگیا، حضرت سعد بن معاذؓ جوش غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لئے دوڑے، لیکن جب یہان پہنچکر بالکل سکون و اطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونون سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے مبتدل ہوگیا اور خشمگین لہجہ مین بولے "ابوامامہ خدا کی قسم اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو مین تمھارے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا، تمھین کیونکر ہمارے محلہ مین علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہین، حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتین سنو، اگر پسند آئین تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہوجائین گے، حضرت سعدؓ نے اس کو منظور کرلیا، تو انھون نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کیا کہ حضرت سعدؓ کا چہرہ نورِ ایمان سے چمک اٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش مین بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والون کے پاس آئے اور ببانگ بلند سوال کیا "اے بنی اشہل! بتاؤ مین تمھارا کون ہون" انھون نے کہا "تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو"، بولے خدا کی قسم تمھارے مردون اور تمھاری عورتون سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسول

پر ایمان نہ لاؤ، اس طرح عبد الاشہل کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذؓ کے اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہوگیا،[1]

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہین سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہان تک کہ خطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہوگئے،[2]

مدینہ مین جمعہ قائم کرنا

مدینہ منورہ مین جب کلمہ گویون کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہوگئی تو حضرت مصعبؓ نے دربارِ نبوت سے اجازت حاصل کرکے حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مکان مین جماعت کے ساتھ نمازِ جمعہ کی بنا ڈالی، پہلے کھڑے ہوکر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا، پھر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ مین ایک دفعہ برادرانِ اسلام کو باہم بغلگیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تحریک سے قائم کیا گیا،[3]

بیعت عقبۂ ثانیہ

عقبہ کی پہلی بیعت مین صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال مین تمام اہلِ یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال تہتر ۷۳ کا بروایان کی پرعظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ مین مدعو کرنے کے لئے روانہ ہوئی، ان کے معلم دین حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی ساتھ تھے، انھون نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانۂ نبوت پر حاضر ہوکر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۹ وخلاصۃ الوفا ص ۹۱ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۹ وخلاصۃ الوفا ص ۹۱،

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳،

عرض کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت دلچسپی کے ساتھ تمام واقعات سنے اور ان کی محنت وجانفشانی سے بیحد محظوظ ہوئے،[۱]

حضرت مصعبؓ کی مان نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر مین آئے گا جس مین مین موجود ہون اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے؟" انھون نے جواب دیا "مین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی سے ملنے نہین جاؤن گا" حضرت مصعبؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملازمت حاصل کر چکے تو اپنی مان کے پاس آئے، اس نے کہا "مین سمجھتی ہون کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے" بولے "مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین برحق اور اس اسلام کا پیرو ہون جس کو خدا نے خود اپنے لئے اور اپنے رسول کے لئے پسند کیا ہے" مان نے کہا "کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمین حبش مین برداشت کرنا پڑی اور اب یثرب مین سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونون دفعہ تم نے غمخواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا" حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر مین ہے، چلا کر بولے "کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء ہے کہ پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالون گا" مان نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس تو میرے سامنے سے چلا جا" اور یہ کہہ کر رونے لگی، حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے "اے میری مان! مین تجھے خیر خواہی ومحبت سے مشورہ دیتا ہون کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول برحق ہین" اس نے کہا "چمکتے ہوئے تارون کی قسم! مین اس مذہب مین داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤن گی، جا مین تجھ سے اور تیری باتون سے ہاتھ دھوتی ہون، اور اپنے مذہب سے وابستہ رہون گی"[۲]

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۳ [۲] ایضاً،

ہجرتِ مدینہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں بسر کئے، اور پہلی ربیع الاول کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی،[1]

غزوات ۲ھ سے حق و باطل میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ میدانِ فصاحت کی طرح عرصۂ وغا میں بھی نمایاں رہے، غزوۂ بدر میں جماعتِ مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا، غزوۂ احد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف ان ہی کو ملا،

شہادت اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی یہ علمبردارِ اسلام یکہ و تنہا مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا، کیونکہ لوائے توحید کو پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لئے سخت عار تھا، غرض اسی حالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمئہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا، لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی،

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران ع ۱۵)

اور محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں،

ابن قمئہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں بازوؤں نے حلقہ کر کے علم کو سینہ سے چمٹا لیا، اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور اس زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اور اسلام کا سچا فدائی اسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرشِ خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا تھا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونے کے لئے نہیں آیا

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۴،

تھا، ان کے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے۔[1]

تجہیز و تکفین لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی،

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الآیہ — مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا،

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا، "میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے،، پھر ارشاد ہوا "بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر رہو گے،، اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگانِ راہِ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں اور فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزِ قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجیگا وہ اس کا جواب دیں گے،،[2]

اس زمانہ میں غربت و افلاس کے باعث شہیدانِ ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے، اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر اذخر کی گھانس ڈالی گئی[3]، اور ان کے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ نے حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سویبط بن سعدؓ کی مدد سے سپردِ خاک کیا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ،،[4]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۵ [2] ایضاً [3] بخاری باب غزوۂ احد ص ۵۸۰ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۶،

فضل وکمال حضرت مصعبؓ نہایت ذہین، طباع اور خوش بیان تھے، یثرب مین جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہوسکتا ہے، قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا اس کے حافظ تھے، مدینہ مین نمازِ جمعہ کی ابتدا، ان ہی کی تحریک سے ہوئی، اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے،[1]

اخلاق اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے مکتب نے مزاج مین صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرانوردیون نے جفاکشی، استقلال واستقامت کے نہایت زرین اسباق دیئے تھے اور اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ دشمنون مین رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلمون کی تعلیم وتربیت اور اشاعتِ اسلام جیسے اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا،

مزاج قدرۃً نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضرمی جوتا جو اس زمانہ مین صرف امراء کے لئے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرۃ کے کام مین آتا، غرض ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش، زیبائش اور زلفِ مشکین کے سنوارنے مین بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شرابِ توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربارِ نبوت مین اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس مین جا بجا سے پیوند لگے ہوئے تھے، صحابۂ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنین جھکالین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "الحمد للہ! اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہئے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ مین کوئی نازپروردہ نہ تھا لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزون سے بے نیاز کر دیا،"[2]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۸۳ ۔ [2] ایضاً ص ۸۲،

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد میانہ، چہرہ حسین نرم ونازک اور زلفین نہایت خوبصورت تھین [1]

اہل وعیال | حضرت مصعبؓ کی بیوی کا نام حمنہ بنت جحش تھا جس سے زینب نام ایک لڑکی یادگار چھوڑی [2]

حضرت عثمان بن مظعون رضؓ

نام ونسب | عثمان نام، ابو السائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام سنخیلہ بنت العنبس تھا

پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوئی بن غالب القرشی الجمحی، [3]

قبل اسلام | حضرت عثمانؓ فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس وپاکباز تھے، ایام جاہلیت مین عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے ناآشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل مین فتور آجائے ذلیل وکم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائین، اور نشہ کی حالت مین ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے [4]

اسلام | اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوحِ دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ وتلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اُس وقت تک صرف تیرہ صحابہؓ ایمان لائے تھے [5] ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت عبیدہ بن الحارثؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۸۱ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۲۸۶، [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵،

ہونے سے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے،[۱]

ہجرتِ حبشہ ومعاودت

۵ھ نبوی مین بلاکشانِ اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعونؓ اسی بے خانمان گروہ کے امیر تھے،[۲] ایک عرصہ تک وہان مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بناپر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کرلیا ہے پھر واپس تشریف لائے، لیکن جب مکہ کے قریب پہنچکر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف مکہ مین داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامنگیر ہوتا تھا، غرض اسی حیص بیص مین جہان تک پہنچے تھے وہین رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کرکے اپنے مشرک اعزہ واحباب کی پناہ مین مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کرکے مکہ مین داخل ہوئے،[۳]

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتون سے محفوظ کردیا تھا تاہم وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور دوسرے صحابۂ کرامؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت واطمینان کو گوارا نہ کرسکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ مین ملامت فرمائی،، افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہِ خدا مین طرح طرح کے مصائب برداشت کررہے ہین اور مین ایک مشرک کی حمایت مین اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کررہا ہون! اخدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے" اس خیال نے بیتاب کردیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا،، اے ابوعبد شمس! تمھاری ذمہ داری پوری ہوچکی، اس وقت تک مین تمھاری پناہ مین تھا لیکن اب خدا اور اس کے رسول کی حمایت مین رہنا پسند کرتا ہون، میرے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے"! ولید نے کہا،، شاید تمھین کسی نے اذیت

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۶، [۲] سیرت ابن ہشام جلد ۱ باب الہجرۃ الی الحبشۃ [۳] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵،

پہنچائی، بولے "نہین اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہین، تم ابھی میرے ساتھ خانۂ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کردو، غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہوکر ان کی خواہش کو مجمع عام مین بیان کیا، حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کھڑے ہوکر اس کی تصدیق کی، اور فرمایا، صاحبو! مین نے ولید کو نہایت ہی باوفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہین ہے، اس لئے مین خود ہی اس بار احسان سے سبکدوش ہوتا ہون،

حضرت عثمان بن مظعونؓ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس مین تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لئے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہوگئی، اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا "الا کل شیء ما خلی اللّٰہ باطل" (یعنی خدا کے سوا تمام چیزین باطل ہین) تو حضرت عثمانؓ نے بے اختیار داد دی کہ "تم نے سچ کہا"، لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا "و کل نعیم لا محالۃ زائل" (یعنی تمام نعمتین یقیناً زائل ہوجائین گی،) تو بول اٹھے "جھوٹ کہتے ہو"، اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب آلود ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمایش کی، اس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کرکے فرمایا "تم جھوٹ کہتے ہو جنت کی نعمتین کبھی زائل نہ ہون گی"، لبید نے خفیف ہوکر کہا، "گروہ قریش! خدا کی قسم تمھاری مجلسون کا یہ حال نہ تھا، اس اشتعال انگیز حملہ سے تمام مجمع مین برہمی پھیل گئی، اور ایک بدکردار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھکر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگون نے کہا، "عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت مین نہایت معزز تھے اور تمھاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی، بولے "خدا کی حمایت سب سے زیادہ باامن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ مین شریک

ہونے کی متمنی ہے" ولید نے کہا "کیا اب بھی تم میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو؟" فرمایا میرے لئے صرف خدا کی پناہ بس ہے"[1]

ہجرتِ مدینہ

حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عموماً تمام صحابۂ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس میں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت سائب بن عثمانؓ شامل تھے، اس سرزمینِ امن میں پہنچکر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مکان پر فروکش ہوئے، حضرت عثمانؓ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے،[2]

مواخات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچکر حضرت عثمانؓ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لئے وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے اور حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ سے بھائی چارہ کرادیا،[3]

غزوۂ بدر اور وفات

حق و باطل کی اوّل کشمکش یعنی معرکۂ بدر میں شریک تھے، میدانِ جنگ سے واپس آکر اسی سال بیمار ہوئے، انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچوں نے دلسوزی کے ساتھ تیمار داری کی لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا، ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۳ھ کے اخیر میں وفات پائی،[4]

حضرت ام العلاء انصاریہؓ (جن کے گھر میں انہوں نے وفات پائی) فرماتی ہیں کہ جب تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے کہا "ابو السائب! تم پر خدا کی رحمت ہو میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تم کو معزز کیا"، ارشاد ہوا "تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵ و ۳۸۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۰ [3] ایضاً ص ۲۸۹

[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۰،

لئے بے پردہ بنایا ہے" وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا "عثمان بن مظعون نہایت ہی باحیاء و پردہ پوش ہے"[1]

رہبانیت کی طرف میلانِ طبع

تبتل و رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا، ایک دفعہ انھون نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فنا کرکے صحرا نوردی اختیار کرین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باز رکھا اور فرمایا "کیا میری ذات تمھارے لئے اسوۂ حسنہ نہین ہے؟ مین اپنی بیویون سے ملتا ہون، گوشت کھاتا ہون، روزے رکھتا ہون اور افطار کرتا ہون، بیشک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے، اس لئے جو شخص خصی کرے گا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہین ہے"[2]

عبادت

عبادت و شب زندہ داری حضرت عثمانؓ کا نہایت ہی پرلطف مشغلہ تھا، رات رات بھر نمازین پڑھتے، دن کو عموماً روزے رکھتے، انھون نے اپنے گھر مین عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا جس مین رات دن متعکف رہتے تھے، ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا "عثمان! خدا نے مجھے رہبانیت کے لئے مبعوث نہین کیا ہے، سہل اور آسان دین حنیفی خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے"[3]

شوقِ عبادت نے بیوی بچون سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز ان کی زوجۂ محترمہ حرم نبوی مین آئین، امہات المومنینؓ نے ان کو خراب حالت مین دیکھ کر پوچھا "تم نے ایسی ہیئت کیون بنا رکھی ہے؟ تمھارے شوہر سے زیادہ تو قریش مین کوئی دولت مند نہین" بولین "مجھے ان سے کیا سروکار، وہ رات رات بھر نمازین پڑھتے ہین، دن کو روزے رکھتے ہین" امہات المومنینؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "عثمان بن مظعون! کیا میری ذات تمھارے لئے نمونہ نہین ہے؟" بولے "میرے باپ مان آپ پر

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۸۷ [2] ایضاً و صحیح بخاری کتاب الصوم و کتاب النکاح [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۸۷

خدانے معزز کیا؟ مین نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ پھر خدا کس کو معزز کرے گا؟"
فرمایا، "عثمان کو درجۂ یقین حاصل تھا اور مین اس کے لئے بہتری کی امید رکھتا ہون، لیکن خدا
کی قسم مین رسولِ خدا ہو کر بھی نہین جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی مفارقت کا
شدید غم تھا، آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پر نم ہوئے کہ اشک
مبارک سے حضرت عثمانؓ کے رخسارے تر ہوگئے[2]، پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز مین فرمایا
"ابو السائب! مین تم سے جدا ہوتا ہون، تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمھارا دامن ذرا بھی اس
سے ملوث نہ ہوا"[3]

قبر

اس وقت تک مدینہ مین مسلمانون کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا، حضرت عثمانؓ کی وفات کے
بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بقیع کو اس کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو
اس گورِ غریبان مین مدفون ہوئے[4]، آپ نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر
اپنے اہتمام سے دفن کرایا، اور قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت نصب کر کے فرمایا، "اب جو مرے گا
وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا"[5]

اخلاق

حضرت عثمانؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا، شراب سے ایام جاہلیت ہی مین متنفر تھے،
صبر، تحمل اور اسلامی حمیت کے نمونے پہلے گذر چکے ہین، مزاج مین شرم وحیا کا عنصر غالب تھا، ایک
روز بارگاہِ نبوت مین عرض کی "یا رسول اللہ مین اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر عورت دکھانا پسند نہین کرتا"
ارشاد ہوا "کیون؟" عرض کی حیا دامنگیر ہوتی ہے، فرمایا "خدا نے اس کو تمھارے لئے اور تم کو اس کے

[1] بخاری کتاب الجنائز جلد ۱ ص ۱۶۶، [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۷ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۹ [5] ایضاً ص ۲۹۱،

پر فدا ہوں کیا بات ہوئی ؟ ارشاد ہوا تم رات بھر عبادت کرتے ہو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو؟ عرض کی "ہاں" ایسا کرتا ہوں، حکم ہوا، ایسا نہ کرو، تمھاری آنکھ کا، تمھارے جسم کا اور تمھارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے، نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، غرض اس فہمایش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المومنین رضی کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں[۱]

اہل وعیال | حضرت عثمان بن مظعون رضی نے اپنی زوجۂ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیم سے دو لڑکے عبدالرحمن اور سائب یادگار چھوڑے[۲]

حضرت ارقم رضی بن ابی الارقم

نام ونسب | ارقم نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف، ابوالارقم کنیت اور والدہ کا نام امیمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم،

حضرت ارقم رضی کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت و اقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا ابوجندب اسد بن عبداللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربرآوردہ رئیس تھے،

اسلام | حضرت ارقم گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام کلمہ گویوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکین قریش چاہتے تھے کہ اس تحریک کو بارآور ہونے سے پہلے معدوم کردیں، لیکن اسلام فنا ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، حضرت ارقم رضی نے مہبط وحی الہام اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا، حضرت عمر فاروق رضی اسی گھر میں اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم وبیش چالیس آدمی شرف اسلام سے مشرف ہوچکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہوگئی، اس وقت اس حظیرۂ قدس کو چھوڑا[۳]

---

[۱] طبقات ابن سعد جزء ۳ ص ۲۸۷ [۲] ایضاً ق ۱ ص ۲۸۶ [۳] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ و اصابہ تذکرۂ ارقم،

ہجرت | بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا، تو حضرت ارقمؓ بھی دوسرے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت ابو طلحہؓ زید بن سہل سے مواخات ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل سکونت کے لئے بنی زریق کے محلہ میں ایک قطعۂ زمین عطا فرمایا۔[۱]

غزوات | حق و باطل کی اوّل کشمکش یعنی غزوۂ بدر میں شریک کارزار تھے، اس جنگ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی، احد، خندق، خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکوں میں بھی پامردی و شجاعت سے لڑے۔[۲]

عہدہ | زمانۂ رسالت میں تحصیل زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے۔[۳]

وفات | ۸۳ برس کی عمر پاکر ۵۳ھ میں رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ کی نماز پڑھائیں، لیکن وہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام عقیق میں تھے، ان کے آنے میں دیر ہوئی تو مروان بن حکم والی مدینہ نے کہا کہ ایک شخص کے انتظار میں جنازہ کب تک پڑا رہے گا؟ اور چاہا کہ خود بڑھ کر امامت کرے، لیکن عبید اللہ بن ارقمؓ نے اجازت نہ دی اور قبیلۂ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہوگیا، غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثناء میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تشریف لے آئے اور انھوں نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان میں دفن کیا،[۴] انا للہ وانا الیہ راجعون

اخلاق | تقویٰ، تدین، زہد و راستبازی حضرت ارقمؓ کے نمایاں اوصاف تھے، عبادت و شب زندہ داری سے بیحد شوق تھا، ایک دفعہ انھوں نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رخت سفر درست کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے آئے، آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جا رہے ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے "میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! کوئی

[۱] طبقات ابن سعد قسم اجزء ۳ ص ۱۷۲ [۲] اسد الغابہ جلد ا ص ۶۰ [۳] ایضاً [۴] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ۳ ص ۱۷۲

ضرورت نہین ہے، صرف بیت المقدس مین نماز پڑھنا چاہتا ہون؛ ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازون سے بہتر ہے، حضرت ارقمؓ یہ سنتے ہی بیٹھ گئے، اور ارادہ فسخ ہوگیا،[1]

ذریعۂ معاش مختلف جاگیرون کے علاوہ اصلی ذریعۂ معاش تجارت تھی،

مکہ کا تاریخی مکان ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہوگیا تھا، اس لئے انھون نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجعِ زائرین تھا، وقف علی الاولاد کردیا، تاکہ بیع و وراثت کے جھگڑون سے محفوظ رہے،[2]

یہ مکان کوہِ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج مین صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے، وہ ٹھیک اس کے دروازے پر سے ہوکر گذرتے تھے، ۱۴۰ھ مین خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بجنسہ اپنی حالت پر موجود تھا، لیکن اسی سال محمد بن عبداللہ بن حسن نے مدینہ مین خروج کیا، چونکہ حضرت ارقمؓ کے پوتے عبداللہ بن عثمان ان کے معاونین مین تھے، اس لئے منصور نے والیِ مدینہ کو لکھ کر ان کو گرفتار کرایا اور اپنے ایک معتمد خاص شہاب بن عبدرب کو بھیجکر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی، عبداللہ بن عثمان نے پہلے انکار کیا، لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گرانقدر معاوضہ کے طمع نے بیچنے پر راضی کردیا، غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا، رفتہ رفتہ دوسرے شرکاء بھی راضی ہوگئے، لیکن ان کا زرِ معاوضہ اس کے علاوہ تھا،

ابوجعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیزران کو دیدیا جس نے منہدم کرکے نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا، پھر گردشِ ایام نے اس مین گوناگون تغیرات پیدا کئے، اور

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴ [2] ایضاً

اس طرح آغازِ اسلام کی وہ پرعظمت یادگار جو عرصہ تک مطلعِ انوارِ الٰہی و مہبطِ ملائکۂ آسمانی رہی تھی صفحۂ ہستی سے معدوم ہوگئی،[1]

اولاد | حضرت ارقمؓ نے دو لڑکے عبید اللہ، عثمان اور تین لڑکیاں امیہ، مریم اور صفیہ یادگار چھوڑیں،[2]

حضرت مقداد بن عمروؓ

نام، نسب | مقداد نام، ابو الاسود کنیت، عمرو کندی کے لختِ جگر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے،

مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود البہرانی،

حضرت مقدادؓ دراصل بہرا کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی، اس لئے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے، لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے اور اسود بن عبد یغوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کرلیا جس نے محبت سے ان کو اپنا متبنی کرلیا تھا، چنانچہ عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے،[3]

اسلام | وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانون میں آئی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنادیا، یہ وہ پرآشوب زمانہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلمرو شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے اپنی بے بسی و غریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں اپنے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا اعلان کردیا تھا،[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ق ا جز ۳ ص ۱۷۳ و تاریخ یعقوبی [2] ایضاً ص ۱۷۳، [3] اسد الغابہ تذکرۂ مقداد بن عمرو، [4] ایضاً

ہجرت اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گوناگون مظالم کا نشانہ بنا لئے گئے، یہان تک کہ پیمانۂ صبر و تحمل لبریز ہوگیا اور مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے[1]

کچھ دنون کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریان ہورہی تھین، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریون کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے یہان تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے اور کفر و اسلام مین فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ ایک قریشی متجسس دستۂ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ مین مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مٹ بھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونون موقع پاکر مسلمانون سے مل گئے اور مدینہ پہنچکر حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی عدیلہ کے محلہ مین مستقل سکونت کے لئے زمین مرحمت فرمائی، کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کی دعوت پر انھون نے اسی حصہ مین رہنا پسند کیا تھا[3]

غزوات سنہ ۲ھ سے شرک و توحید مین باقاعدہ معرکہ آرائیون کا سلسلہ شروع ہوا، اور مشرکین قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدان بدر کی طرف امنڈ آیا، چونکہ جان نثاران رسول کے لئے یہ اولین آزمائش تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مشورہ طلب کرکے اس قلیل لیکن اولو العزم جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی صداقت شعاری کا جوہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک تقریر مین اپنے خلوص و وفا شعاری کا اظہار کیا، لیکن حضرت مقدادؓ نے جب جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکایک تمام فدائیون کے جذبۂ سرفروشی مین ہیجان پیدا کردیا، انھون نے عرض کی،

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۱۴ [2] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۴

"ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ" تو اور تیرا خدا جا کر لڑے" بلکہ ہم آپ کے داہنے، بائیں، آگے اور پیچھے اپنی جانبازی کے جوہر دکھائیں گے[1] قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جا کر لڑیں گے[2]

اس سادہ لیکن پرجوش اظہار فدویت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش ہوئے کہ فرط انبساط سے چہرۂ مبارک چمک اٹھا[3]

حضرت مقدادؓ تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگ بدر میں صرف یہی یکہ و تنہا شہسوار تھے جو اپنے سبحہ صبا رفتار کو مہمیز کر رہے تھے، محدثین و اصحاب سیر کا عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوۂ بدر کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے[4]

فتح مصر | ۲۰ھ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور حضرت عمرو بن العاصؓ امیر عسکر نے دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جن میں سے ایک حضرت مقدادؓ بھی تھے ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے، چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچتے ہی جنگ کی حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سرزمین فراعنہ فرزندان توحید کا ورثہ بن گئی[5]

وفات | حضرت مقدادؓ عظیم البطن تھے، ایام پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عمل جراحی کیا، جو غلطی سے ناکام رہا، بالآخر وہ خوف و ندامت کے باعث روپوش ہو گیا اور انھوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعی

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر [2] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۵۲ [3] بخاری باب غزوۂ بدر۔
[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۹ [5] مقریزی جلد ۱ ص ۱۶۵

جنت کو لبیک کہا، یہ ۳۳ھ میں خلیفۂ ثالث کا عہد تھا، خود امیر المومنین رضؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور لاش مدینہ لاکر بقیع کے گورِ غریبان میں دفن کیگئی، انھوں نے کم و بیش ستر برس کی عمر پائی، [1]

اخلاق: حضرت مقدادؓ گوناگون محاسنِ اخلاق کے مظہر اتم تھے، انھوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر جس جوش فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے لئے باعثِ رشک تھا، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے "کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا، اور یہ جملے میری زبان سے ادا ہوتے"! حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگِ بدر میں مقداد بن اسودؓ کے ساتھ تھا حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے ہیچ ہے، [2]

سپاہیانہ سادگی، صاف گوئی اور ملنساری کے ساتھ زندلی اور حاضر جوابی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلغمی تن و توش پر طعنہ زن ہو کر کہا "ابو الاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے معاف کر دیا ہے"! برجستہ بولے "نہیں: انفروا خفافا وثقالا کا حکم اس سے منکر ہے"[3]

وہ نہایت صاف گو اور سادہ مزاج تھے، ایک دفعہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ سادگی کے ساتھ بولے "تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو"، حضرت عبد الرحمنؓ اس بیباکی وصاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقدادؓ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربارِ نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا "اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنتِ عم سے بیاہ دوں گا، چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہؓ بنت زبیر بن

---

[1] اصابہ جلد ۶ ص ۴۵۵ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر،

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۱۱۵،

عبدالمطلب ان کے عقدِ نکاح میں آئیں۔[1]

آغازِ اسلام کی عسرت و ناداری نے ان کو حد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا، تو یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو اور میرے دونوں ساتھیوں کو اپنے میزبان کلثوم بن ہدمؓ کے گھر میں جگہ دی، آپکے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں جن کے دودھ پر ہم لوگوں کا گذارا تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی، اور آپ آسودہ ہو کر تشریف لائیں گے، اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا تو بڑی ندامت ہوگی، غرض میں اسی تش و پنج میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے، دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی، خصوصاً جب کہ آپنے کچھ کہنے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف و ہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی، لیکن آپنے فرمایا اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی، یعنی "خدایا جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اس کو سیراب کر"، اس دعا سے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے، لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا، غرض کافی مقدار میں دوھکر خدمت بابرکت میں پیش کیا، آپنے پوچھا "کیا تم لوگ پی چکے ہو؟" عرض کی "یا رسول اللہ! آپ پہلے نوش فرمالیں تو پھر مفصل واقعہ عرض کروں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب سیر ہو کر نوش

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۴۵۴

فرمایا تو مجھے اپنی گذشتہ غلطی و ندامت پر بے اختیار ہنسی آگئی، آپ نے پوچھا، ابوالاسود! یہ کیا ہے؟ مین نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا "یہ خدا کی رحمت تھی تم نے اپنے دونون ساتھیون کو کیون بیدار نہ کردیا کہ وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے"۔[1]

خوشامدانہ مداحی سے سخت متنفر تھے، ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے دربار مین چند آدمیون نے ان کے روبرو تعریف و توصیف شروع کی، حضرت مقدادؓ اس تملق اور چاپلوسی پر اس قدر برہم ہوئے کہ ان کے منہ پر خاک ڈالنے لگے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، مقداد! یہ کیا ہے؟ بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیون کے منہ مین خاک بھردو"۔[2]

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آکر کہا، مبارک ہین آپ کی آنکھین جنھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، کاش! مین بھی اس زمانہ مین ہوتا! حضرت مقدادؓ ان پر سخت برہم ہوئے، لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی؟ بولے "حاضر کو چھوڑ کر غائب کی تمنا عبث ہے، جن لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے ان مین بہت سے ایسے ہین جن کو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم داخل کردیا، اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ مین ہوتا؟ تم لوگون کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ بغیر امتحان و آزمائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے مستفیض ہوئے"۔[3]

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے مین نہایت محتاط تھے، فرمایا کرتے تھے کہ مین صرف نتائج پر نظر رکھتا ہون خصوصاً جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے"۔[4]

جاگیر و ذریعۂ معاش | تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیبر مین جاگیر

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴ [2] ایضاً جلد ۶ ص ۵ [3] ایضاً [4] ایضاً

بھی مرحمت فرمائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت مین ان کے ورثہ سے ایک لاکھ درہم مین خرید لیا تھا[1]

حلیہ | حضرت مقدادؓ طویل القامت، عظیم البطن و فربہ اندام تھے، سر کے بال گھنے ابرو پیوستہ اور ڈاڑھی نہایت موزون و خوبصورت تھی[2]

اولاد | حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی[3]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ

نام، نسب | عبدالرحمٰن نام، ابوعبداللہ کنیت، خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے، والدہ کا نام ام رمان تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور یہ دونون حقیقی بھائی بہن تھے،

ابتدائی حالات | حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدا ہی مین حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ اس سے مستثنیٰ تھے، وہ ۶ھ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوۂ بدر مین مشرکینِ قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ مین انھون نے آگے بڑھ کر "ھل من مبارز" کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھون مین خون اتر آیا، انھون نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت نہ دی[4]

غزوۂ احد مین بھی وہ مشرکینِ مکہ کے ساتھ تھے،

اسلام | حضرت عبدالرحمٰنؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچکر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نجی کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے، اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ و غضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اجزء ۳ ص ۱۱۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۴،

شب کے وقت چند اصحابِ صفہ حضرت ابوبکرؓ کے یہان مہمان تھے، انھون نے حضرت عبدالرحمنؓ کو ہدایت فرمائی کہ "مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین جاتا ہون تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہوجانا"، حضرت عبدالرحمنؓ نے حسبِ ہدایت وقت پر مہمانون کے سامنے ماحضر پیش کیا لیکن انھون نے صاحبِ خانہ کی غیر موجودگی مین کھانے سے انکار کردیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کرکے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہین، حضرت عبدالرحمنؓ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا، "خدا کی قسم! اس کو کھانے مین شریک نہین کرون گا"، حضرت عبدالرحمنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ مین چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کرکے سامنے آئے اور بولے "آپ مہمانون سے پوچھ لیجئے کہ مین نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا"، انھون نے تصدیق کی اور کہا "واللہ! جب تک آپ عبدالرحمن کو نہ کھلائین گے ہم لوگ بھی نہ کھائین گے"، غرض اس طرح ان کا غصہ فرو ہوا اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہین کہ اس روز کھانے مین اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے، لیکن وہ کسی طرح ختم نہین ہوتا تھا، یہان تک کہ مین اس مین سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بھی لے کر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا،[1]

غزوات حضرت عبدالرحمنؓ فطرۃً نہایت شجاع وبہادر تھے خصوصاً تیراندازی مین کمال رکھتے تھے، واقعۂ حدیبیہ کے بعد عہدِ نبوت مین جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان مین سے اکثر مین جانبازی وپامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے،

جنگ یمامہ یمامہ کی خونریز جنگ مین حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنی قادراندازی کا غیر معمولی کمال

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۶،

دکھایا، انھون نے اس جنگ مین غنیم کے سات بڑے بڑے جانباز افسرون کو نشانہ بنا کر واصل جہنم کیا،

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوگئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا حضرت عبدالرحمن رض نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک ایسا تیر مارا کہ وہین تڑپ کر ڈھیر ہوگیا، اور مسلمان اس کے ساتھیون کو ریلتے ہوئے اندر گھس گئے،[۱]

یزید کی بیعت سے انکار

امیر معاویہ رض نے یزید کی جانشینی کے لئے اپنی زندگی ہی مین کوشش شروع کردی تھی، ایک دفعہ ان کی ایماء سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبوی مین لوگون کو جمع کرکے یزید کے لئے بیعت لینا چاہا، اس وقت جن لوگون نے اس کی مخالفت مین صدا بلند کی ان مین ایک حضرت عبدالرحمن رض بھی تھے، انھون نے مروان سے غضب آلود لہجہ مین کہا، "کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنادینا چاہتے ہو" مروان نے برہم ہوکر کہا "صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن مین آیا ہے "والذی قال لوالدیہ اف لکما" (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے قرآن مین ان کی مذمت کی ہے) ام المومنین حضرت عائشہ رض اپنے حجرہ سے یہ گفتگو سن رہی تھین، وہ غضبناک ہوکر بے اختیار بول اٹھین "نہین! واللہ نہین!! عبدالرحمن کے متعلق نہین ہے، اگر چاہو تو مین اس کا نام لے سکتی ہون جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی"،[۲]

امیر معاویہ رض کو حضرت عبدالرحمن رض کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انھون نے ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے پاس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیجدیئے، لیکن حضرت عبدالرحمن رض نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کردیا اور فرمایا، "واللہ! مین دین کو دنیا کے عوض فروخت

[۱] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۰، [۲] اسد الغابہ جلد ۳، یہ واقعہ بخاری مین بھی مذکور ہے،

نہین کرسکتا[1]

وفات | حضرت عبدالرحمن رضؓ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے، اور شہر سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر حبشی، نام ایک مکان مین اقامت پذیر ہوئے، یہان تک کہ ۵۳ھ مین ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشۂ عزلت مین واصل بحق ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے کہ پھر نہ اٹھے، حضرت عائشہؓ کے دل مین اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دیکر مار ڈالا لیکن کچھ دنون کے بعد ایک عورت حضرت عائشہؓ کے گھر آئی، بظاہر توانا و تندرست تھی، ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اٹھایا، اس واقعہ کے بعد سے ان کا شک جاتا رہا[2]

ام المومنین حضرت عائشہؓ کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئین اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئین، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے،

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ — من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکا — لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولین، خدا! اگر مین تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی، تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہان تم نے وفات پائی تھی[3]،،

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ

نام، نسب | حاطب نام، ابو محمد یا ابو عبداللہ کنیت اور والدہ کا نام ابو بلتعہ تھا، سلسلۂ نسب مین

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۵ [2] مستدرک جلد ۳ ص ۴۷۶ [3] ایضاً،

اختلاف ہے، بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہین اور بعض بنو لخم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہین جو ایام جاہلیت مین قبیلۂ بنو اسد کے حلیف تھے، تاہم اصحاب سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا، مکہ مین غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے[1]،

قبل از اسلام | ایام جاہلیت مین شاعری و شہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے[2]،

اسلام | قبل از ہجرت ایمان لائے اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعدؓ کے ساتھ وارد یثرب ہوئے، یہان حضرت منذر بن محمد انصاریؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا، اور حضرت خالد بن رخیلہؓ سے مواخات ہوئی[3]،

غزوات | غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام مشہور معرکون مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے[4]،

دربار مصر مین تبلیغ اسلام | غزوۂ حدیبیہ سے واپس آکر ۶ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا، رقعۂ دعوت کا مضمون یہ تھا،

امابعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام	مین تم کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہون،
اسلم تسلم و اسلم یوتك اللہ اجرك	اسلام قبول کرو گے تم محفوظ رہو گے اور خدا
مرتین فان تولیت فان علیك اثم	تم کو دونا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر روگردانی
اھل القبط یا اھل الکتاب تعالوا	کرو گے تو تمام قبطیون کا گناہ تم پر عائد ہوگا،
الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا	اے اہل کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو
نعبد الا اللہ ولا نشرك به شیئًا	ہم مین اور تم مین باہم مساوی ہے، یعنی ہم لوگ
ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من	صرف ایک خدا کی پرستش کرین، کسی چیز کو
دون اللہ،،[5]	اس کا شریک نہ بنائین اور ہم مین سے بعض

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حاطب بن ابی بلتعہ [2] اصابہ جلد ۱ ص ۳۰۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۷۷ [4] ایضاً [5] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۰

اپنے بعض کو خدا کے آگے پروردگار نہ بنائے،

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مصر پہنچکر مقوقس کے دربار مین نامۂ مبارک پیش فرمایا اور حسب ذیل مکالمہ سے اس کو اسلام کی ترغیب دی،

حضرت حاطبؓ۔ تم سے پہلے یہان ایک ایسا فرمان روا گذرا ہے جو بزعم خود اپنے آپ کو خدا سے برتر سمجھتا تھا، لیکن حق سبحانہ نے اس کو دنیا و آخرت کے عذاب مین گرفتار کر کے عبرتناک انتقام لیا، تم کو غیرون سے عبرت حاصل کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ تم خود مرقع عبرت بنجاؤ،

مقوقس:- ہم ایک مذہب کے پابند ہین جس کو اس وقت تک نہین چھوڑ سکتے جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہو جائے،

حضرت حاطبؓ:- ہم تم کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے ہین جو تمام مذاہب مین سب سے زیادہ مکمل ہے، اس نبی نے جب لوگون کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی، اس طرح یہودیون نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی، لیکن نصاریٰ نسبتہً قریب تر تھے، قسم ہے کہ موسیٰ نے جس طرح عیسیٰ کی بشارت دی، اسی طرح عیسیٰ نے محمد کی بشارت دی ہے، اور جس طرح تم یہودیون کو انجیل کی طرف بلاتے ہو، اسی طرح ہم تم کو قرآن کی دعوت دیتے ہین، انبیاءؑ کے زمانۂ بعثت مین جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی امت ہوتی ہے اور اس پر ان کی اطاعت فرض ہے، چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے، اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، ہم تم کو دینِ مسیحؑ سے پھیرتے نہین، بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہین[1]،

مقوقس:- کیا درحقیقت محمد نبی ہین؟

حضرت حاطبؓ:- کیون نہین!

---

[1] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۷،

مقوقس: قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکال دیا، تو انھون نے بد دعا کیون نہ کی؟

حضرت حاطب رضؓ: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم رسولِ خدا ہین؟ اگر ایسا ہے تو انھون نے صلیب پر کیون نہین اپنی قوم کے لئے بد دعا فرمائی؟

اس دلنشین جواب پر مقوقس نے بے اختیار صدائے تحسین وآفرین بلند کی اور بولا بیشک تم حکیم ہو اور ایک حکیم کی طرف سے آئے ہو، مین نے جہان تک غور کیا ہے، یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہین دیتا اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے، مین اس کو نہ تو گمراہ جادوگر کہہ سکتا ہون، اور نہ جھوٹا کاہن، اس مین نبوت کی بہت سی نشانیان ہین، مین عنقریب اس پر غور کرون گا، اس کے بعد اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر ہاتھی دانت کے ایک ڈبہ مین بند کیا، اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیز کی حفاظت مین دیا،

مقوقس نے حضرت حاطب رضؓ کو نہایت عزت واحترام سے رخصت کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گرانقدر تحائف ساتھ کر دیئے جن مین ماریہ وسیرین دو لونڈیان، دلدل نام ایک خچر اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے،[1][2]

غزوۂ فتح — ۸ھ مین فتحِ مکہ کی تیاریان ہوئین اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لئے تمام احتیاطی تدبیرین عمل مین لائی گئین، حضرت حاطب رضؓ گو مکہ کے رہنے والے نہ تھے، تاہم ایام جاہلیت مین قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احباب قدیم کی مواسات پر برانگیختہ کیا، انھون نے ان تیاریون کے متعلق خط لکھ کر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرف روانہ فرمایا لیکن کشافِ غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت ازبام کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ حضرت زبیر رضؓ اور حضرت مقداد رضؓ کو حکم دیا کہ روضۂ خاخ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائین

[1] اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ [2] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۷،

غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھا گیا تو آپ نے تعجب سے فرمایا، "حاطب! یہ کیا ہے؟" عرض کی یا رسول اللہ میرے معاملہ مین عجلت نہ فرمایئے، مین قریشی نہین ہون تاہم ایام جاہلیت مین اُن سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے، چونکہ تمام مہاجرین اپنے مکی اعزہ و اقارب کی حمایت و مساعدت کرتے رہتے ہین، اس لئے مین نے بھی چاہا کہ اگر نسبی تعلق نہین ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کر دون جو قریش میرے رشتہ دارون کے ساتھ مرعی رکھتے ہین، مین نے یہ کام مذہب سے مرتد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہین کیا ہے"[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی، اس نے ظاہر کر دی، اس لئے اس کو کوئی برا نہ کہے، حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ خدا اور رسول اور مسلمانون کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دون!" ارشاد ہوا "کیا وہ معرکۂ بدر مین شریک نہ تھا؟ خدا نے تمام اہلِ بدر کو اجازت دیدی ہے کہ تم جو چاہو کرو، تمھارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے،" رحمۃ للعالمینؐ کی اس شانِ درگذر پر حضرت عمرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے[۲]

اسی واقعہ کے بعد اعدائے اسلام سے الفت و مودت کی ممانعت کی گئی اور قرآن پاک مین یہ آیت نازل ہوئی،[۳]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ	اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے ہو میرے دشمن
وَعَدُوَّكُمۡ اَوۡلِيَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَيۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ	اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی
وَقَدۡ كَفَرُوۡا بِمَا جَآءَكُمۡ مِّنَ الۡحَـقِّ	طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمھارے
(ممتحنہ ع ۱)	پاس جو (مذہب) حق آیا ہے اس کا انھون

[۱] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [۲] بخاری باب فضل من شہد بدرا [۳] بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الممتحنہ

نے انکار کیا ہے،

مصر کی سفارت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۂ اوّل نے ان کو دوبارہ مقوقس کے دربار مین بھیجکر ان کی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاصؓ کے حملۂ مصر تک طرفین کا معمول بہ تھا[1]

وفات | ۶۵ برس کی عمر پاکر ۳۰ھ مین رہ گزین عالم جاودان ہوئے، حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور مسلمانون کے ایک بڑے مجمع نے سپرد خاک کیا،[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

اخلاق | وفا شعاری، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہین، احباب اور رشتہ دارون کا بیحد خیال رکھتے تھے، فتح مکہ کے موقع مین انھون نے مشرکین کو جو خط لکھا وہ درحقیقت ان ہی جذبات پر مبنی تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی نیتِ خیر و صاف دلی کو ملحوظ رکھکر ان سے درگذر فرمایا،

مزاج مین ذرا سختی تھی، چنانچہ وہ اپنے غلامون کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء وقتًا ان کی اصلاح کرکے دباتے تھے، ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے دربارِ نبوت مین تشدد کی شکایت پیش کرکے کہا "یا رسول اللہ! حاطب یقینًا جہنم مین جائے گا" ارشاد ہوا "تو جھوٹ کہتا ہے، جو شخص بدر و حدیبیہ مین شریک ہوا ہے وہ جہنم مین نہین جا سکتا،[3]

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت مین بھی بارہا غلامون کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتین سنی گئین، ایک دفعہ ان کے غلام نے قبیلۂ مزینہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کر دیا تو انھون نے

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵ [2] ایضًا [3] ایضًا،

اس کی پاداش مین نہایت سخت سزا مقرر کی، یہان تک کہ خود خلیفۂ وقت نے ان کو بلا کر کہا "معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلامون کو بھوکا رکھتے ہو" اور تنبیہ وتادیب کے خیال سے ان کے معاوضہ مین دوچند قیمت پیش کی، [1]

ذریعۂ معاش | تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، انھون نے کھانے کی ایک دکان (رسٹورانٹ) سے نہایت کثیر نفع حاصل کیا، چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے، [2]

علیہ | یہ تھا، موزون اندام، چہرہ خوبصورت، انگلیان موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا، [3]

حضرت عبداللہ بن سہیل رضؓ

نام، نسب | عبداللہ نام، ابوسہیل کنیت، والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل ابن عامر بن لوی،

اسلام | مکہ مین ایمان لائے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت مین شریک ہوئے، [4]

حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی، بالآخر حضرت عبداللہؓ ان جفاکاریون سے تنگ آکر جمال توحید کو شرک کے پردہ مین چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہان تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگان توحید کے دائرہ سے باطل پرستون کے حلقہ مین پھر واپس آ گئے اور غزوۂ بدر مین شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انھین کیا خبر تھی کہ جو دل نور ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے وہ کبھی تاریک نہین ہو سکتا؟ غرض میدان بدر مین جب حق وباطل کے فدائی

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۱ [2] طبقات ابن سعد قسم ۱ جزو ۳ ص ۸۰ [3] ایضاً [4] استیعاب جلد ۱ ص ۳۹۳،

ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبد اللہ رضؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغازِ جنگ سے پہلے لوائے توحید کے نیچے آکھڑے ہوئے،

غزوات

اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوانِ ملت کی پشت پناہی اور ہادیِ دین کے سایۂ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے، یہان تک کہ مسلمانون کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔[1]

غزوۂ بدر کے علاوہ تمام مشہور معرکون مین جانبازی و پامردی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، مکہ فتح ہوا تو انھون نے دربارِ نبوت مین اپنے والد کے لئے امان طلب کی، آپ نے امان دیکر حاضرین سے فرمایا "سہیل بن عمرو کو کوئی نگاہِ حقارت سے نہ دیکھے، قسم ہے کہ وہ نہایت ذی عزت و دانشمند ہے، ایسا شخص محاسنِ اسلام سے ناواقف نہین ہو سکتا، اور اب تو اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس مین کوئی منفعت نہین"، حضرت عبد اللہ رضؓ نے اپنے والد کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہو گیا، بولے "خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند و نیکوکار ہے"[2]

شہادت

حضرت عبد اللہ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۲ھ یمامہ کی جنگ مین شہید ہوئے[3] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

حضرت ابوبکرؓ حج کے لئے مکہ آئے تو ان کے والد سہیل کے پاس تعزیت کے لئے گئے، صابر و شاکر باپ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفاعت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۹۵ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۳۹۵ [3] ایضاً

کرے گا، مجھ کو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھ کو فراموش نہ کرے گا۔[1]

حضرت عتبہ بن غزوان رضؓ

نام، نسب عتبہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، غزوان بن جابر کے لخت جگر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہب بن نسیب بن زید بن مالک بن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر، ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا۔[2]

اسلام حضرت عتبہؓ ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا،[3] چنانچہ ایک دفعہ انھوں نے تنہائے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ سابقینِ اسلام میں ان کا ساتواں نمبر ہے۔[4] لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرامؓ کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا،

ہجرت کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک مکہ میں موجود تھے۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام میں باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقدادؓ ایک قریشی متجسس دستۂ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدینِ اسلام کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پاکر مسلمانوں

۱؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۹۶ ۲؎ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ ۳؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۰

۴؎ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ ۵؎ ایضاً

سے مل گئے،[1] اور مدینہ پہنچکر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضؓ کے مہمان ہوئے، یہان حضرت عتبہ رضؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاری رضؓ مین باہم مواخات ہوئی،[2]

غزوات | تیر اندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملین فن مین تھا،[3] بدر، احد اور ان تمام معرکون مین جنمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس حصہ لیا، شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے،[4]

سنہ ۱۴ھ مین خلیفۂ دوم رضؓ نے ان کو بندرگاہ ابلہ میسان اور اس کے ملحقہ مقامات کی فتح پر مامور فرمایا، فرمان کے الفاظ یہ تھے،

"خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کر کے عرب کے انتہائی حدود اور مملکت عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیون کو لے کر روانہ ہو جاؤ، جہان تک ممکن ہو تقوی کو اپنا شعار بناؤ، اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین مین جا رہے ہو، مجھے امید ہے کہ خدا تمھاری مدد فرمائے گا، مین نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کو بھیجکر تمھاری مدد کرین، وہ دشمن کے مقابلہ مین ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحب تدبیر شخص ہین، تم ان کا اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو، جو قبول کرے اس کو پناہ دو اور جو اس سے انکار کرے وہ محکومانہ عاجزی کے ساتھ جزیہ دے، ورنہ تلوار سے فیصلہ کرو، راہ مین جن عربی قبائل سے گذرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر برانگیختہ کرو اور ہر حال مین خدا سے ڈرتے رہو،"[5]

حضرت عتبہ رضؓ نے حسب فرمان اس مہم کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، یعنی دریائے دجلہ کا تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ، ابرقباذ اور میسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا، اسلام کا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۹ [3] مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۰، [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴، [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

زیر نگین کر دیا[1]

تعمیر بصرہ | اسی سال ان کو بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان وفارس کے جہازات لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا، حضرت عتبہؓ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کفدست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی، ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک محلہ مخصوص کر دیا[2] اور حضرت محجن بن الادرعؓ کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا، عمارتیں اولاً گھانس پھوس سے چھائی گئی تھیں، چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بانس اور پھوس سے بنائی گئی تھی[3]

ولایت | حضرت عتبہؓ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائضِ منصبی انجام دیتے رہے،[4] لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کر دیا، ۱۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعودؓ کو جانشین بنا کر فرات کی طرف جنگشی کا حکم دیدیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو امامت کی خدمت سپرد کر کے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے، یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ موجود تھے، ان کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی[5]

وفات | حضرت عتبہؓ دل سے کنارہ کشی کے متمنی تھے، خلیفۂ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر بصرہ کی طرف رہ نورد ہوئے، تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی "خدایا تو مجھے بصرہ نہ پہنچا"، دعا مقبول ہوئی، اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا،[6] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

اخلاق | ان کا چمنِ اخلاق گلہائے رنگا رنگ سے آراستہ ہے، تقویٰ، زہد، جفاکشی اور خاکساری

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۳ [2] فتوح البلدان بلاذری ذکر تعمیر البصرہ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۶۹ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [6] ایضاً،

اس باغ کے سب سے خوش آیند پھول ہین، فرماتے ہین کہ مین نے اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک کہا تھا جب کہ صرف چھ آدمیون کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی، اور عسرت و ناداری کے باعث درخت کے پتون پر گذارہ کرنا پڑتا تھا جس سے آنتون مین زخم پڑ جاتے تھے[1]

زہد و بے نیازی نے منصبِ امارت جیسے پر فخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا، تکبر و غرور سے قطعی نفرت تھی، فرمایا کرتے تھے در مین خدا سے پناہ مانگتا ہون کہ لوگون کی نظرون مین حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھون[1] انھون نے بصرہ کی جامع مسجد مین ایک خطبہ دیا تھا، یہان اس کے چند فقرے نقل کئے جاتے ہین، ان سے ان کے خوفِ قیامت، زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا،

"صاحبو! دنیا رفتنی و گذشتنی ہے، اس کا بڑا حصہ گذر چکا ہے اور اب صرف ریزش باقی ہے، جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینک دینے کے بعد آخر مین کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے، ہان ہان تم یقیناً اس دنیا سے ایک جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہین تو پھر کیون نہین بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے لڑھکا یا جائے تو ستر برس مین بھی وہ اس کی گہرائی کو طے نہین کر سکتا، لیکن خدا کی قسم تم اس کو بھر دوگے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم مجھ سے بیان کیا گیا ہے، کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہون گے کہ چالیس سال مین اس کی مسافت طے ہو سکتی ہے، لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا، جب کہ ان پر سخت اژدحام ہوگا،

مین جب ایمان لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے، عسرت و ناداری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتون پر گذارہ تھا جس سے آنتون مین زخم پڑ جاتے تھے، مجھے ایک دفعہ ایک چادر مل گئی جس کو چاک کر کے مین نے اور سعد نے تہ بند بنایا لیکن ایک دن

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۴، ۵ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۹۵،

وہ بھی آیا جب ہم مین سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، مین خدا سے پناہ مانگتا ہون کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھون، نبوت ختم ہو چکی ہے، انجام کار بادشاہت قائم ہو گی اور تم عنقریب ہمارے بعد امیرون کو آزماؤ گے[1]،

حلیہ | یہ تھا قد طویل، مجموعی حیثیت سے حسین و خوبرو[2]،

حضرت عامر بن فہیرہ رضہ

نام، نسب | عامر نام، ابو عمرو کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، یہ طفیل بن عبد اللہ کے غلام تھے جو حضرت عائشہ رضہ کے اخیافی بھائی اور قبیلۂ ازد کے ایک ممبر تھے[3]،

اسلام | حضرت عامر رضہ نے ابتدا ہی مین دعوتِ توحید کو آویزۂ گوش و ہوش بنایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم رضہ کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے، غلامانہ بیکسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃً اُن کو سخت سے سخت مصائب مین مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتین پہنچائی گئین، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہان تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ کے دستِ کرم نے قیدِ غلامی سے نجات دلائی[4]،

ہجرت | ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضہ غارِ ثور مین پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہ رضہ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن بھر مکہ کی چراگاہ مین حضرت ابو بکر رضہ کی بکریان چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے، یہان ان کا دودھ دوھ کر استعمال کیا جاتا، صبح کے وقت حضرت عبد اللہ بن ابی بکر رضہ جو عموماً شب کے وقت حاضر ہو کر مکہ کی سرگذشت سنایا کرتے تھے

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۴۴، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۹ [3] کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع و نحرہ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۹۱

واپس جاتے تو بکریوں کو ان کے نشانِ قدم پر لے چلتے کہ مشرکین کو کچھ شبہہ نہ ہو[۱] غرض جب یہ قافلہ

غزوات

غار ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا، مدینہ پہنچکر وہ حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے، اور حضرت حارث بن اوسؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے[۲]،

ابتداءً مدینہ کی آب و ہوا جن لوگوں کو راس نہ آئی ان میں سے ایک حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، یہ اس قدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہو گئی، شدتِ بحران کے وقت یہ اشعار ورد زبان ہوتے تھے[۳]،

انی وجدت الموت قبل ذوقه	ان الجبان حتفه من فوقه
مین نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا	بیشک بزدل کی موت اوپر ہی سے ہے
کل امرء مجاهد بطوقه	کالثور یحمی انفه بروقه
ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے	جسطرح بیل اپنی ناک کو سینگ سے محفوظ رکھتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مہاجرین کرامؓ کی علالت کی خبر ملی تو آپنے دعا فرمائی کہ اے خدا تو مدینہ کو مکہ طرح یا اُس سے بھی زیادہ ہمارے لئے پسندیدہ بنا اور اس کو بیماریوں سے پاک کر، دعا مقبول ہوئی اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے،

غزوہ بدر و احد مین شریک تھے، ۴ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قاریوں کی ایک جماعت کو مشرکین بیر معونہ کی تبلیغ و تلقین پر مامور فرمایا، حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی اس مین شامل تھے، قبائلِ رعل و ذکوان وغیرہ نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا، صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ زندہ گرفتار ہوئے، عامر بن طفیل نے ان سے ایک لاش کی طرف اشارہ

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲ [۳] اصابہ تذکرہ عامر بن فہیرہؓ [۴] بخاری باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ،

کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بولے "عامر بن فہیرہؓ"، اس نے کہا کہ میں نے ان کو مقتول ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھالئے گئے، یہان تک کہ آسمان وزمین کے درمیان بالکل معلق نظر آئے، پھر زمین پر رکھدیئے گئے،[1]

تعجب انگیز شہادت حضرت عامر بن فہیرہؓ کے سینہ سے جس وقت جبار بن سلمی کا نیزہ پار ہوا تو بیساختہ ان کی زبان سے نکلا، خدا کی قسم مین کامیاب ہوگیا، لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی، ملائکہ نے تجہیز وتکفین کی، اور روح اقدس کے لئے اعلیٰ علیین کے دروازے کھولدیئے گئے، جبار بن سلمی کو اس کرشمۂ قدرت نے سخت متعجب کیا اور وہ متاثر ہوکر شرف بہ اسلام ہوئے،[2]

اخلاق حضرت عامر بن فہیرہؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گوسیاہ فام حبشی تھے، ذاتی وجاہت کا یہ حال تھا کہ ۴۰ سالہ زندگی کا بڑا حصہ ستم پیشہ آقاؤن کی غلامی مین بسر ہوا، لیکن فطری جوہر اخلاق ان ظاہر فریب آرایشون کا محتاج نہین، وہ حلۂ شہی وخرقۂ گدائی مین یکسان اپنی چمک دکھاتا ہے انھون نے گوناگون مصائب ومظالم کے مقابلہ مین جس طرح استقلال و استقامت کا اظہار فرمایا وہ یقیناً ان کے دستارِ فضل کا ایک نہایت خوشنما طرہ ہے،

رازداری کا یہ حال ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نازک سے نازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا، شوقِ شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، چنانچہ غزوۂ بیر معونہ مین جب برچھی جگر سے پار ہوگئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا، فزت واللہ، یعنی خدا کی قسم مین کامیاب ہوگیا،[3]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع،

[2] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی ص ۳۷،

[3] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی ص ۳۷،

حضرت ابو سلمہ رضؓ بن عبد الاسد

نام، نسب — عبد اللہ نام، ابو سلمہ کنیت، والد کا نام عبد الاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبد المطلب تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومی[1]

ان کی والدہ حضرت برہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھین اس لحاظ سے وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی نیز بروایت صحیحین رضاعی بھائی تھے،

اسلام — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین ہونے سے پہلے حلقۂ مومنین مین داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے[2]

ہجرت — حضرت ابو سلمہؓ سرزمین حبش کی دونون ہجرتون مین شریک تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ بھی رفیقِ سفر تھین، پھر حبش سے واپس آکر عازمِ مدینہ ہوئے، بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے جو واردِ یثرب ہوئے، لیکن دوسری روایت مین اولیت کا سہرا حضرات مصعب بن عمیرؓ کے سر باندھا گیا ہے، علامہ ابن حجر ان دونون مین تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہین "(حضرت) ابو سلمہؓ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدفِ اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے (حضرت) مصعب بن عمیرؓ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہوچکا تھا، اس لئے ان دونون روایتون

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۱ [2] ایضاً،

ین باہم تخالف نہین ہے[1] بہرحال حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، یہ محرم کی دسوین تاریخ تھی، خاندان عمرو بن عوف نے ان کو کامل دو ماہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا[2]

مواخات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خیثمہؓ انصاری سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا،[3]

غزوات | غزوۂ بدر و احد مین سرگرم پیکار تھے، معرکۂ احد مین ابو اسامہ جشمی کے ایک تیر نے ان کا بازو زخمی کردیا جو کامل ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہوگیا، لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا رہا،[4] اسی اثنا مین وہ سریۂ قطن پر مامور ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے،

سریۂ قطن | فید کے اطراف مین قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا مسکن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ طلیحہ اور اسد بن خویلد یہان اپنی قوم اور دوسرے زیر اثر قبائل کو جنگ کے لئے ابھار رہے ہین، اس بنا پر اوائل محرم ۴ھ مین حضرت ابوسلمہؓ کے زیر سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس مین مہاجرین و انصار دونون شریک تھے قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہؓ کو علم دے کر فرمایا، "روانہ ہوجاؤ یہان تک کہ بنو اسد کی سرزمین مین پہنچکر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے پہلے ان کا شیرازہ منتشر کردو"

حضرت ابوسلمہؓ غیر معروف راستہ سے یلغار کرتے ہوئے، یکایک بنو اسد پر جا پڑے، وہ اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے تو انھون نے اپنی جماعت کو تین دستون پر منقسم کرکے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا، چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھگاکر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۱، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۱، [3] ایضاً [4] ایضاً،

بھیڑ بکریان چھین لائے جن کو حضرت ابو سلمہؓ نے مدینہ پہنچکر بطور مالِ غنیمت دربارِ نبوت مین پیش کیا[1]

وفات حضرت ابو سلمہؓ اس مہم سے واپس آئے تو زخم پھر عود کر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳ر جمادی الآخر سنہ ۴ھ مین واصل بحق ہوئے، اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عین عالتِ نزع مین عیادت کے لئے تشریف لائے تھے، روح دیدارِ جمال کی منتظر تھی، ادھر آپ تشریف لائے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا آپنے دست مبارک سے ان کی دونون آنکھین بند کر کے فرمایا، انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھین اس کے دیکھنے کے لئے کھلی رہجاتی ہین[2]

ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتین مصروفِ ماتم تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعاے خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکہ آسمانی جو میت کے پاس موجود ہوتے ہین وہ دعا، گویون کی دعا پر آمین کہتے ہین، پھر خود اس طرح دست بدعا ہوئے "خدایا! اس کی قبر کو کشادہ و روشن کر، اُس کو پرنور بنا، اس کے گناہون کو بخشدے اور ہدایت یاب جماعت مین اُس کا درجہ بلند فرما"[3]

تجہیز و تکفین حضرت ابو سلمہؓ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ مین وفات پائی کیونکہ وہ قبا سے منتقل ہوئے تو یہین آکر سکونت پذیر ہوئے تھے، بنی امیہ بن زید کے کنوئین یسیرہ[4] کے پانی نے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن مین چھپایا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ،

فضائل و محاسن حضرت ابو سلمہؓ کا پایۂ فضل و کمال نہایت بلند ہے، وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے[5]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہین کہ ایک روز ابو سلمہ دربارِ نبوت سے خوش خوش گھر واپس آئے[6]

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریۂ ابو سلمہ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۷۲، [3] ایضاً، [4] ایام جاہلیت مین یہ کنوان بئر عبیر کے نام سے مشہور تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بدل کر بئر یسیرہ نام رکھا، ایضاً ص ۱۷۲ [5] ایضاً ص ۱۷۱ [6] اسد الغابہ تذکرۂ ابو سلمہ،

اور کہنے لگے کہ آج مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد نے بیحد محظوظ کیا، آپ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کی طرف رجوع کر کے کہتا ہے "اے خدا! اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما"، تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے، چنانچہ ابو سلمہؓ کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے خدا کی طرف رجوع کر کے کہا "اے خدا! میری مدد کر اور تلافی بالخیر فرما"، لیکن پھر یہ خیال گذرا کہ میرے لئے ابو سلمہؓ کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے؟ عدت گذرنے کے بعد جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا نے تلافی بالخیر کی صورت پیدا کر دی،[1]

اولاد حضرت ابو سلمہؓ نے دو لڑکے سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں زینب اور درہ یادگار چھوڑیں، ان کی تمام اولاد حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ سے ہوئی تھی جو ان کے بعد امہات المومنین رض میں داخل کی گئیں،[2]

حضرت عبداللہ بن حجشؓ

نام، نسب عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام حجش اور والدہ کا نام امیمہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن حجش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی،

حضرت عبداللہؓ کی والدہ امیمہ عبد المطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلۂ بنی عبد شمس کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حرب بن امیہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷۰،

اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا،[1]

اسلام | حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ابتدا ہی مین داعیِ اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے،[2]

ہجرت | مشرکین قریش کے دستِ تظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انھون نے دو دفعہ سرزمینِ حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخری سفر مین تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد، عبیداللہ اور بہنین زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبیداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھین، عبیداللہ نے حبش مین نصرانیت اختیار کر لی اور وہین پیوندِ خاک ہوا، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہان سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبرون کو جو سب کے سب دائرۂ اسلام مین داخل ہوگئے تھے ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، انھون نے اپنے رشتہ دارون سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ محلہ کا محلہ بے رونق ہوگیا، اور بہت سے مکانات مقفل ہوگئے،[3]

مدینہ مین حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاریؓ نے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا مہمان بنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونون مین بھائی چارہ کرا دیا تھا،[4]

غزوات | ماہ رجب ۲ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور سر بمہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھین اور اس کی ہدایتون کو اپنا طرزِ عمل بنائین، حضرت عبداللہؓ نے حسب ارشاد دو منزلون کے بعد کھول کر پڑھا، اس مین حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہان پہنچکر قریش کی نقل و حرکت اور دوسرے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲ و ۶۳، [4] ایضاً ص ۶۲

ضروری حالات کا پتہ چلائین، انھون نے نہایت ادب کے ساتھ اس حکم پر سمعاً وطاعۃً کہا اور اپنے ساتھیون سے مخاطب ہو کر بولے "صاحبو مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو پورا کر کے رہون گا، تم لوگون مین سے جو شہادت کا آرزومند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو وہ لوٹ جائے مین کسی کو مجبور نہین کرتا" اس تقریر پر سب نے جوش کے ساتھ رفاقت وجان نثاری کی ہامی بھری، اور نخلستان پہنچکر قریش کے تجسس مین مصروف ہوئے، اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گذرا، گو ماہ رجب مین مراسم جاہلیت کے مطابق قتل وخونریزی ناجائز تھی، تاہم مسلمانون نے اس پر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کرلی، اور یکایک ٹوٹ پڑے عمرو بن حضرمی جو اس قافلہ کا سرگروہ تھا مارا گیا، عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے، بہت سامال غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس مین سے ایک خمس نکال کر باقی بہ حصۂ مساوی تمام شرکائے جنگ مین تقسیم فرمادیا، اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہین ہوا تھا، لیکن حضرت عبداللہؓ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا، اور قرآن مین اسی کے مطابق خمس کی آیت نازل ہوئی،

حضرت عبداللہ بن جحشؓ مال غنیمت کا خمس لے کر دربار نبوت مین حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے مین پس وپیش کیا اور فرمایا کہ مین نے تم کو ماہ حرام مین خونریزی کا حکم نہین دیا تھا مسلمانون نے بھی اس جسارت پر ملامت کی، قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی اور کہنے لگے کہ محمدؐ اور ان کے اصحاب نے ماہ محرم کو حلال کرلیا، اور قتل وخونریزی کر کے اس کی بیحرمتی کی لیکن وحی الٰہی نے ان کو اور ان کے ساتھیون کو ان جگردوز طعنون سے بری کر دیا،[1]

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ — لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہین

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۴۳، ۳۴۴،

فِیْهِ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ وَّصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَکُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ،

(بقرہ ع ۲۷)

کہ اس مین لڑنا (جائز) ہے، کہدو کہ اس مین لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا) اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد کشت وخون سے زیادہ برا ہے،

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوۂ بدر واحد مین شریک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہین کہ جنگ احد کے ایک روز پہلے مین نے اور عبداللہ نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی، میرے الفاظ یہ تھے، "اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابلہ مین آئے، وہ نہایت بہادر اور غضبناک ہو تا کہ مین تیری راہ مین اس کو قتل کرون"، عبداللہ نے آمین کہا، پھر دست بدعا ہوئے "خدایا! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو، مین تیری راہ مین اس سے معرکہ آرا ہون یہان تک کہ وہ مجھے قتل کرکے ناک کان کاٹ ڈالے، جب مین تجھ سے ملون گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ تیرے کان، ناک کیون کاٹے گئے؟ تو عرض کرون گا تیرے لئے اور تیرے رسول کے لئے" ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے "خدایا! مین تیری قسم کھاتا ہون کہ مین دشمن سے لڑون گا، یہان تک کہ وہ مجھے قتل کرکے میرا مثلہ کرے گا"[1]

شہادت | غرض ۷ شوال ۳ھ سنیچر کے روز معرکۂ کارزار گرم ہوا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ مین تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت مین ابوالحکم

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱،

ابن اخنس ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کردی، مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے، حضرت سعدؓ نے دیکھا تو بولے "خدا کی قسم عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی"[1]

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پائی، اپنے ماموں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے،[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

اخلاق گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش و وارفتگی کا اندازہ ہوا ہوگا، جفاکشی اُن کی فطرت میں داخل تھی، چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کئے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا، "گو عبداللہ بن جحش تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہے تاہم بھوک پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کرسکتا ہے"[3] خدا اور رسول کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کردیا تھا، انھیں اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جانِ عزیز کسی طرح راہ خدا میں نثار ہوجائے، چنانچہ یہ آرزو پوری ہوئی، اور المجدع فی اللہ یعنی گوش بریدۂ راہِ خدا اُن کے نام کا فصل امتیازی ہوگیا،[4]

حلیہ حلیہ یہ تھا قد میانہ، سر کے بال نہایت گھنے،[5]

اولاد حضرت عبداللہؓ کے ازواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہیں، غالباً ایک لڑکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ولی تھے، اور آپ نے اس کے لئے خیبر میں جائداد بھی خرید فرمائی تھی،[6]

حضرت عکاشہ بن محصنؓ

نام، نسب عکاشہ نام، ابو محصن کنیت، محصن بن حرثان کے نورِ نظر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:

---

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱، ۲ ایضاً ص ۱۳۲، ۳ اصابہ تذکرہ عبداللہ بن جحش ۴ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۲ ۵ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۴، ۶ ایضاً،

عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمۃ الاسدی،
ایام جاہلیت میں بنی عبد شمس کے حلیف تھے[1]

اسلام و ہجرت | آپ ہجرت سے قبل بادۂ ایمان سے مخمور ہوئے، ساقیِ اسلام نے جب یثرب کا رخ
کیا تو یہ بھی قدح خوارانِ توحید کے ساتھ مدینہ پہنچے،[2]

غزوات | غزوۂ بدر میں غیر معمولی جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، ان کی تیغ
دودم ریزے ریزے ہو کر اڑ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی
جس نے خنجر خارا شگاف بنکر دشمن کا صفایا کر دیا، وہ آخر وقت تک اس سے لڑتے رہے، یہاں تک
کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا،[3]

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگوں میں جوش و پامردی کے ساتھ
نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاول سنہ ہجری میں چالیس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بنو اسد
کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ میں چشمہ غمر پر خیمہ افگن تھے، حضرت عکاشہ نہایت تیزی
کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہو کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے اس لئے
کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دو سو اونٹ اور بھیڑ بکریاں گرفتار کرکے لے آئے،[4]

شہادت | سنہ ۱۲ھ میں خلیفۂ اول نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلیحہ کی بیخ کنی پر مامور فرمایا جس نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علمِ نبوت بلند کیا تھا حضرت عکاشہؓ اپنے رہوار رزام اور حضرت
ثابت بن اقرمؓ اپنے گھوڑے محبر پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلیعہ کی خدمت انجام دے
رہے تھے، اتفاقاً راہ میں غنیم کے سواروں سے مڈبھیڑ ہو گئی، جس میں خود طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن
خویلد شامل تھا، طلیحہ نے حضرت عکاشہؓ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرمؓ پر جا پڑا، اور وہ شہید

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲ [2] ایضاً ص ۳ [3] استیعاب تذکرۂ عکاشہ [4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۱،

ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا، سلمہ! جلدی میری مدد کو آؤ، یہ مجھے قتل کئے ڈالتا ہے، وہ فارغ ہو چکا تھا اس لئے یکایک ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کو نرغہ میں لے کر شہید کر دیا۔[1]

تجہیز وتکفین اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونوں شہیدانِ ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا، حضرت عکاشہ رضی کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی امیر عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر اسی خون آلودہ پیراہن کے ساتھ زیرِ زمین نہاں کیا،[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

فضل وکمال فضل ومنقبت کے لحاظ سے اکابر وسادات صحابہ رضی میں شمار تھا، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں، کان من سادات الصحابۃ وفضلائھم[3] ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخشدیئے جائیں گے، انھوں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی "یا رسول اللہ! میں"، فرمایا "تم بھی ان ہی میں ہو" اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا "عکاشہ تم پر سبقت لے گیا" اس واقعہ کے بعد سے یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا، اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے "فلاں عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا"[4]

حضرت ابو حذیفہ رضی

نام ونسب ہشیم نام، ابو حذیفہ کنیت، والد کا نام عتبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی،[5]

اسلام حضرت ابو حذیفہ رضی کے والد عتبہ ان ذی اثر روسائے قریش میں تھے جنھوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی لیکن ارادۂ خداوندی میں کون مانع ہو سکتا

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۳ و [2] ایضاً [3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳ [4] بخاری [5] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰

ہے؟ خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابو حذیفہؓ نے اس وقت داعیِ اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور فرزندانِ توحید کی ایک نہایت مختصر جماعت کسمپرسی کے ساتھ اسیرِ پنجۂ ظلم وجفا تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے،[1]

ہجرت | حضرت ابو حذیفہؓ سرزمینِ حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ بھی رفیق سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ حبش ہی میں پیدا ہوئے تھے،[2] حبش سے مکہ واپس آئے، یہاں ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس بنا پر اپنے غلام حضرت سالمؓ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں باہم مواخات کرادی،[4]

غزوات | عہد نبوی کے تمام اہم مشہور معرکوں میں جوش وپامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے،[5] غزوۂ بدر میں کیسا عبرت انگیز منظر تھا جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جوہر شجاعت دکھا رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش وبیگانہ کی تمیز اٹھادی تھی، انہوں نے اپنے والد کو مقابلہ کے لئے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ نے اشعار ذیل میں ان کی ملامت کی

الاحول الاثعل المشؤم طائرہ	ابو حذیفۃ شر الناس فی الدین
احول بڑے دانت والا جس کا طائر بخت منحوس ہے	یعنی ابو حذیفہ جو مذہب میں نہایت برا ہے،
اما شکرت ابا رباک من صغر	حتی شببت شبابا غیر مجحون
کیا تو اپنے باپ کا مشکور نہیں ہے جس نے بچپن سے تیری پرورش کی	یہاں تک کہ تونے بے داغ جوانی پائی،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰، [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹، [4] استیعاب تذکرۂ ابو حذیفہؓ [5] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۵۹،

معرکۂ بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر رؤسائے قریش تہ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈالدیئے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً نام لے کر فرمایا، اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابوجہل!! کیا تم نے وعدۂ الٰہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا[1]، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ نہایت اداس تھا، آپ نے غمگین دیکھکر پوچھا، "ابوحذیفہ! شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے" عرض کی "خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل، پختہ کار وصاحب رائے شخص تھا، اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولتِ ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضور نے حالتِ کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلادیا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہوا[2]،

شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا، دارالخلافت سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور دادِ شجاعت دیکر ۵۴ برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

اخلاق حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی اخلاقی بلندی کے لحاظ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، حق پسندی، حق گوئی وجوشِ ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان کی بیوی حضرت ثبیتہ انصاریہ کے غلام تھے، انھوں نے ان کو آزاد کر دیا تو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنا متبنیٰ بنالیا چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے[3]،

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نہایت غیور تھے، قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کردی کہ منھ بولا بیٹا محرم نہیں ہوتا تو ان کو حضرت سالم کا زنانخانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی زوجہ محترمہ

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۵ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶۱ ایضاً،

حضرت سہلہ بنت سہیل رضؓ نے دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن ابو حذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے" ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو تمہارا محرم ہو جائے گا، غرض اس طرح متبنیٰ ہونے کے ساتھ وہ رضاعی فرزند بھی ہو گئے،[1]

حلیہ | یہ تھا قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت چشم احول، سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ،

ازواج | حضرت ابو حذیفہ رضؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، سہلہ رضؓ بنت سہیل، آمنہ بنت عمرو، ثبیتہ بنت یعار انصاریہ[2]

اولاد | محمد بن ابی حذیفہ حضرت سہلہ رضؓ کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے، حضرت عثمان رضؓ کی مخالفت میں پیش پیش تھے طرفدارانِ امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوئے، عاصم بن ابی حذیفہ حضرت آمنہ بنت عمرو رضؓ سے پیدا ہوئے، چونکہ یہ دونوں لاولد فوت ہوئے، اس لئے حضرت ابو حذیفہ رضؓ کا سلسلۂ نسل منقطع ہو گیا،[3]

حضرت سالم رضؓ مولیٰ ابی حذیفہ رضؓ

نام و نسب | سالم نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطخر ان کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیتہ رضؓ بنت یعار انصاریہ کی غلامی میں مدینہ پہنچے، انہوں نے آزاد کر دیا، تو حضرت ابو حذیفہ رضؓ نے ان کو اپنا متبنیٰ کر لیا، اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں،[4]

وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابو حذیفہ رضؓ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل

[1] بخاری [2] طبقات ابن سعد ص ۵۹ [3] ایضاً [4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵

ہوئی "ادعوھم لاٰبائھم" یعنی لوگوں کو اپنے نسبی آبار کے انتساب سے پکارا کرو، تو حضرت سالمؓ بھی ابن کے بجائے مولیٰ ابی حذیفہ کے لقب سے مشہور ہوئے[1]

حضرت سالمؓ جوان ہوئے اور قرآن نے خود ساختہ ابوت وبنوت کے تعلق کو کالعدم کردیا تو حضرت ابوحذیفہؓ کو ان کا زنان خانہ مین آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوکر عرض کی "یارسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمیشہ گھر مین آتا جاتا تھا، لیکن اب ابوحذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے"، ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو وہ تمھارا محرم ہوجائے گا، غرض اس طرح وہ حضرت ابوحذیفہؓ کے رضاعی فرزند ہوگئے، لیکن ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہین کہ یہ سالم کے لئے مخصوص اجازت تھی، ورنہ جوانی کی حالت مین رضاعت ثابت نہین ہوتی،[2]

اسلام وہجرت | حضرت سالمؓ غالباً مکہ مین حضرت ابوحذیفہؓ کے ساتھ مسکن گزین تھے، دعوتِ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انھون نے ابتدا ہی مین لبیک کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے مواخات کرادی،[3]

ہجرت کے موقع مین حضرت ابوحذیفہؓ کے ہمراہ تھے، مدینہ پہنچکر حضرت عبادؓ بن بشرؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت معاذ بن ماعص انصاریؓ سے مواخات ہوئی،[4]

غزوات | غزوۂ بدر، احد، خندق اور عہدِ نبویؐ کی تمام جنگون مین معرکہ آرا تھے، عہد صدیقی مین یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے، مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ مین تھا، ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا "ہم کو تمھاری طرف سے اندیشہ ہے، اس لئے ہم کسی دوسرے کو علمبردار بنا مین گے"، بولے "اگر مین بزدلی دکھاؤن تو مین سب سے زیادہ بدبخت حاملِ قرآن ہون"، یہ کہکر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم به [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱، [4] ایضاً،

ہوئے اور درحقیقت انھون نے اپنے کو بہترین حاملِ قرآن ثابت کیا، اثنائے جنگ مین داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائین ہاتھ نے قائم مقامی کی، وہ بھی شہید ہوا تو دونون بازوؤن سے حلقہ مین لیکر لوائے توحید کو سینہ سے چمٹا دیا، زبان پر یہ فقرہ جاری تھا،[1]

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، وَكَاَيِّنْ مِّنْ	محمد صرف ایک رسول ہین اور کتنے انبیاء
نَبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ،	ایسے ہین جن کے ساتھ بہت سے اللہ
(اٰل عمران ع ۱۵)	والون نے جہاد کیا ہے،

شہادت زخمون سے چور ہو کر گرے تو پوچھا، ابو حذیفہ نے کیا کیا؟ لوگون نے کہا، شہید ہوئے" بولے "اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا تھا؟ جواب دیا گیا کہ وہ بھی شہید ہوئے فرمایا "مجھے ان دونون کے درمیان دفن کرنا"،[2]

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگِ یمامہ کے موقع پر جب مسلمانون کے پاؤن پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالمؓ نے کہا، افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا" وہ اپنے لئے ایک گڑھا کھود کر اس مین کھڑے ہو گئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحۂ حیات تک جانبازانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اختتامِ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہیدِ ملت کا سر اپنے منہ بولے باپ (حضرت) ابو حذیفہؓ کے پاؤن پر تھا،[3] اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ،

فضل وکمال حضرت سالمؓ ان بزرگون مین تھے جو طبقۂ صحابہؓ مین فنِ قرأت کے امام سمجھے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو یعنی ابن مسعودؓ سالم مولیٰ ابی حذیفہ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے،[4] خدائے پاک نے خوش گلو اس قدر بنایا تھا کہ جب آیاتِ قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگون پہ ایک عام محویت طاری ہو جاتی اور

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۶۱ [4] بخاری،

راہ گیر ٹھٹک کر سننے لگتے، ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہوئی، آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے میں دیر ہوگئی اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف لے آئے، دیکھا تو سالم مولیٰ ابی حذیفہ ہیں، آپ نے خوش ہو کر فرمایا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا۔[1]

حضرت سالمؓ اپنی خوش الحانی و حفظِ قرآن کے باعث صحابۂ کرامؓ میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے، (حضرت) سالمؓ مسجد قبا میں انکی امامت کرتے تھے،[2]

وہ مسجد قبا کے امام تھے، مہاجرین اولین جن میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے[3]، غرض قرآنِ کریم کی برکت اور علم و فضل نے ان کو غیر معمولی عظمت و شرف کا مالک بنا دیا تھا،

حضرت عمر فاروقؓ ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب دم واپسین کے وقت انہوں نے منصبِ خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا "اگر سالمؓ موجود ہوتے تو میں اس مسئلہ کو مجلس شوریٰ میں پیش ہونے نہ دیتا" یعنی وہ ان کو اپنا جانشین بناتے،[4]

اخلاق حضرت سالمؓ کے قبائے فضل پر محاسنِ اخلاق کا طغرا نہایت خوشنما ہے، گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت، وفا شعاری و پارسائی کا اندازہ ہوا ہوگا، اہلِ حاجت کے لیے دستِ کرم کشادہ تھا، چونکہ کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے انہوں نے اپنے متروکہ مال و اسباب میں سے ایک

[1] اصابہ تذکرۂ سالم [2] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ العبد والمولی [3] بخاری کتاب الاحکام [4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶

ایک ثلث مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کی گلوخلاصی کے لئے اور ایک ثلث اپنے سابق آقاؤں کے لئے وصیت فرمائی تھی حضرت ابوبکرؓ نے ان کی سابق مالکہ حضرت ثبیتہ بنت یعارؓ کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور بولیں کہ میں نے بغیر امید صلہ آزاد کیا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس حصہ کو بیت المال میں داخل فرما دیا،[1]

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ

نام و نسب عبیدہ نام، ابوالحارث یا ابومعاویہ کنیت، والد کا نام حارث، اور والدہ کا نام سخیلہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے:- عبیدہ بن الحارث بن المطلب بن عبد مناف بن قصی القرشی،[2]

اسلام حضرت عبیدہؓ حضرت ابوسلمہ بن اسدؓ، حضرت عبداللہ بن ارقمؓ اور حضرت عثمانؓ ابن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے[3] مکہ میں حضرت بلالؓ ان کے اسلامی بھائی قرار پائے،[4]

ہجرت مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہؓ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیلؓ، حضرت حصینؓ اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ ایک ساتھ روانہ ہوئے، اتفاقاً راہ میں حضرت مسطحؓ کو بچھو نے ڈنک مارا، اس لئے وہ پیچھے چھوٹ گئے، لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل وحرکت سے بالکل مجبور ہیں تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے، یہاں حضرت عبدالرحمٰن بن سلمہؓ عجلانی نے خوش آمدید کہا اور لطف ومحبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ

[1] استیعاب تذکرہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۶ [3] ایضاً ص ۳۵۷، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۵،

وسلم نے تشریف لانے کے بعد حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس مین ان کا تمام خاندان آباد ہوا[1]

غزوات | ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہ شوال مین ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہو کر مشرکین قریش کی دیدبانی کے لئے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے، تاریخ اسلام مین یہ دوسرا لواے امارت تھا جو حضرت عبیدہ رضی کو عطا ہوا،

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی زیر امارت دوسو مشرکین کی ایک جمعیت سے مٹ بھیڑ ہوئی لیکن جنگ وخونریزی کی نوبت نہ آئی صرف معمولی طور سے چند تیرون کا تبادلہ ہوا[2]

غزوۂ بدر | اس مہم کے بعد حق و باطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوۂ بدر مین شریک ہوئے، صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید نے نکلکر "ھل من مبارز" کا نعرہ بلند کیا، لشکر اسلام سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لئے بڑھے تو انھون نے پکار کر کہا کہ "محمد! ہم ناجنسون سے نہین لڑ سکتے، ہمارے مقابل والون کو بھیجو"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی حضرت حمزہ رضی اور حضرت عبیدہ رضی کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جنبشِ لب کی دیر تھی کہ یہ تینون نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہوئے، حضرت عبیدہ رضی اور ولید مین دیر تک کشمکش جاری رہی، یہان تک کہ دونون زخمی ہوگئے، چونکہ حضرت علی رضی اور حضرت حمزہ رضی اپنے دشمنون سے فارغ ہو چکے تھے، اس لئے وہ ایک ساتھ ولید پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہ تیغ کرکے حضرت عبیدہ رضی کو میدانِ جنگ سے اٹھا لائے،[3]

حضرت عبیدہ رضی کا ایک پاؤن شہید ہو گیا تھا اور تمام بدن زخمون سے چور تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسکینِ خاطر کے لئے ان کے زانو پر سر مبارک رکھدیا، انھون نے عرض

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۵ [2] ایضاً [3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب المبارزہ،

کی "یارسول اللہ! اگر ابوطالب اب مجھے دیکھتے تو انھیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں،"[1]

ونسلمہ حتی نصرع حولہ ونذھل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمدؐ کی حفاظت کرینگے یہان تک کہ ان کے اردگرد مارے جائینگے اور اپنے بچون اور بیویون سے غافل ہوجائینگے،

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہوسکے، ترسٹھ برس کی عمر مین داعیِ جنت کو لبیک کہا اور مقام صفراء کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن مین چھپالیا،[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

فضل وکمال ان کو دربارِ نبوت مین غیر معمولی رفعت حاصل تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ مقام صفراء مین خیمہ افگن ہوئے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کی "یارسول اللہ یہان مشک کی لپٹ آتی ہے" فرمایا "یہان ابو معاویہ کی قبر موجود ہوتے ہوے تمھین اس پر تعجب کیون ہے؟"[3]

حلیہ یہ تھا قد میانہ، رنگ گندم گون اور چہرہ خوبصورت،[4]

اولاد حضرت عبیدہؓ نے متعدد بیویون سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیان یادگار چھوڑین،[5] معاویہ، عون، منقذ، حارث، محمد، ابراہیم، ریطہ، خدیجہ، سخیلہ، صفیہ،

حضرت شماس بن عثمانؓ

نام ونسب شماس نام، والد کا نام عثمان، اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے،

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۷ [2] ایضاً، [3] استیعاب تذکرۂ عبیدہ بن الحارث، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۵ [5] ایضاً،

شماس بن عثمان بن الشرید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی،

ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمان تھا، شماس اس لئے نام پڑا کہ ایک دفعہ ایام جاہلیت میں ایک نہایت حسین وجمیل نصرانی جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مکہ آیا، لوگ اس کے غیر معمولی حسن وجمال پر سخت متعجب تھے، عتبہ بن ربیعہ نے (جو حضرت شماسؓ کا ماموں تھا) دعوی کیا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شماس یعنی رخ تابان موجود ہے، اور مقابلہ میں حضرت ابن عثمانؓ کو پیش کیا، چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شماس ہوگیا۔[۱]

اسلام | حضرت شماسؓ اور ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت ربیعہؓ نے بھی ابتداہی میں دعوتِ توحید پر صدائے لبیک بلند کیا تھا۔[۲]

ہجرت | مشرکین کے ظلم سے مجبور ہوکر راہیِ حبش ہوئے، حضرت صفیہؓ بھی ہمراہ تھیں، وہاں سے واپس آکر پھر مدینہ کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبدالمنذرؓ کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت حنظلہ ابن ابی عامر انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔[۳]

غزوات | غزوۂ بدر واحد میں جانبازی وپامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، معرکۂ احد میں جب کہ اتفاقاً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیان اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور صرف چند جان نثار میدان میں رہ گئے تو حضرت شماسؓ بھی ان ہی پروانوں میں تھے جو شمع نبوت کے ارد گرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں شماس کے لئے "سپر" کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپ چپ وراست جس طرف دیکھتے حضرت شماسؓ ہی سر بکف نظر آتے، غرض انہوں نے اپنے آپ کو مہبطِ وحی والہام کے لئے سپر بنادیا، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہوکر گر گئے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دمِ واپسیں کے چند انفاس باقی تھے،

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۵ [۲] استیعاب تذکرۂ شماس [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۵،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ اٹھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہؓ ان کی تیمارداری پر مامور ہوئیں لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا تھا، دربارِ خداوندی سے حصولِ انعام کی دعوت آ چکی تھی ایک شبانہ روز توقف کے بعد انھوں نے داعیِ حق کو لبیک کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی خونین پیرہن کے ساتھ بغیر نماز جنازہ احد کے گورِ شہیداں میں دفن کرنے کا حکم دیا،[۱] غرض چونتیس برس کی عمر میں سپردِ خاک ہوئے،[۲] اناللہ وانا الیہ راجعون،

حلیہ | حضرت شماسؓ نہایت حسین و خوبرو تھے، چنانچہ اسی تابانیِ رخ نے ان کو شماس کے نام سے مشہور کیا،[۳]

اولاد | ایک لڑکا عبد اللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی، لیکن یہ دونوں لاولد فوت ہوئے اس لئے سلسلۂ نسل منقطع ہو گیا،[۴]

حضرت شجاع بن وہبؓ

نام، نسب | شجاع نام، ابو وہب کنیت، والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، شجاع ابن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودان بن خزیمہ ایامِ جاہلیت میں ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا،[۵]

اسلام و ہجرت | حضرت شجاعؓ ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دستِ تظلم سے مجبور ہو کر سرزمینِ حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے تھے،[۶]

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴ [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۶ [۳] ایضاً ص ۱۷۶ [۴] ایضاً [۵] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۶ [۶] اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۸،

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گردن اطاعت خم کردی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ پھینچ لائی، لیکن یہاں پہونچ کر افواہ غلط ثابت ہوئی، اس لئے چند روز قیام کے بعد ستر اشخاص کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت اوس بن خولیؓ سے مواخات ہوئی[1]،

غزوات بدر، احد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے[2]، ماہ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر مقام رتی میں خیمہ افگن تھی، حضرت شجاعؓ اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک جمعیت لیکر دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان پر جا پڑے، اور شکست دے کر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب و سامان اس کے علاوہ تھا[3]،

سفارت غزوہ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر سلاطین عالم کے پاس دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہبؓ بھی حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقام غوطہ کا رئیس تھا) سفیر بنا کر بھیجے گئے خط کے ابتدائی فقرے یہ تھے[4]،

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نام خدا کے ساتھ جو بڑا مہربان و رحیم،

من محمد رسول اللہ الی الحارث — محمد رسول خدا کی طرف سے حارث بن

ابن ابی شمر سلام علی من اتبع — ابی شمر کو اسلام ہے اس پر جو ہدایت کی

---

[1] استیعاب تذکرہ شجاعؓ [2] اسد الغابہ تذکرہ شجاعؓ [3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

[4] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۹،

الھدی وامن بہ وصدق وانی	پیروی کرے، ایمان لائے اور تصدیق کرے
ادعوک الی ان تومن باللہ وحدہٗ	بتبک میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے کی
لاشریک لہ یبقی لک ملکک،	دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی
	شریک نہیں (اسی صورت میں) تمہاری
	سلطنت باقی رکھی جائے گی،

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر "مری" نے اسلام قبول کیا اور حضرت شجاعؓ کی معرفت بارگاہِ نبوت میں پیام و سلام بھیجکر پوشیدہ طور سے دین حنیف پر قائم رہنے کی خبر دی،[۱]

شہادت | چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔[۲]

حلیہ | یہ تھا طویل القامت، الاغر اندام اور بال نہایت گھنے تھے۔[۳]

حضرت محرز بن نضلہؓ

نام و نسب | محرز نام اور ابو نضلہ کنیت ہے لیکن عموماً اخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- محرز بن نضلہ بن عبد اللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی، یہ ایام جاہلیت میں بنو عبد شمس کے حلیف تھے،[۴]

اسلام و ہجرت | قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں تاہم مومنین سابقین میں ہیں، مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو انصار کے قبیلۂ عبد الاشہل نے ان کو اپنا حلیف بنالیا اور حضرت عمارہ بن حزم سے اسلامی بھائی چارہ ہوا،[۵]

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۷ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] اسد الغابہ جلد ۴ ص [۵] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۶۷

غزوات غزوۂ بدر، احد اور خندق مین جانبازی وشجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، غزوۂ ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ ہے،[1] اس کی تفصیل یہ ہے،

شہادت ۶ھ مین بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹون پر چھاپا مارا اور نگہ بان کو قتل کرکے اونٹون کو اپنے ساتھ لے چلے حضرت سلمہ بن الاکوع رض موقع واردات کے قریب موجود تھے، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت رباح رض کو گھوڑے پر سوار کرکے اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھ کر یا صباحاہ کا نعرہ بلند کیا اور دیر تک تنہا تیرون اور پتھرون سے ان غارتگرون کا مقابلہ کرتے رہے، اسی اثنا مین درختون کے جھنڈ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار نکلتے ہوئے نظر آئے، سب سے آگے حضرت اخرم اسدی رض یعنی محرز بن نضلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاری رض اور حضرت مقداد بن اسود رض تھے، حضرت سلمہ رض نے حضرت اخرم رض کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا، اخرم! آگے نہ بڑھو، مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دے گا، بولے سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو میری شہادت مین حائل نہ ہو، یہ جملہ کچھ ایسے جوش مین ادا ہوا تھا کہ حضرت سلمہ رض نے باگ چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبدالرحمن فزاری کے سامنے جاکھڑے ہوئے، انھون نے ایک ایسا وار کیا کہ عبدالرحمن کا گھوڑا کٹ کر ڈھیر ہوگیا، لیکن اس کا نیزہ بھی خالی نہ گیا، حضرت محرز رض شہید ہوکر فرش خاک پر آئے، اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہوگیا، تاہم حضرت ابو قتادہ رض پیچھے موجود تھے، انھون نے اس کو واصل جہنم کرکے ان کا انتقام لیا،[2]

شہادت کے وقت حضرت محرز بن نضلہ رض کی عمر تقریباً ۳۷ یا ۳۸ سال تھی،[3]

فضل وکمال گذشتہ واقعہ سے ان کے غیر متزلزل ایمان وشوق شہادت کا اندازہ ہوا ہوگا، شہادت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۶۶، ۶۷ [2] مسلم جلد ۲ باب غزوۂ ذی قرد [3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۰۷

سے چند دن پہلے انھون نے خواب مین دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھولدیئے گئے اور وہ عالمِ بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتوین آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے ہین، یہان ان سے کہا گیا کہ یہی تمھارا مسکن ہے،

دوسرے روز انھون نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو تعبیر رویا مین کمال رکھتے تھے اس خواب کو بیان کیا، انھون نے فرمایا، احزم! تمھین شہادت کی بشارت ہو، چنانچہ چند ہی دنون کے بعد اس بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی، اور غزوۂ ذی قرد کی شہادت نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے دائمی مسکن مین پہنچادیا،[۱]

حلیہ رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین و خوبصورت تھے،[۲]

حضرت شقران صالح رضہ

نام و نسب صالح نام، شقران لقب، اور والد کا نام عدی تھا، یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضہ کے حبشی نژاد غلام تھے، لیکن اس غلامی مین بھی سیادت مقدر تھی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی خدمتگذاری کے لئے پسند فرمایا اور حضرت عبد الرحمٰن رضہ کو قیمت دے کر خرید لیا، بعض روایتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھون نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا،[۳]

غزوات مین عموماً مالِ غنیمت اور قیدیون کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے، اور غنیمت مین حصہ پانے کے بجائے جن کے قیدیون کی نگرانی کرتے تھے وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر مین ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مالِ غنیمت مین حصہ پانے والون سے بھی زیادہ نفع مین رہے،[۴]

غزوۂ بدر مین انھون نے اس احتیاط و مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت

۱؎ طبقات ابن سعد قسم ۱ جلد ۳ ص ۶۷، ۲؎ ایضاً، ۳؎ اصابہ جلد ۳ ص ۱۵۳، ۴؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۴۴،

صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر آزاد فرمادیا،

غزوۂ مریسیع مین شکست خوردہ غنیم کے مال واسباب سامانِ جنگ، بھیڑ، بکریان اور ان کے ذریات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے[5]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت اپنے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقران رضی اللہ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین مین اہل بیت کے ساتھ شریک تھے[6] غرض یہ آخری خدمت تھی جو اس غلامِ جان نثار نے اپنے مشفق آقا کے لئے انجام دی،

اس مین اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت شقران رضی اللہ نے مدینہ مین سکونت اختیار کی یا بصرہ مین توطن گزین ہوئے، کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ مین بھی تھا، اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہین،

حضرت عمیرؓ بن ابی وقاصؓ

نام ونسب عمیر نام، والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی فاتحِ ایران کے حقیقی بھائی تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔ عمیر بن ابی وقاص بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ ... بن سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی،

اسلام حضرت عمیر رضی کے برادر اکبر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی ان روشن ضمیر بزرگون مین تھے جنھون نے ابتدا ہی مین داعیِ اسلام کو لبیک کہا تھا، اس زمانہ مین حضرت عمیر رض گو نہایت کمسن تھے تاہم فطری سلامت طبع وخرد وحق شناسی عمر کی قید وبند سے آزاد ہوتی ہے، انھون نے اس عہدِ طفولیت

---

[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۴۴ [6] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱ [7] اصابہ جلد ۳ ص ۱۵۳ [8] اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاص

مین بھائی کا ساتھ دیا اور ساقیِ اسلام کے ایک ہی جام نے ان کو نشۂ توحید سے مخمور کردیا،[1]

ہجرت | سولہ برس کا سن تھا کہ امام بلاکشانِ اسلام کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلبستگی کیلئے حضرت سعد بن معاذؓ رئیسِ قبیلۂ عبد الاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذؓ سے بھائی چارہ کرادیا، یہ دونون تقریباً ہم سن تھے،[2]

غزوۂ بدر | ۲ھ مین مجاہدینِ اسلام غزوۂ بدر کے خیال سے علم نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس مجمع مین پہنچ گئے، ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ دیکھ کر کہ وہ مضطرب و بیقرار ادھر ادھر چھپتے پھرتے ہین، پوچھا جان برادر یہ کیا ہے؟ بولے بھائی جان! مین بھی اس جنگ مین شریک ہونا چاہتا ہون، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادین گے،[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب تمام جان نثار یکے بادیگرے معائنہ کے لئے پیش ہوئے تو حضرت عمیرؓ کا خوف درحقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے ان کی صغیر سنی کا خیال کرکے فرمایا، تم واپس جاؤ، حضرت عمیرؓ یہ سنکر بے اختیار رونے لگے، اس طفلانہ گریۂ و بکا کے ساتھ ان کے وفورِ جوش اور شوقِ شہادت نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر خاص اثر کیا، اور جنگ مین شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے تلوار باندھی،[4]

شہادت | حضرت عمیرؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان مین تلوار باندھ دی، اور وفورِ جوش نے کفار کے نرغہ مین گھسا دیا، دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت مین خورشیدِ تمنا جلوہ گر ہوا، یعنی عمرو بن عبد ود کی تلوار

[1] اسد الغابہ تذکرۂ عمیر بن ابی وقاص [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۰۶ [3] ایضاً [4] مستدرک جلد ۳ ص ۱۸۸

نے شہادت کی آرزو پوری کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون[۱]،

حضرت عامر بن ربیعہ رضؓ

نام و نسب | عامر نام، ابو عبد اللہ کنیت اور والد کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عامر ابن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبد اللہ بن الحارث بن رفیدہ بن عنز بن وائل، ان کے سلسلۂ نسب میں سخت اختلاف ہے تاہم ارباب سیر عام طور پر ان کو عنزی لکھتے ہین، عنز وائل کے لڑکے اور بکر و تغلب کے بھائی تھے جن کی خونریز معرکہ آرائیان اب تک زبان زد خاص و عام ہین[۲]،

ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا جنھون نے فرطِ محبت سے حضرت عامرؓ کو متبنی کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آبا و اجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے حضرت عامرؓ بھی خطاب کے بجائے اپنے نسبی والد ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے[۳]،

اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مین بھی آخر وقت تک نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہمرکاب تھے اسی طرح جس سال حضرت عثمانؓ کو جانشین کرکے حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس سفر مین بھی ان کو اپنا رفیق بنایا[۴]،

اسلام | حضرت عامر بن ربیعہؓ ان خوش نصیب بزرگون مین ہین جنھون نے ابتدا ہی مین داعی توحید کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان مین

[۱] مستدرک، جلد ۳ ص ۱۹۸، [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۰، [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۱، [۴] اصابہ جلد ۲ ص ۲۴۶

پناہ گزین ہوئے تھے۔[1]

ہجرت شرک و توحید کی کشاکش اور کفار کے دستِ تظلم نے ان کو بھی مکہ میں چین سے رہنے نہ دیا، دو دفعہ اپنی زوجۂ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ کو ساتھ لے کر امن و اطمینان کی تلاش میں ملک حبش تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آکر سرزمینِ یثرب کی راہ لی، ان کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد مدینہ پہنچے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور حضرات بھی پہنچ چکے تھے، البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت حثمہؓ کو عورتوں میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔[2]

غزوات بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات میں بھی شریک ہوئے، اور نہایت جفاکشی و جانکاہی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا، اپنے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ بن عامرؓ سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ ان شاندار کارناموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسرت و ناداری کے باعث سامانِ رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں ساتھ کر دیتے تھے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی تھیں، اس کے بعد کم ہونے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آجاتی تھی، حضرت عبد اللہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا، ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟" فرمایا "جانِ پدر! ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہو جاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لئے بھی ترس جاتے تھے۔"[3]

شورش سے کنارہ کشی اور وفات حضرت عثمانؓ کے آخری عہد خلافت میں جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعہؓ نے غایتِ تقویٰ کے باعث عزلت نشینی اختیار کر لی، دن، رات

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۸۱ [2] ایضاً ص ۲۸۲ [3] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۶

روزہ، نماز اور درود وظائف مین مشغول رہتے، ایک رات دیر تک مصروفِ عبادت رہے یہان تک کہ اسی حالت مین آنکھ لگ گئی تو خواب مین بشارت ہوئی، اٹھ خدا سے دعا کر کہ وہ تجھے اس فتنہ سے بچائے، جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندون کو محفوظ رکھا ہے، حضرت عامرؓ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور دوگانہ ادا کر کے نہایت خشوع وخضوع سے بارگاہِ رب الحاجات مین دست بدعا ہوئے، غرض اس بشارت غیبی نے ان کی گوشہ نشینی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا، یہان تک کہ اسی حالت مین بیمار ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دنون بعد وفات پائی، عزلت نشینی کے باعث لوگون کو یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ کب بیمار ہوئے؟ اور کب وفات پائی، یکایک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے۔[1]

اخلاق قدامتِ ایمان اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت نے ان کو اخلاقِ کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا، گذشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جفاکشی، تقویٰ، و زہد کا اندازہ ہوا ہوگا،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء سوم ص ۲۸۲،

دار المصنفین کی نئی کتاب

تاریخ اندلس

حصۂ اول

مرتبہ

(مولانا سید ریاست علی ندوی)

اندلس پر اُردو مین بکثرت مضامین اور کتابین لکھی گیئن، اور بکثرت عربی و انگریزی کتابون کا ترجمہ بھی کیا گیا لیکن پھر بھی ایک محققانہ اور مستند کتاب کی ضرورت باقی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہی، جو درحقیقت دار المصنفین کے پیشِ نظر سلسلۂ تاریخِ اسلام کی ایک اہم کڑی ہے، اُس کی متعدد جلدین ہین جو زمانہ کی مساعدت کے ساتھ بتدریج شائع ہون گی، اس جلد مین اندلس کے طبعی و تاریخی جغرافیہ کے بعد اس کی قدیم تاریخ کو روشناس کیا گیا ہے پھر اندلس پر مسلمانون کے حملون کے اسباب دکھائے گئے ہین، اس کے بعد فاتح اندلس طارق بن زیاد (۹۲ھ/۷۱۱ء سے ۹۳ھ/۷۱۲ء) سے لیکر عہد بعہد کے اُن ولاۃ کا ذکر آیا ہے، جو مرکزی حکومت کی طرف سے یہان حکمرانی کرتے رہے، پھر وہ دور آیا ہے، جب اندلس مین امویون کی آزاد سلطنت قائم ہوئی، اور ملک کے اقتدارِ اعلیٰ کی زمام اسی ملک مین آگئی، یہ پہلی جلد امویون کے چوتھے حکمران عبدالرحمن اوسط (تا ۲۳۸ھ/۸۵۲ء) کے دور پر تمام ہوئی ہے، جس مین اندلس کی مفصل سیاسی تاریخ کے ساتھ اسکی علمی و تمدنی تاریخ بھی آگئی ہے، قیمت:- عہ ر

منیجر

(طابع و ناشر صدیق احمد)